جواہر لال کی کہانی

186

از:-

محمد رحیم دہلوی

پبلشر

نیا کتاب گھر اردو بازار دھلی

دوسرا ایڈیشن ۱۹۴۷ء

پہلا ایڈیشن ۱۹۴۲ء

آگرہ اخبار برقی پریس آگرہ میں چھپی

قیمت
پانچ روپیہ

اس کتاب کے ماخذ

تلاش حق	از گاندھی جی
قوم کی آواز	از گاندھی جی
میری کہانی	از جواہر لال نہرو
باپ کا خط بیٹی کے نام	از جواہر لال نہرو
جگ بیتی	از جواہر لال نہرو
سویٹ روس	از جواہر لال نہرو
جواہر لال نہرو	از گوپال مِتل
تاریخ کانگریس	از ڈاکٹر پٹابھائی ستیا رمیہ
جوائنٹ پارلیمنٹری رپورٹ	از اراکین دارالامرا و دارالعلوم
رولٹ بل	
کانگریسی مینی فیسٹو	از آل انڈیا کانگریس کمیٹی
ریڈ سٹار آف انڈیا	
قومی گزٹ کے فائل	
تیج کے فائل	
مدینہ کے فائل	

نیز بے گنتی اخبارات، رسائل اور کتب وغیرہ

انتساب

آل انڈیا کانگریس کمیٹی

کے نام

جو ہندوستان کی عظیم ترین سیاسی جماعت ہے اور جس نے ہندوستان کی تمام قوموں اور فرقوں کی ترقی اور بہبود کے لئے عظیم الشان قربانیاں کی ہیں۔

ان عظیم شخصیتوں کے احترام اور شکریہ کے ساتھ جنہوں نے کانگریس کی ترقی کے لئے کٹھن مصائب جھیلے، جیلوں میں عمریں کاٹیں اور اپنی جانیں تک نذر کرکے اس بیج کو تناور درخت بنایا اور اسکی شاخیں چپہ چپہ میں پھیلا کر ان میں بیشمار قربانیوں کے لاتعداد پھول اور شگوفے کھلا دیئے،،

محمد رحیم دہلوی

اشارات

جواہر لال کی کہانی کا پہلا ایڈیشن سنہ ۱۹۴۲ء میں چھپا تھا جسے ہندوستان کا مہیب سیاسی سال کہا جاتا ہے اس وقت دنیا کے اسٹیج پر جنگ کا جو خونی ڈرامہ کھیلا جا رہا تھا اسکی صورت یہ تھی کہ جرمنی فوجیں روس میں یلغار کرتی ہوئی سٹالین گراڈ تک پہنچ چکی تھیں۔ اور ہٹلر کے طوفانی دستے کاکیشیا کی پہاڑیوں پر روسیوں کو پیچھے ڈھکیل رہے تھے اور افریقہ میں بھی فتح و نصرت جرمنوں کو خوش آمدید کہہ رہی تھی۔ مارشل رومیل نے الامین کو اپنا ہیڈ کوارٹر بنا لیا تھا۔ جہاں سے مصر کا مشہور شہر سکندریہ صرف ۵ میل رہ گیا تھا اور مسولینی مصر میں داخل ہونے کیلئے الامین پہنچنے کا اعلان کر چکا تھا۔

ایشیا میں جاپانیوں کا ٹڈی دل لشکر فتح و شادمانی کے گیت گاتا ہوا ہندوستان اور آسٹریلیا کے دروازوں پر پہنچ گیا تھا اور جاپانیوں نے اتحادیوں کو جگہ جگہ جس حیرت انگیز طور پر شکست دی تھی اس سے اتحادیوں کی ساکھ تمام دنیا میں خراب ہو چکی تھی۔

برما پر جاپانیوں کا مکمل قبضہ ہو چکا تھا۔ اور محوریوں کا پروگرام تھا کہ جنرل رومیل اور فان بوک کی فوجیں مصر اور کاکیشیا سے چلکر برما سے ہندوستان کی طرف بڑھنے والی جاپانی فوجوں کیساتھ ہندوستان کے دارالسلطنت دہلی جا کر ملیں۔

ہندوستان میں گاندھی جی برطانیہ سے اختیارات چھیننے کا فیصلہ کر چکے تھے۔ اور "ہندوستان چھوڑ دو" کا نعرہ بلند ہو چکا تھا۔ ان تمام واقعات نے برٹش حکومت کو بوکھلا دیا تھا اور وہ ہندوستان میں ہر قومی تحریک اور سیاسی لٹریچر کو پوری قوت کیساتھ کچل رہی تھی اور ہندوستان بھر میں لاتعداد آدمیوں سے جیلوں کو بھر دیا گیا تھا۔ یقین تھا کہ اس طوفان انگیز ماحول میں میری پیش کردہ اس سیاسی دستاویز کی اشاعت پر حکومت ضرور چراغ پا ہوگی۔

حکومت کی روایات کے تحت میری گرفتاری اور کتاب کی ضبطی ایک یقینی سی بات تھی۔ میں ہر خطرہ کو لبیک کہنے کے لئے تیار تھا۔ لیکن یہ کیا ضروری تھا کہ اس کتاب کی اشاعت کے جرم میں کوئی پبلشر حکومت کے عتاب کی آگ میں اپنے آپ کو جھونکنے کے لئے تیار ہو جاتا۔ اس کتاب کی اشاعت کے سلسلہ میں مجھے بڑی مایوسی تھی لیکن مولوی محمد عبدالحق صاحب نیا کتاب گھر اردو بازار دہلی قابل مبارکباد ہیں۔ کہ انہوں نے ہر خطرے سے بے پرواہ ہو کر اس جرم میں شریک ہونے پر آمادگی ظاہر کی اور اس طرح اس کا پہلا ایڈیشن پبلک تک پہنچایا جا سکا۔

محمد رحیم دہلوی

۴؍اپریل ۱۹۴۶ء

پیش لفظ

۱۹۳۷ء میں چند روز کیلئے میں اپنے ایک عزیز کے ہاں آگرہ مہمان آیا تھا
یہیں میں نے یہ کتاب لکھنی شروع کی، عرصہ سے میری خواہش تھی کہ کانگریس کی مفصل
تاریخ کتابی صورت میں شائع کیجائے، ڈاکٹر بی پٹابھائی ستیارامیہ کی تاریخ کانگریس
شائع ہو چکی تھی اور جواہرلال کی آپ بیتی بھی چھپ چکی تھی۔ لیکن حالات تشنہ تھے
ڈاکٹر صاحب نے بہت سے اہم واقعات کی تفصیل غیر ضروری سمجھی تھی اور جواہرلال نہرو
کی زندگی کا لمبا عرصہ چونکہ جیل کی چار دیواری میں گذرا تھا۔ اس لئے انہوں نے باہر
کے واقعات سے متعلق لاعلمی کا اظہار کیا تھا

عرصہ تک میرے تحریری کام کی صورت یہ رہی کہ جب فرصت ہوئی اور دل چاہا
لکھنے بیٹھ گیا۔ اور کئی کئی مہینے ایسے بھی گذرے کہ فرصت نہ ملی۔ یا فرصت ملی تو لکھنے کو
جی نہ چاہا۔ ان میں سے بعض وقفے بہت طویل تھے اتنے طویل کہ میں نے ان وقفوں میں
دوسرے عنوانات پر متعدد مضامین لکھ ڈالے۔ لیکن اس کتاب کو ہاتھ لگانے کی
نوبت نہ آئی۔

اس دوران میں مجھے کاروباری سلسلے میں دہلی، بمبئی، کانپور اور آگرے مختلف
مقامات میں رہنے کا اتفاق ہوا، اور ہر جگہ میں اس کی تکمیل میں کچھ نہ کچھ وقت دیتا رہا،
بعض اوقات میں غیر معمولی انہماک کے ساتھ اس کی تکمیل میں مصروف رہا ہوں
بمبئی میں کچھ دن ایسے بھی گذرے ہیں کہ میں رات دن اس میں لگا رہا صبح سے
شام تک تحریری کام میں مصروف رہنے کے سبب میرے جسم کا جوڑ جوڑ دکھ جاتا
تھا اور آنکھوں کے نیچے اندھیرا چھا جاتا تھا۔ سہ پہر کو گھنٹوں ساحل سمندر پر جاکر
بیٹھتا تب اضمحلال دور ہوتا۔ واپس آکر آدھی آدھی رات تک لکھتا رہتا اور جب

تھک کر چور ہو جاتا تب ہاتھ سے قلم رکھتا۔ لیکن پھر اس کے بعد میں اسے اتنا وقت نہ دے سکا۔ کاروباری مشاغل سے فرصت پانے کے بعد رات کو لیکر بیٹھتا اور ایک ایک بجے ڈیڑھ دو بجے تک لکھتا رہتا چنانچہ اس کا اکثر حصہ شب میں لکھا گیا ہے

میں نے بہت سی کتابوں، بہت سے اخبارات، بہت سے رسائل سے اور بہت سے پمفلٹوں سے اسکا مواد جمع کیا ہے لیکن ناقدر شناسی ہوگی اگر میں خصوصیت کے ساتھ ادارہ "تیج" کا شکریہ ادا نہ کروں۔ کہ اس نے نہایت محبت اور خلوص کے ساتھ ہفتوں تک روزانہ دفتر تیج میں مجھے تمام پرانے فائل مہیا کئے اور ان سے مستفید ہونیکا موقع دیا، اور اس دوران میں پوری مہمان نوازی سے مجھے اپنا ممنون بنالیا۔

ادارہ "مدینہ" کا شکریہ ادا کرنا بھی ضروری ہے کہ اس نے اس سے بھی زیادہ لطف و کرم سے کام لیا۔ اور مجھے مدینہ کا مطلوبہ فائل بھیجدیا، مجھے اعتراف ہے کہ اگر آخر میں "مدینہ" کی امداد مجھے حاصل نہ ہوتی تو میں شاید اتنے مفصل واقعات پیش کرنے سے قاصر رہتا۔

یہ عجیب اتفاق ہے کہ اس کتاب کی ابتدائی سطور آگرہ میں لکھی گئی تھیں، اور آج حرف اختتام بھی ارض تاج ہی میں لکھ رہا ہوں۔

بکھرے ہوئے جواہر پاروں کا یہ مسلسل اور مربوط مجموعہ پیش نظر ہے ملک و قوم کا جو مفاد اس خدمت سے متصور ہے اسکو تجربہ خود ثابت کریگا۔

(آگرہ نئی بستی)

محمد رحیم دہلوی

نہ جانے کتنے سال میں نے جیل میں بسر کئے، کتنے موسم آئے اور چلے گئے، کتنے چاند بڑھے اور گھٹ گئے۔ ستارے بڑے ثبات اور وقار سے اپنے میر پر چلتے رہے، اور میں تنہائی اور محویت کے عالم میں تماشے دیکھتا رہا، میری جوانی کے بیشمار دن یہاں دفن ہیں کبھی کبھی وہ بھوت بنکر میرے سامنے آتے ہیں۔ گذرے ہوئے زمانے کی تلخیاں یاد دلاتے ہیں۔ اور چپکے سے میرے کان میں کہتے ہیں کہ اس سے کچھ حاصل بھی ہوا ؟ میں جواب دینے سے ذرا بھی نہیں ہچکچاتا، اگر مجھے اپنے موجودہ علم اور تجربہ کے ساتھ گذری ہوئی زندگی پھر سے بسر کرنیکا موقع ملے تو بیشک میں اپنی ذاتی زندگی میں بہت سی تبدیلیاں کروں، اپنے پچھلے کاموں میں بہت کچھ ترمیم و اصلاح کروں، مگر خاص خاص معاملات میں میرے فیصلے وہی ہوں گے جو پہلے تھے، سچ پوچھیئے تو میں ان کو بدل ہی نہیں سکتا۔ خود ان کے آگے بے بس ہوں، یہ فیصلے میں نے نہیں کئے بلکہ ایسی قوت کرائے ہیں جو میرے اختیار میں نہیں ہے "

جواہر لال نہرو

جواہر لال کی کہانی

خاندانی حالات

پنڈت جواہر لال نہرو کشمیری خاندان کے چشم و چراغ ہیں تقریباً سوا دو سو برس پہلے اٹھارویں صدی کے شروع میں ان کے پردادا کے باپ پنڈت راج کول کشمیر کو چھوڑ کر دولت و شہرت کی تلاش میں نیچے کے زرخیز میدانوں میں آئے یہ وہ زمانہ تھا کہ سلطنت مغلیہ کے زوال کے بعد ہندوستان کے تخت پر فرخ سیر جلوہ گر تھا۔ ایکمرتبہ جب بادشاہ جنت نظیر کشمیر کی سیر کو گئے تو انکی نظر عنایت پنڈت راج کول پر پڑی جو سنسکرت اور فارسی کے بہت بڑے عالم تھے۔ اغلباً بادشاہ ہی کے فرمان کے بموجب وہ ۱۷۱۶ء کے لگ بھگ ترک وطن کرکے دہلی آگئے بادشاہ نے انہیں بہت بڑی جاگیر عطا کی جسمیں ایک مکان بھی شامل تھا جو دلی میں نہر سعادت خاں کے کنارے واقع تھا۔ اسی بنا پر راج کول نہرو مشہور ہو گئے۔ اور خاندان کا نام "کول" سے بڑھکر "کول نہرو" ہو گیا۔ اور آخر کار صرف نہرو رہ گیا۔

بادشاہ کی عطا کی ہوئی نہرو خاندان کی جاگیر زمانہ بدامنی کے نشیب و فراز میں گھٹتے گھٹتے ختم ہو گئی۔ اور پنڈت راج کول کے صاحبزادے لکشمی نرائن نہرو نے ایسٹ انڈیا کمپنی کی ملازمت اختیار کرلی اور کمپنی کیطرفسے بادشاہ کے برائے نام دربار میں وکیل

بن کر بھیجے گئے۔

دکیل صاحب کے صاحبزادے پنڈت گنگا دھر نہرو غدر ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ کے پہلے کچھ دن دہلی کے کوتوال رہے۔ اور ۱۸۶۱ء میں ۳۴ برس کی عمر میں انکا انتقال ہوگیا۔

غدر ۱۸۵۷ء میں نہرو خاندان سے دہلی ہمیشہ کیلئے چھوٹ گئی اور اس عظیم ہنگامہ میں نہ صرف خاندانی کاغذات اور دستاویزات گم ہوگئیں بلکہ تمام املاک تلف ہوگئی اور یہ خاندان اپنا سب کچھ کھو کر آگرہ کی طرف روانہ ہوا۔

پنڈت موتی لال نہرو جو آخر میں ہندوستان کے شہرۂ آفاق لیڈر تسلیم کئے گئے اسوقت تک پیدا نہیں ہوئے تھے۔ مگر ان کے دونوں بڑے بھائی پنڈت بنسی دھر نہرو اور نند لال نہرو ان دنوں جوان تھے اور انھیں کچھ یوں ہی سی انگریزی بھی آتی تھی جو انکے بہت کام آئی۔ اور محض اسی سبب انہوں نے اپنے خاندان کو کوناگہانی موت سے بچالیا۔

یہ دونوں بھائی اپنے عزیزوں کے ساتھ دہلی سے جارہے تھے۔ اسی قافلہ میں انکی ننھی سی بہن تھی۔ اور کشمیری بچوں کی طرح اسکا رنگ بہت گورا تھا۔ راستے میں کچھ گورے ملے اور انہیں شبہ ہوا کہ یہ لوگ کسی انگریز کی بچی کو چرا کر لائے ہیں۔ ان دنوں عدالت میں مقدمہ چلا کر الزام ثابت کرنیکی ضرورت نہ تھی بلکہ الزام لگا کر فوراً سزا دیدینا عام بات تھی۔ قریب تھا کہ نہرو برادران کو اسیوقت کسی درخت پر پھانسی دیدی جاتی۔ لیکن ایسے نازک وقت انکی انگریزی تعلیم کام آگئی اور انہیں قلیل سی مہلت ملگئی۔ اتنے ہی میں انکا کوئی واقف کار وہاں آنکلا اور انہیں رہائی دلائی۔

پنڈت موتی لال نہرو کی پیدائش

کئی سال تک نہرو خاندان آگرہ میں رہا۔ اور اسی جگہ ۱۸۶۱ء میں پنڈت گنگا دھر نہرو

کا انتقال ہوا انکی پرانی قلمی تصویر اب تک نہرو خاندان میں موجود ہے اسمیں وہ مغل دربار کا لباس زیب تن کئے ہوئے ہیں اور ہاتھ میں ایک خمدار تلوار ہے اور شکل وصورت بالکل کشمیری ہے۔ لیکن اسکے باوجود کسی مغل امیر کی تصویر کا دھوکہ ہوتا ہے۔ انکے انتقال کے تین ہفتہ بعد ۶ رمئی ۱۸۶۱ء کو آگرہ ہی میں پنڈت موتی لال نہرو پیدا ہوئے اسوقت خاندان کی پرورش کا پورا بوجھ انکے دونوں بڑے بھائیوں کے سر تھا۔ بڑے بھائی پنڈت بنسی دھر نہرو حکومت برطانیہ کے محکمہ عدالت میں ملازم ہوکر مختلف مقامات پر تبدیل ہوتے رہے اور خاندان سے انکا تعلق بڑی حد تک منقطع ہوگیا۔ انسے چھوٹے بھائی نند لال نہرو راجپوتانہ کی ایک ریاست کھیتڑی میں دس سال دیوان رہے۔ اسکے بعد انھوں نے قانونی تعلیم حاصل کی۔ اور آگرہ ہائی کورٹ میں جو نیا نیا قائم ہوا تھا وکالت کرنے لگے۔ اور جب وہ آگرہ سے الہ آباد منتقل کر دیا گیا تو نہرو خاندان بھی وہیں جا بسا۔

یہاں انکی وکالت نے رفتہ رفتہ بہت ترقی حاصل کر لی انکا شمار ہائی کورٹ کے چوٹی کے وکیلوں میں ہونے لگا۔ پنڈت موتی لال نہرو نے ان ہی کے سایۂ عاطفت میں پرورش پائی اور آخر کار الہ آباد ہی ان لوگوں کا وطن ہوگیا۔

پنڈت موتی لال نہرو نے ابتدا میں صرف عربی اور فارسی تعلیم حاصل کی۔ وہ زمانہ کمسنی ہی میں فارسی میں اچھی استعداد رکھتے تھے۔ اس کے بعد بارہ چودہ برس کی عمر میں انہوں نے انگریزی شروع کی اور کانپور اور الہ آباد کے مدرسوں اور کالجوں میں تعلیم پائی پڑھنے لکھنے سے زیادہ انہیں کھیل کود اور شرارت سے خاص لگاؤ تھا۔ کالج میں وہ فسادی لڑکوں کے لیڈر سمجھے جاتے تھے۔ انہیں مغربی لباس اور مغربی تہذیب سے بہت دلچسپی تھی۔ حالانکہ اسوقت تک کلکتہ بمبئی جیسے بڑے شہروں کے علاوہ اور جگہ ہندوستان میں ان چیزوں کا رواج نہونے کے برابر تھا۔

یونیورسٹی کے ابتدائی امتحانوں میں وہ پاس ہوتے چلے گئے۔ لیکن بی۔ اے

کے امتحان میں انہوں نے پورے طور پر شرکت نہ کی اور یونیورسٹی کی تعلیم یہیں ختم ہوگئی۔ لیکن انکے دلمیں ترقی کی امنگ تھی۔ چنانچہ انہوں نے ہائی کورٹ کی وکالت کا امتحان دیا اور اسمیں وہ اول نمبر پاس ہوئے اور انعام میں سونیکا تمغہ ملا۔ اس زمانہ میں ہندوستان میں یہی ایک ایسا پیشہ تھا جسمیں اگر کامیابی ہو جائے تو مٹی کا سونا تھا پہلے انہوں نے کانپور میں ضلع کی عدالتوں میں وکالت شروع کی اور انتہائی محنت کے سبب تھوڑے ہی عرصہ میں انکا کام خوب چل نکلا۔ کانپور میں تین سال کام کرنے کے بعد وہ الہ آباد آگئے اور ہائی کورٹ میں وکالت کرنے لگے۔ کچھ ہی دن بعد انکے بھائی پنڈت نند لال نہرو کا انتقال ہوگیا۔ یہ صدمہ چھوٹے بھائی کیلئے سخت تھا کیونکہ پدرانہ محبت کرنیوالا بھائی ہمیشہ کیلئے جدا ہوگیا تھا اور علاوہ ازیں اس کم عمری میں بہت بڑے خاندان کی پرورش کا بوجھ یکایک ان پر آ پڑا۔

لیکن انہوں نے اپنے کام پر بہت زیادہ توجہ دی اور جو مقدمے ملے انہیں بڑی عمدگی سے انجام دیا اسلئے انکی وکالت بہت جلد چمک اٹھی انکے پاس کام بھی زیادہ آنے لگا۔ اور آمدنی بھی بڑھ گئی۔ اور آمدنی میں روز بروز اضافہ ہونے سے ان کی طرز زندگی بہت کچھ تبدیل ہوگئی۔ اور مغربی رنگ اور زیادہ گہرا ہوتا گیا۔

پنڈت جواہر لال نہرو کی پیدائش

ہندوستان کا یہ بطل جلیل اور کروڑوں ہندوستانیوں کے دلوں پر حکومت کرنے والا بے تاج کا بادشاہ ۱۴ نومبر ۱۸۸۹ء کو الہ آباد میں پیدا ہوا بچپن میں انگریز استانیاں اکثر ان کی نگراں رہیں۔

بچپن میں چوری

پانچ سال کی عمر تھی۔ والد کی میز پر فاؤنٹن پن دیکھکر جی للچایا اور سوچا کہ والد کو ایک ہی وقت میں دو قلموں کی ضرورت تو ہو ہی نہیں سکتی اسلئے ایک اٹھالیا۔ لیکن جب دیکھا کہ .... قلم کی تلاش ہو رہی ہے تو دلمیں بہت ڈرے لیکن اقرار کرنیکی ہمت نہوئی۔ بات کبتک چھپتی آخر راز افشا ہو گیا۔ والد بہت سخت ناراض ہوئے اور خوب سزا دی۔ درد کی تکلیف اور ذلت کے رنج سے بیتاب ہو کر یہ ننھا سا بچہ ماں کی گود میں پناہ لینے پہنچا اور کئی روز تک مینے سے دکھتے ہوئے جسم پر دواؤں کی مالش ہوتی رہی۔

بچپن کی معصومیت

شام کو پنڈت موتی لال نہرو کے اکثر دوست ان گھر ملنے آجایا کرتے تھے اور اچھی خاصی محفل جمع ہوا کرتی تھی مگر یہ والد کے غصہ کے ڈر سے دور دور رہتے تھے اور قریب آتے بھی تو صرف پردہ کی اوٹ سے جھانک کر دیکھ لیا کرتے تھے کہ کیا ہو رہا ہے۔ ایکمرتبہ انہوں نے اپنے والد اور انکے دوستوں کو لال رنگ کی شراب پیتے ہوئے دیکھا۔ معصوم بچہ کچھ نہ سمجھ سکا کہ یہ کیا بلا ہے اور اس سرخ چیز کو دیکھ کر ان کے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور دوڑ کر ماں کو خبر دی کہ اتا تو خون پی رہے ہیں۔

کمسن نہرو کے مسلمان دوست

والدہ کے بعد کمسن نہرو کے دوسرے ہمراز ان کے والد کے ایک محرر منشی مبارک علی تھے۔ انکا تعلق بدایوں کے ایک ممتاز خاندان سے تھا۔ لیکن غدر ۱۸۵۷ء کی شورش میں انکا گھر برباد ہو گیا تھا اور انگریزی فوجوں نے انکے خاندان کو قریب قریب ختم کر دیا تھا۔ انتہائی مصیبتیں سہنے کے سبب انکے دل میں بہت رقت اور درد تھا اور وہ سب سے اور خصوصاً بچوں سے بہت محبت سے پیش آتے تھے۔ کمسن نہرو کیلئے

ان کی گود بھی امن کی ایک پناہ گاہ تھی۔ جب کبھی طبیعت اداس یا پریشان ہوتی انہیں سکے پاس جلے پہنچتے اور ان کی محبت بھری گود میں بیٹھکر الف لیلہ کی داستان یا غدر ۱۸۵۷ء کے حالات سنا کرتے تھے۔ اور دونوں عید کے موقع پر منشی جی کے گھر جانا بھی معمول میں داخل تھا اور وہاں پہنچکر سوئیاں اور دوسری لذیذ کھانے بھی اڑاتے تھے۔

مذہب سے غیر متاثر نہرو

ان کی والدہ اور چچی انہیں ہندوؤں کے دیو مالا کی کہانیاں اور رامائن اور مہابھارت کی داستانیں سنایا کرتی تھیں اور گھر کی عورتیں طرح طرح کی رسمیں مناتی تھیں اور پوجا پاٹ کرتی تھیں ان کی چچی کو ہندوؤں کی پرانی کتابوں پر اچھا عبور تھا اور انہیں اس قسم کے ہزاروں قصے یاد تھے جو وہ انہیں سنایا کرتی تھیں اسطرح ان کی معلومات ہندوؤں کی دیو مالا اور کتھا مالا میں بہت بڑھ گئی اسکے علاوہ کبھی کبھی والدہ کیساتھ گنگا اشنان کو بھی جاتے تھے اور بعض اوقات وہ انہیں الہ آباد۔ بنارس اور دوسرے شہروں کے مندروں یا ان سنیاسیوں کی خدمت میں جو بڑے مہاتما سمجھے جاتے تھے لیجاتی تھیں مگر وہ ان تمام چیزوں کو عورتوں کا معاملہ ہی سمجھتے رہے اور انکے دل پر ان میں سے کسی چیز کا کوئی مستقل اثر نہیں پڑا۔

بہت ممکن ہے کہ مذہب سے غیر متاثر رہنے میں اپنے والد اور اپنے چچیرے بھائیوں کے طرز عمل کا بھی انپر کچھ اثر پڑا ہو کیونکہ وہ لوگ بھی مذہبی امور کو کوئی اہمیت نہیں دیتے تھے اور ہنسی میں ٹال جایا کرتے تھے

محرم کے جلوس کی سیریں

علاوہ ازیں بڑے بڑے تہواروں مثلاً جیسے ہولی جس میں سارا شہر رنگ رلیاں

منایا جاتا تو یہ بچوں کے ساتھ ایک دوسرے پر پانی پھینکتے تھے یا دیوالی جسمیں ہر مکانمیں
لاتعداد چراغ جلائے جاتے تھے اور جنم اشٹمی میں جب آدھی رات کو کرشن جی کے قید خانہ
میں پیدا ہونیکی خوشی منائی جاتی تھی تو اس کمسن بچہ کیلئے آدھی رات تک جاگنا بڑا
مشکل کام تھا۔ دسہرے اور رام لیلا میں رام چندر جی کے جیتنے کی مشہور کہانی جلوس
اور سوانگ کی شکل میں دوہرائی جاتی تھی اور تماشائیوں کے ٹھٹ کے ٹھٹ لگ جاتے
تھے ان تمام ہندو تہواروں کیساتھ ساتھ سب بچوں کے ہمراہ وہ محرم کا جلوس بھی
دیکھنے جایا کرتے تھے جسمیں علموں کے ریشمی پھریرے لہرایا کرتے تھے اور حضرت
امام حسنؓ اور امام حسینؓ کی شہادت کا زہرہ گداز ماتم ہوتا تھا۔

اسکے علاوہ کشمیری ہونے کے سبب نوروز یعنی ان کے سمت شروع ہونے کا
تہوار خاص طور پر منایا جاتا تھا۔ لیکن ان میں سب سے بڑھ کر اس بچہ کو اس
تقریب سے بہت زیادہ دلچسپی تھی جو خاص انکے لئے ہی منائی جاتی تھی۔

سالگرہ کی تفصیلات

یہ سالگرہ کی تقریب تھی۔ اس دن کی مسرت کا کچھ ٹھکانا نہ ہوتا تھا۔ صبح
سویرے ہی ایک بڑی ترازو میں انہیں گیہوں وغیرہ سے تولا جاتا تھا اور یہ چیزیں
غریبوں کو تقسیم کردی جاتی تھیں پھر انہیں خوبصورت نئی پوشاک پہنائی جاتی تھی
اور انہیں تحفہ دیئے جاتے تھے پھر شام کو بہت بڑی دعوت ہوتی تھی۔ جس میں بہت
بڑا مجمع ہوتا تھا اپنے آپ کو اس رات کا دولہا سمجھکر یہ چھوٹا سا بچہ جو ایک دن
بہت بڑا آدمی بننے والا تھا۔ فخر سے پھولا نہ سماتا تھا اور یہ اُسے زبردست شکایت تھی
کہ میری سالگرہ اتنے دن بعد کیوں آتی ہے۔ اسلئے وہ اکثر غل مچایا کرتا تھے
کہ یہ تقریب سال بھر میں کئی مرتبہ ہوا کرے۔

پہلا حادثہ

عمر کے ابتدائی سال ہی میں جبکہ ان کی عمر سات آٹھ سال کی تھی وہ روزانہ چھاؤنی کے ایک سوار کے ساتھ گھوڑے پر سیر کرنے جایا کرتے تھے ایک دن شام کو انہیں خطرناک حادثہ پیش آیا اور وہ گر پڑے۔ انکا چھوٹا سا عربی النسل خوبصورت ٹٹو انکے بغیر گھر واپس آیا۔ گھر پر اسوقت ایک ٹینس پارٹی تھی ایک ہل چل مچگئی اور پارٹی کے سب لوگ پنڈت موتی لال نہرو کے پیچھے مختلف سواریوں کا ایک جلوس بناکر انہیں تلاش کرنے نکلے وہ راستہ ہی میں ملگئے سب لوگوں نے انہیں ہاتھوں ہاتھ لیا

آنند بھون کی تعمیر

جب جواہر لال نہرو کی عمر دس سال ہوئی تو نہرو خاندان ایک نئے گھر میں منتقل ہو گیا۔ جو پہلے گھر کی بہ نسبت بہت بڑا تھا۔ اسکا نام انکے والد نے "آنند بھون" رکھا۔ اسمیں ایک بہت بڑا باغ اور تیرنے کا ایک حوض تھا۔ حوض میں اور سارے گھر میں بجلی کی روشنی لگگئی تھی۔ جو ان دنوں الہ آباد میں بالکل نئی چیز تھی۔ چونکہ حوض اب گھر میں ہی موجود تھا۔ اسلئے جواہر لال نہرو نے بہت چھوٹی سی عمر میں ہی تیرنا سیکھ لیا اور پانی سے مانوس ہو گئے ٹھیٹ گرمی کے تپتے ہوئے دنوں میں حوض میں جاکر ڈبکی لگانا انکا دلچسپ مشغلہ تھا۔ سب کیساتھ ملکر نہانے میں انہیں بڑی خوشی ہوتی تھی اور جو لوگ تیرنا نہیں جانتے تھے ان کو پانی میں دھکیل کر یا کھینچکر ڈرانے میں انہیں بڑا لطف آتا تھا۔ ڈاکٹر سر تیج بہادر اس زمانے میں الہ آباد میں وکالت کا کام سیکھ رہے تھے۔ وہ پہلی سیڑھی پر ڈیڑھ فٹ پانی میں بیٹھے رہتے اور دوسری سیڑھی تک جانے پر بھی کسی طرح راضی نہ ہوتے تھے وہ تیرنا نہیں جانتے تھے

اور سیئے نہ ایجیے نہیں چاہتے تھے اگر انہیں پہلی سیڑھی پر سے کوئی سرکانا چاہتا تھا تو بہت چیخنے چلاتے۔ پنڈت موتی لال نہرو کو بھی اچھی طرح تیرنا نہیں آتا تھا لیکن وہ ہاتھ بھیجکر اور جسم کا زور لگا کر کسی نہ کسی طرح حوض کو پار کر ہی لیتے۔

سیاست سے پہلی دلچسپی

ان دنوں جنوبی افریقہ میں بوئر لڑائی چھڑی ہوئی تھی اور اسمیں بوئروں نے انگریزوں کے مقابلہ پر توقع سے کہیں زیادہ جرأت، بہادری اور استقلال دکھایا۔ جواہر لال نہرو کو اس لڑائی سے بڑی دلچسپی تھی اور وہ دل و جان سے بوئروں کے طرفدار تھے۔ لڑائی کی خبروں کے شوق سے انہوں نے اخبار پڑھنا شروع کر دیا۔

ابتدائی تعلیم

ابتدائی تعلیم کیلئے سب سے پہلے جواہر لال کو ایک نیک دل بوڑھے پنڈت جی کے سپرد کیا گیا۔ یہ اتالیق صرف ہندی اور سنسکرت پڑھانے کیلئے رکھے گئے تھے اور چند سال تک وہ برابر پڑھاتے رہے لیکن اسکے باوجود اس عرصہ میں جو کچھ حاصل ہوا وہ بہت تھوڑا تھا۔ خصوصاً سنسکرت میں شُد بُد سے زیادہ کچھ حاصل نہ ہو سکا

گیارہ برس کی عمر میں مسز اینی بیسنٹ کی سفارش سے ان کے لئے ایک یورپین اتالیق رکھے گئے جو تین سال تک پڑھاتے رہے اور انہوں نے اس عرصہ میں انگریزی کی بہت سی کتابیں پڑھا ڈالیں اور مطالعہ کا ذوق پیدا کرا دیا۔

انگریزوں کا حقارت آمیز برتاؤ

اس زمانہ میں انگریز ہندستانیوں سے بہت حقارت کا برتاؤ کرتے تھے۔

اور زندگی کے ہر پہلو میں یہ نفرت انگیز خصوصیت نمایاں طور پر موجود تھی ریلوں میں کچھ ڈبے خصوصیت سے انگریزوں کیلئے مخصوص کر دیئے جاتے تھے ان دنوں ریلوں میں یوں بھی بہت زیادہ ہجوم رہتا تھا اور اگر کسی موقع پر اس ہجوم میں اور بھی زیادہ اضافہ ہو جاتا تب بھی کسی ہندوستانی کی مجال نہ تھی کہ وہ ان مخصوص ڈبوں کا رخ کر سکے۔ خواہ وہ ڈبے بالکل ہی خالی کیوں نہ پڑے ہوں یہی نہیں بلکہ وقتاً فوقتاً انگریز اپنے مخصوص ڈبوں کے علاوہ دوسرے ڈبوں پر بھی قبضہ جما لیتے تھے۔ اور انہیں کسی ہندوستانی کو گھسنے نہیں دیتے تھے۔ باغوں میں انگریزوں کے لئے مخصوص بینچیں ہوتی تھیں اور ان پر کسی ہندوستانی کو بیٹھنے کی اجازت نہ ہوتی تھی علاوہ ازیں انگریز ہندوستانی عہدہ داروں اور بڑے بڑے تاجروں سے بھی بدتمیزی کا برتاؤ کرتے تھے۔ اکثر ہندوستانی اس ذلت کو چپ چاپ سہنے کے لئے تیار نہ تھے۔ اور وہ چاہتے تھے کہ ڈٹ کر مقابلہ کیا جائے۔

جواہر لال جب گھر میں اس قسم کی گفتگو سنتے تو انہیں بڑا جوش آتا تھا۔ اور جب انہیں معلوم ہوتا کہ کسی ہندوستانی نے بدیسی حاکموں کی ان بیہودہ حرکتوں کا مردانہ وار مقابلہ کیا تو وہ بہت خوش ہوتے تھے۔ کیونکہ انگریزوں کا یہ برتاؤ انہیں بہت ناگوار تھا۔ لیکن انفرادی حیثیت سے وہ انگریزوں سے کوئی بدخاش نہ رکھتے تھے بلکہ ایک حد تک انہیں اچھا سمجھتے تھے۔ کیونکہ بچپن سے ہی وہ یوروپین استانیوں کی نگرانی میں رہ چکے تھے۔ اور یوں بھی انکے والد کے بہت سے یوروپین دوست اکثر انکے گھر آتے جاتے رہتے تھے

ڈاکٹر کا بیہودہ مذاق

اسی زمانہ میں جواہر لال نہرو کی چھوٹی بہن پیدا ہوئیں وہ دل ہی دل میں کڑھا کرتے

تھے کہ انکا کوئی چھوٹا بھائی یا چھوٹی سی بہن نہیں ہے۔ اسلئے یہ خیال انکے لئے بڑا خوشگوار تھا۔ کہ دل کی آرزو اب پوری ہو گی۔ عین وقت پر وہ برآمدے میں بڑی بے چینی سے اس واقعے کے منتظر تھے۔ اتنے میں ڈاکٹر نے آکر خبر سنائی کہ تمہیں خوش ہونا چاہیے کہ لڑکا نہیں ہوا ورنہ وہ باپ کے ورثہ میں سے حصہ بٹا لیتا گو ڈاکٹر نے جو کچھ کہا مذاق سے کہا مگر انہیں بڑا غصہ آیا کہ یہ سمجھتا ہے کہ میرے خیالات ایسے ناپاک ہیں۔

برادری سے خارج

پنڈت موتی لال نہرو ان دنوں یورپ گئے ہوئے تھے۔ انکے یورپ جانے سے کشمیری برہمنوں میں بڑی کھلبلی مچی انہوں نے واپس آکر پرائشچت یعنی پاک کئے جانے کی رسم ادا کرنے سے بھی انکار کر دیا۔ وہ اس رسم کو ایک ڈھکوسلا سمجھتے تھے۔ کیونکہ اسے مذہب سے ذرا بھی لگاؤ نہ تھا۔ بلکہ اس کے معنی صرف یہ تھے کہ انسان جماعت کے آگے سر جھکائے اور اسکے دستور کی ظاہری پابندی کرے پھر خواہ اسکے بعد وہ مذہب کے خلاف کچھ بھی کرے۔

چند سال پہلے ایک اور کشمیری برہمن پنڈت بشن نرائن در جو بعد میں کانگریس کے صدر ہوئے بیرسٹری پاس کرنے انگلستان گئے تھے اور واپس آنے کے بعد پاک ہونیکی رسم بھی پوری کر دی تھی لیکن اسکے باوجود برادری کے کٹر لوگوں نے انہیں ذات سے باہر کر دیا۔

مسلمانوں کے ساتھ کھانا پینا

لیکن رفتہ رفتہ اب حالات بہت بدل گئے ہیں۔ اور پرانی بندشیں ٹوٹتی جا رہی ہیں۔ کیونکہ اس دوران میں بہت سے کشمیری لڑکے اور لڑکیاں تعلیم کی غرض سے

یورپ گئیں لیکن واپسی پر پاک ہونے کی رسم کا کوئی سوال نہیں اٹھا اور چند لوگوں کے علاوہ اب تو عام طور پر مسلمانوں اور غیر کشمیریوں کے ساتھ ملکر کھانا بھی کھالیا جاتا ہے پردہ کشمیری عورتوں میں کشمیری مردوں سے تو پہلے ہی نہ تھا اب دوسرے فرقوں سے بھی باقی نہیں رہا ۱۹۲۱ئ کی سیاسی تحریک نے رہا سہا پردہ بھی ختم کر دیا کشمیریوں میں شادی بیاہ ابھی دوسرے فرقوں سے عام نہیں ہے۔ مگر اس کی مثالیں بھی دیکھنے میں آجاتی ہیں اور ایسی شادیوں کی تعداد روز بروز بڑھ رہی ہے۔ چنانچہ جواہر لال نہرو کی دونوں بہنوں کی شادیاں غیر کشمیریوں میں ہوئی ہیں۔

بچپن کا ایک عجیب دور

جواہر لال کے انگریز اتالیق جو مسز اینی بیسنٹ کی سفارش سے آئے تھے بڑے پرجوش تھیوسوفسٹ تھے۔ جہاں انہوں نے جواہر لال کو بہت سی انگریزی کتابیں پڑھا کر انہیں انکا شیدا بنا دیا۔ وہیں انہیں سائنس کے بہت سے اسرار سے بھی آشنا کر دیا۔ ان دونوں نے ملکر ایک چھوٹا سا معمل بنایا جہاں گھنٹوں کیمیا اور طبعیات پر تجربے ہوا کرتے تھے۔ علاوہ ازیں ان ہی اتالیق کی صحبت کے سبب جواہر لال پر ایک نیا اثر پڑا اور رفتہ رفتہ انکے دل میں تھیوسوفیوں کی اصطلاحیں اور خیالات بس گئے۔ اور وہ ہر ہفتہ تھیوسوفیوں کی ان مجالس میں شریک ہونے لگے جو انکے اتالیق کے ہاں منعقد ہوا کرتی تھیں۔ یہاں فلسفے کے مسئلوں پر بحثیں ہوا کرتی تھیں اور نور کے حلقوں، ہمزادوں اور جزا و سزا کے ابدی دور کے تذکرے چھڑے رہتے تھے بالآخر تیرہ برس کی عمر میں وہ تھیوسوفی انجمن کے باقاعدہ رکن ہو گئے اور مسز اینی بیسنٹ نے جو اس زمانہ میں الہ آباد میں تھیوسوفی کے موضوع پر لیکچر دے رہی تھیں انکے داخلے کی رسم ادا کی۔

لیکن تھوڑے ہی عرصہ بعد اس انگریز اتالیق کے رخصت ہو جانے پر انکی زندگی کا یہ تھوئی کا دور ختم ہو گیا۔ اور اسکی وقعت ان کی نظروں میں بہت کم ہو گئی۔

نوجوانی کے بھید

عمر کے چودہ برس گذارنے کے بعد تقریبوں کے موقعوں پر اور کہیں جب انکی نظر لڑکیوں پر پڑتی تو نظر سے نظر ملجانے یا بدن سے بدن چھو جانے پر ان کے جسم میں بجلی سی دوڑ جاتی تھی۔

یورپ کا پہلا سفر

مئی ۱۹۰۵ء میں جب انکی عمر پندرہ برس کی تھی انکے والد انہیں اور ان کی چھوٹی بہن اور انکی والدہ کو لیکر انگلستان روانہ ہو گئے۔ اس زمانہ میں روس اور جاپان کی لڑائی چھڑی ہوئی تھی۔ جواہر لال کو جاپان سے ہمدردی تھی اور وہ بیچینی سے اخبارات کے منتظر رہا کرتے تھے اور جب جاپان کی فتوحات کی خبر آتی تھی تو انہیں بڑی خوشی ہوتی تھی

ان کا دل قومیت کے جذبے سے معمور تھا اور وہ سوچتے تھے کہ کاش میرے وطن اور ساری ایشیا کو یورپ کی غلامی سے نجات ملجائے وہ دل ہی دل میں بہادری کے کاموں کے منصوبے باندھا کرتے تھے کہ یوں تلوار ہاتھ میں لیکر ہندوستان کی خاطر لڑونگا اور یوں اسے آزاد کراؤں گا۔

آخر میں وہ سب لندن پہنچے اور انہوں نے اخبار میں پڑھا کہ جاپان نے بڑی زبردست بحری فتح حاصل کی ہے۔

ڈاکٹر انصاری سے پہلی ملاقات

دوسرے دن ڈربی کی گھوڑ دوڑ تھی یہ سب کے سب اسکا تماشا دیکھنے گئے اور واپس آکر ڈاکٹر مختار احمد انصاری سے انکی ملاقات ہوئی۔ جو اس زمانے میں ایک بہت ذہین اور نہایت ہی مستعد نوجوان تھے اور ڈاکٹری میں نہایت اعلیٰ درجہ کی کامیابی حاصل کر چکے تھے اور ان دنوں وہ لندن کے ایک ہسپتال میں ہاؤس سرجن تھے۔

یورپ میں تعلیم کا سلسلہ

ہیرو کے اسکول میں جواہر لال کو داخل کرا کر خاندان کے سب لوگ یورپ کے اور ملکوں کی سیر کرتے ہوئے ہندوستان واپس چلے آئے۔

یہ پہلا موقعہ تھا کہ انہوں نے غیر ملک میں اپنے آپ کو تنہا پایا۔ اور تنہائی میں گھر کی یاد ستانے لگی مگر جلد یہ حالت بدل گئی اور پڑھنے اور کھیل میں انکا وقت گذرنے لگا چنانچہ وہاں یہ بات اچھی طرح تسلیم کر لی گئی تھی کہ وہ کسی کام سے جی چرانیوالے نہیں ہیں لاطینی چونکہ وہ بہت کم جانتے تھے اس لئے شروع میں ان کا داخلہ چھوٹی جماعت میں ہوا تھا۔ مگر بہت جلد انہیں ترقی مل گئی۔ بہت سے مضامین میں وہ اپنے ہم عمر لڑکوں سے آگے نکل گئے۔ خصوصاً عام معلومات میں وہ بہت آگے تھے۔ ان کا ذوق زیادہ وسیع تھا اور وہ دوسرے لڑکوں کی بہ نسبت زیادہ کتابیں اور اخبار پڑھتے تھے۔

ایک مرتبہ انہوں نے اپنے والد کو لکھا تھا کہ انگریز لڑکے اکثر ٹھس ہوتے ہیں اور سوائے کھیلوں کے اور کسی چیز کے متعلق گفتگو نہیں کر سکتے۔

یورپ کی سیاست سے دلچسپی

پارلیمنٹ کے انتخابات سے جو غالباً ۱۹۰۵ء میں ہوئے تھے۔ انہیں بہت دلچسپی تھی۔ اسمیں مزدور جماعت نے بڑی زبردست فتح پائی تھی ۱۹۰۶ء کی ابتدا میں ایکمرتبہ انکے استاد نے لڑکوں سے نئی حکومت کے متعلق سوالات کئے۔ انہیں یہ دیکھکر بڑا تعجب ہوا کہ ساری جماعت میں صرف جواہر لال نے ہی ان کے سوال کا نہایت اچھی طرح جواب دیا۔ اور مجلس وزرا کی تقریباً پوری فہرست زبانی سنادی۔

جہاز رانی کا شوق

سیاست کے علاوہ انہیں ہوائی جہاز چلانے کا بھی بہت شوق تھا ایکمرتبہ تو انہوں نے جوش میں اپنے والد کو لکھدیا تھا کہ میں بہت جلد ہر اتوار کی تعطیل میں ہوائی جہاز سے ہندوستان آیا کروں گا۔

دوسرے ہندوستانی طلباء

اس زمانہ میں ہیرو میں چار پانچ ہندوستانی لڑکے تھے۔ انمیں سے جو اور ہوسٹلوں میں رہتے تھے انسے انہیں ملاقات کا بہت کم موقع ملتا تھا۔

خود ان کے اپنے ہوسٹل میں مہاراجہ بڑودے کے صاحبزادے تھے۔ اور پھر بعد میں مہاراجہ کپورتھلہ کے بڑے صاحبزادے پریم جیت سنگھ بھی آ گئے تھے جو اب ٹکا صاحب ہو گئے ہیں۔ وہ ہمیشہ اداس رہا کرتے تھے اور دوسرے لڑکوں سے ملنے جلنے سے بہت گھبراتے تھے۔ جب لڑکے انکا مذاق اڑاتے تو بہت خفا ہوتے اور کہتے تھے کہ اگر تم کپورتھلہ آئے تو تم کو سمجھونگا۔ ان کی اس بھبکی پر معاملہ

اور بگڑ جاتا تھا۔ اور انھیں اور زیادہ ستایا جاتا تھا۔

ملعون یہودی

ان کے ہوسٹل اور دوسرے ہوسٹلوں میں چند یہودی بھی تھے جن سے آخر میں ان کی بڑی دوستی ہوگئی تھی۔ لیکن ان دنوں ان سے عام طور پر نفرت کرنا فیشن میں داخل تھا اور وہ "ملعون یہودی" کہلاتے تھے۔ اس سے پہلے غیر شعوری طور پر جواہر لال کے دل میں بھی سامی نسل سے کسیقدر نفرت ضرور تھی۔

ہندوستانی سیاست کی خبریں

سنہ ۱۹۰۶ اور سنہ ۱۹۰۷ میں ہندوستانی سیاست کی خبریں انگلستان کے اخبارات میں بہت مجمل طور پر شائع ہوتی تھیں۔ ان سے معلوم ہوتا تھا۔ کہ بنگال پنجاب۔ اور مہاراشٹر میں بڑی بے چینی پھیلی ہوئی ہے لالہ لاجپت رائے اور اجیت سنگھ جی جلاوطن کردیئے گئے تھے۔ بنگال میں ہر طرف شورش پھیلی ہوئی تھی۔ پونہ سے تلک کی جدوجہد کے متعلق تار پہ تار آرہے تھے سودیشی اور بائیکاٹ کا زور تھا ان تمام خبروں نے جواہر لال کے دل میں سخت ہیجان برپا کردیا تھا۔

یونیورسٹی میں داخلہ

اسکول میں اچھا کام کرنے کے انعام میں ایک مرتبہ جواہر لال کو انقلاب کے متعلق کچھ کتابیں ملیں انہوں نے بہت شوق سے ان کا مطالعہ کیا اور اسی سلسلہ کی اور کتابیں بھی مہیا کرکے دیکھیں ان کی نظروں میں یہ نقشہ سما گیا کہ ہندوستان

میں ایسے ہی کارہائے نمایاں انجام پا رہے ہیں۔ اور آزادی کی خاطر بڑی بہادری سے جنگ ہو رہی ہے۔

ان خیالات کی وسعت کے سامنے ہیرا ایک تنگ اور محدود جگہ تھی۔ چنانچہ والد کی اجازت سے وہ ہیرو سے رخصت ہوئے۔ لیکن چلتے وقت دل بھر آیا اور آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ گو وہ اپنی خوشی سے ہیرو سے جا رہے تھے لیکن اس جگہ سے ایک گونہ انس ہو جانے کے سبب دل پر خاص اثر ہوا۔

شروع اکتوبر ۱۹۰۷ء میں جب کہ ان کی عمر سترہ برس تھی وہ ٹرنٹی کالج میں داخل ہوئے۔

سائنس کی سند

تین سال کیمبرج میں رہ کر انھوں نے سائنس کی سند حاصل کی جسمیں کیمیا ارضیات اور نباتات انکے مضامین تھے۔ مگرانکی دلچسپی ان ہی مضامین تک محدود نہ تھی وہ جن لوگوں سے کیمبرج یا چھٹیوں کے دنوں میں لندن میں ملتے تھے انمیں اکثر لوگ عالمانہ انداز سے ادب۔ تاریخ۔ سیاسیات اور معاشیات پر گفتگو کیا کرتے تھے پہلے تو ان علمیت جتانے والوں کی باتیں ان کی سمجھ میں نہ آئیں لیکن جب انہوں نے ان مضامین پر کتابیں پڑھ ڈالیں تو انہیں گفتگو کا سلسلہ جاری رکھنے کی مہارت ہو گئی۔

غدر ۱۸۵۷ء کے بعد ہندستان میں پہلا ہیجان

۱۹۰۷ء سے کئی سال تک ہندوستان میں ایک ہیجان کی سی کیفیت رہی غدر ۱۸۵۷ء کی شورش کے بعد یہ پہلا موقع تھا کہ ہندوستان انگریزوں کے آگے چپ چاپ سر جھکانے کے بجائے انسے لڑنے مرنے پر آمادہ تھا۔ تلک کی جدوجہد اور پھر ان کا

قید ہونا۔ آروند گھوش کی کوشش اور بنگالیوں کے متعلق بائیکاٹ کا حلف اٹھانیکی خبریں برابر یورپ پہنچ رہی تھیں۔ اور وہاں کے مقیم ہندوستانیوں کے دلوں کو جوش سے بھر رہی تھیں۔ یہ سب طالب علم ملک کے معتقد تھے۔ جو ہندوستان میں انتہا پسند کہلاتے تھے۔ کیمبرج میں مقیم ہندوستانیوں کی ایک انجمن بھی تھی۔ جہاں اکثر سیاسی مسئلوں پر بحث ہوا کرتی تھی اور جواہر لال اسمیں شریک ہوا کرتے تھے۔

متین جج اور ثقہ وکیل

مجلس میں بھی اور نجی گفتگو میں بھی یہ ہندوستانی طالب علم ہندوستانی سیاسیات کا ذکر کرتے وقت انگریزی حکام کے لئے سخت سے سخت الفاظ استعمال کرنے سے بھی نہیں چوکتے تھے اور تشدد پسند بنگالیوں کے کاموں کو بھی خوب سراہتے تھے لیکن بعد میں یہی لوگ ہندوستان میں سول سروس کے ارکان ہائی کورٹ کے جج اور بہت سے وکیل وغیرہ بن گئے اور بہت کم ایسے نکلے جنہوں نے ہندوستانی سیاست میں حصہ لیکر ملک کی خدمت کی۔

ہندوستان کے پرانے لیڈر

اسی زمانہ میں بعض مشہور ہندوستانی رہنما۔ جو یورپ گئے تھے۔ کیمبرج بھی گئے انمیں بپن چندر پال۔ لالہ لاجپت رائے اور مسٹر گوکھلے تھے وہاں ان لوگوں نے تقریریں بھی کیں۔ بپن چندر پال شیر کی طرح گرجتے تھے اور ان کی آواز میں قیامت کا اثر تھا۔ لالہ لاجپت رائے بہت متین اور سنجیدہ تھے۔ مسٹر گوکھلے نے کیمبرج کے ایک عام جلسہ میں تقریر کی اور آخر میں عبدالمجید خواجہ نے ان سے کچھ سوالات کئے لیکن جواہر لال نہرو پر لالہ لاجپت رائے کی گفتگو کا بہت معقول اثر ہوا اور انہوں نے

اپنے والد کو بھی اپنے متاثر ہونے کا حال لکھا۔

یورپ میں مقیم ہندوستانیوں میں ہردیال کی بڑی شہرت تھی اس زمانہ میں وہ آکسفورڈ میں رہتے تھے۔ جواہرلال نے کئی مرتبہ انسے لندن میں ملاقات کی

جواہرلال نہرو کے ہمعصر

جواہرلال کے کیمبرج کے ساتھیوں میں کئی آدمی ایسے تھے جنہوں نے آگے چلکر انڈین نیشنل کانگریس میں نمایاں حصہ لیا۔ انمیں سین گپتا۔ ڈاکٹر سیف الدین کچلو۔ ڈاکٹر سید محمود اور نواب تصدق احمد خاں شیروانی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ سر شاہ محمد سلیمان بھی۔ اس زمانہ میں وہیں تعلیم حاصل کرتے تھے۔

بال بال بچے

کیمبرج کے قیام کے زمانہ میں یہ سوال پیدا ہوا کہ جواہرلال کو کونسا پیشہ اختیار کرنا چاہیئے۔ کچھ عرصہ تک انڈین سول سروس میں انگریزی حکومت کی مشین کا ایک پرزہ بن جانے کی تجویز زیر غور رہی اور حالانکہ اسوقت سیاسی خیالات میں انکی انتہا پسندی بڑھتی جارہی تھی۔ مگر پھر بھی انہیں مذکورہ تجویز ناپسند نہ تھی لیکن کچھ عرصہ بعد اس خیال ہی سے انہیں نفرت ہوگئی۔

سول سروس کے امتحان میں شرکت سے معذوری کی اس وقت کئی وجوہ پیدا ہوگئیں۔ کیمبرج سے سند حاصل کرنے کیوقت انکی عمر تیس برس کی تھی لیکن اسکے امتحان کے لئے بائیس سال سے چوبیس سال تک کی عمر کی قید تھی۔ پھر کیمبرج سے سند حاصل کرنیکے بعد بھی انہیں ڈھائی تین سال تک لندن میں ٹھیرنا پڑتا۔ کیونکہ اسکی کامیابی کے بعد بھی ایک سال تک لندن میں رہنا ضروری تھا

حالانکہ ان کے والدین انگلستان کے طویل قیام سے گھبرا اٹھے تھے اور انکی دلی خواہش تھی کہ وہ جلد از جلد واپس آ جائیں ایک اور وجہ جو انکے والدین کے نزدیک زیادہ اہمیت رکھتی تھی یہ تھی۔ کہ سول سروس میں داخل ہو جانے کے بعد گھر سے دور اور مختلف مقامات پر رہنا پڑتا۔ حالانکہ اتنے عرصہ کی جدائی کے بعد وہ انہیں اپنے پاس ہی رکھنا چاہتے تھے۔ اس طرح قدرت نے انہیں برطانوی حکومت کی غلامی سے بال بال بچالیا۔

جان کے لالے

سنہ ۱۹۱۰ء میں انہوں نے کیمرج سے سند لی۔ سائنس میں انہوں نے سیکنڈ کلاس آنرز پاس کیا۔

سند حاصل کرنے کے بعد وہ کیمرج کی ایک جماعت کے ساتھ سیر کو گئے ایک روز جبکہ یہ پارٹی ایک پہاڑی خطہ میں پیدل سفر کر رہی تھی۔ تو دن بھر کے مسلسل سفر کی تکان اور گرمی سے پریشان ہو کر وہ ایک چھوٹے سے ہوٹل میں ٹھیرے اور وہاں نہانا چاہا لیکن ہوٹل میں غسل کا کوئی انتظام نہ تھا۔ وہاں معلوم ہوا کہ قریب ہی ایک چشمہ ہے۔ وہاں جا کر غسل کیا جا سکتا ہے۔ جواہرلال اور ایک انگریز وہیں پہنچے۔ وہ ایک پرشور نالہ تھا جو قریب ہی کی برف کی ایک چٹان سے نکلتا تھا۔ جواہرلال نے اسمیں قدم رکھا تو پانی برف کیطرح ٹھنڈا یخ تھا لیکن زیادہ گہرا نہ تھا۔ لیکن اسکی تہہ میں غضب کی پھسلن تھی۔ چنانچہ جواہرلال کا پاؤں پھسلا اور وہ سردی سے بیہوش ہو گئے۔ نہ ہاتھ پاؤں قابو میں رہے اور نہ کچھ حس باقی رہی۔ پانی ان کے بے حس جسم کو تیزی سے بہا کر لے چلا۔ لیکن انکا انگریز ہمراہی بمشکل پانی سے نکلا اور ان کو بچانے کے لئے چشمے کے کنارے

کنارے تیزی سے دوڑ تا رہا انتہائی کوشش کے بعد اسکے ہاتھ میں ٹانگ آگئی چنانچہ اس نے ٹانگ کھینچکر باہر نکالا اگر کچھ دور تک وہ انگریز اپنی کوشش میں اور کامیاب نہ ہوتا تو ایک بڑا زبردست خطرہ یہ تھا کہ دو تین سو گز کے فاصلہ پر یہ پہاڑی چشمہ انتہائی بلندی سے نیچے گر کر آبشار بن جاتا تھا جو وہاں کے بیحد دلچسپ مناظر میں شمار ہوتا ہے۔

بیرسٹری کا امتحان

کیمبرج سے آکر جواہرلال نے لندن میں بیرسٹری کی تعلیم حاصل کی اور ایک ایک کر کے بیرسٹری کے تمام امتحانات پاس کئے۔

پرنس آف ویلز کے ساتھ پڑھائی

عام طور پر مشہور ہے کہ جواہرلال نہرو یورپ میں شاہزادہ ویلز کے ساتھ پڑھا کرتے تھے لیکن یہ بالکل غلط افواہ ہے انہوں نے نہ تو کبھی شاہزادہ کے ساتھ تعلیم پائی اور نہ کبھی ان سے ملاقات ہوئی۔

آئرلینڈ کا سفر

لندن میں قانون کے مطالعہ میں کچھ زیادہ وقت صرف نہ ہوتا تھا۔ بلکہ کتابیں اور اخبارات وغیرہ پڑھ کر وقت کاٹا جاتا تھا۔ اور جواہرلال کی توجہ اس زمانہ کی سیاسی تحریکوں کی طرف زیادہ متوجہ رہا کرتی تھی۔ اور ان پر اشتراکیوں کے خیالات کا کچھ دھندلا سا اثر پڑ گیا تھا۔ آئرلینڈ کے مسئلہ اور عورتوں کے ووٹ کی تحریک سے انہیں خاص طور پر دلچسپی تھی۔

سنہ ۱۹۱۰ء کی گرمی کی چھٹیاں انہوں نے آئرلینڈ میں گذاریں۔

جرمنی کی سیر

اس سے ایک سال پہلے گرمی کی چھٹیوں میں وہ جرمنی کی سیر کر چکے تھے۔ سنہ ۱۹۰۹ء کی گرمیوں میں جب کاؤنٹ زیپلن اپنے نئے ہوائی جہاز میں ایک بہت لمبی اڑان طے کرکے برلن پہنچے۔ تو جواہرلال وہیں موجود تھے۔ اس موقعہ پر پندرہ بیس لاکھ آدمیوں نے کاؤنٹ کے اعزاز میں بڑا زبردست مظاہرہ کیا تھا اور خود قیصر جرمنی نے باضابطہ طور پر کاؤنٹ کا استقبال کیا تھا۔

فرانس کی سیاحت

جرمنی کے دورہ سے واپس آکر دو مہینے بعد جواہرلال نے پیرس کا چکر لگایا اور اپنے دل پسند شوق یعنی ہوائی جہازوں کو لوہے کے بنے ہوئے ایفل ٹاور کے گرد منڈلانے کے دلچسپ نظارے دیکھے۔

ہندوستان کو واپسی

سنہ ۱۹۱۲ء کی گرمیوں میں انہیں بیرسٹری کی سند ملی اور گو وہ تعلیم کے دوران میں بھی دو مرتبہ ہندوستان آچکے تھے۔ لیکن سنہ ۱۹۱۲ء کے موسم خزاں میں مستقل طور پر ہندوستان آگئے۔

پنڈت موتی لال کے سیاسی حالات

جواہرلال جس زمانہ میں تعلیم کیلئے لندن گئے تھے۔ اس کے بعد کچھ ہی

عرصہ بعد ہندوستان کے سیاسی حالات نے پنڈت موتی لال نہرو کو عملی سیاست میں کھینچ لیا۔ انہوں نے اپنے صوبہ کی ایک کانفرنس کی صدارت کی اور پھر صوبہ متحدہ کی کانگریس کمیٹی کے صدر منتخب ہوئے ۱۹۰۷ء میں وہ سورت کے اجلاس میں موجود تھے جس میں کانگریس درہم برہم ہوکر خالص اعتدال پسند جماعت رہ گئی تھی شروع شروع میں پنڈت موتی لال خود بھی اعتدال پسند تھے۔ لیکن آخر کار قانونی اور آئینی نقطۂ نظر سے انکو یقین ہوگیا کہ صرف زبان سے سخت اور شدید لفظ کہہ دینے سے کچھ نہیں ہوتا جبتک کہ زبان کے ساتھ عمل نہ ہو چنانچہ اُن جیسا قومی جذبات اور مضبوط ارادے کا انسان رفتہ رفتہ اعتدال پسندی سے کوسوں دور ہوگیا۔

سیاست کے میدان میں سناٹا

سنہ ۱۹۱۲ء کے آخر میں جواہر لال یورپ سے واپس آئے تو یہاں ہندوستان میں خاموشی چھائی ہوئی تھی تلک جیل میں تھے۔ اور انتہا پسندوں کو اچھی طرح کچل دیا گیا تھا۔ تقسیم بنگالہ کو منسوخ کرانے کی تمام کوششوں میں ناکام ہونے کے بعد تمام بنگال میں بھی سناٹا تھا۔ البتہ اعتدال پسند جماعت منٹو مارلے اسکیم کے نفاذ کے بعد کونسلوں میں براجمان تھی۔

کانگریس اس زمانہ میں معتدل خیال کے لوگوں کی ایک جماعت تھی اور اس میں کوئی چیز کشش کی موجود نہ تھی سال کے سال ایک جلسہ ہو جاتا اور اس میں چند بے جان سی تجویزیں منظور ہو جایا کرتی تھیں۔

البتہ لوگوں کو ان ہندوستانیوں کا کچھ خیال ضرور تھا۔ جو بیچارے پردیس میں بے وطن پڑے ہوئے تھے۔ خصوصاً جنوبی افریقہ کے ہندوستانیوں کی زبوں حالی کے چرچے عام تھے۔

جواہرلال کی کانگریس میں شرکت

جواہرلال نے سب سے پہلے ۱۹۱۲ء میں بانکی پور کانگریس کے جلسے میں بطور ڈیلی گیٹ کے شرکت کی۔ اسوقت تک کانگریس کا اجلاس انگریزی جاننے والے اعلیٰ طبقہ کے ہندوستانیوں کا ایک میلہ معلوم ہوتا تھا۔ ہرطرف کوٹ پتلونوں کی نمائش معلوم ہوتی تھی۔ جوش و خروش کا کوسوں پتہ نہ تھا اور معلوم ہوتا تھا کہ بے تکلف دوستوں کی مجلس ہے۔ غرض کسیطرح بھی اس پر سیاسی جلسہ کا شبہ تک نہوتا تھا۔

گوکھلے کی نمایاں شخصیت

مسٹر گوکھلے جو اسی زمانہ میں افریقہ سے واپس آئے ہوئے تھے۔ کانگریس کے اس اجلاس میں موجود تھے۔ اور وہ اس تمام مجلس میں نمایاں تھے۔ کیونکہ وہ بہت ہی بے چین طبیعت کے چنچل انسان تھے۔ سرگرمی اور جوشِ عمل کی منہ بولتی تصویر تھے۔ اس سارے مجمع میں تنہا وہی ایک ایسے شخص تھے۔ جو واقعی سیاست کو اہم چیز سمجھتے تھے اور قومی کام کی طرح سرانجام دینا چاہتے تھے۔

ایک دلچسپ واقعہ

مسٹر گوکھلے اسوقت پبلک سروس کمیشن کے رکن تھے اسلئے ان کے لئے فرسٹ کلاس کا ایک پورا ڈبہ خالی رکھا جاتا تھا۔ جب وہ بانکی پور سے واپس روانہ ہوئے تو ان کی طبیعت کچھ ناساز تھی۔ اور یوں بھی وہ تنہا پسند آدمی تھے۔ اسلئے چاہتے تھے کہ تنہائی میں ذرا سکون ملجائے کانگریس کی مصروفیت کے بعد انہیں یقین تھا کہ ریل میں سکون میسر ہوگا۔ چنانچہ ریل میں ایک پورا ڈبہ انہیں خالی دے دیا گیا۔

لیکن باقی ساری گاڑی کلکتہ واپس جانے والے ڈیلی گیٹوں سے کھچا کھچ بھری ہوئی تھی۔ گاڑی کی روانگی سے کچھ پہلے مسٹر بھوپندر ناتھ باسو جو بعد میں انڈیا کونسل کے ممبر رہے ہیں انکے پاس تشریف لائے اور دوران گفتگو میں اسی ڈبہ میں آجانے کی خواہش کی گوکھلے سکون کے متلاشی تھے اور پھر یہ جانتے تھے کہ مسٹر باسو بہت باتونی ہیں لیکن اخلاقاً انکار نہ کر سکے چند منٹ بعد مسٹر باسو نے اپنے ایک دوست کو بھی ہمراہ لانے کی اجازت مانگی۔ اسمرتبہ بھی گوکھلے سے انکار کرتے نہ بنی اور اجازت دیدی۔ باتوں باتوں میں مسٹر باسو یہ بھی کہہ گذرے کہ اگر زحمت نہو تو آپ اوپر چلے جائیں تاکہ ہم دونوں نیچے لیٹ سکیں ورنہ ہمیں اوپر سونے میں بڑی تکلیف ہوگی۔ مسٹر گوکھلے کو غالباً آخری صورت بھی منظور کرنی پڑی اور بیچارے نے یہ ساری رات بڑی بیچینی سے گذاری۔

بیرسٹری کی پریکٹس

جواہر لال نے ہائی کورٹ میں وکالت شروع کردی لیکن جس شخص نے سات سال یورپ کی فضا میں گذار دیئے ہوں اور جسپر وہاں کے تہذیب و تمدن کا کافی اثر پڑا ہو۔ اسکا دل ہندوستان میں کسطرح لگتا۔ اسلئے وہ دن بہت بے لطفی سے کٹے

جنوبی افریقہ میں ہندوستانیوں کی ذلت

جواہر لال کو سیاسیات میں بھی اپنے خیالات کو عملی جامہ پہنانے کا کوئی خاص موقع نہ ملتا تھا۔ کیونکہ ہندوستانی سیاست پر بالکل خاموشی طاری تھی اور ہر طرف سناٹا تھا لیکن اسکے باوجود وہ کانگریس میں داخل ہوگئے اور اسکے اجلاسوں میں شریک ہوتے رہے۔ اور جب کبھی ہندوستانی مزدوروں کو فیجی لیجانے کے

خلاف جدوجہد ہوتی یا جنوبی افریقہ کے ہندوستانیوں کا سوال پیدا ہوتا تو وہ پوری سرگرمی سے حصہ لیتے تھے جنوبی افریقہ میں ہندوستانیوں کے ساتھ بہت ذلت آمیز سلوک کئے جا رہے تھے۔ ان کو ان خاص علاقوں کے سوا جو انکے لئے مخصوص کر دیئے تھے کہیں زمین خریدنے کی اجازت نہیں تھی اور ان کے مخصوص علاقوں میں بھی اراضی عملاً ان کی ملکیت نہیں ہوتی تھی انہیں ووٹ دینے کا بھی کوئی حق نہیں تھا۔ اس سے بھی زیادہ نفرت انگیز سلوک یہ تھا کہ ہندوستانی رات کو نو بجے کے بعد بغیر پاس کے گھر سے نہیں نکل سکتے تھے۔ اور سڑک کے کنارے پٹری پر چلنے کی ہر وقت ممانعت تھی۔ چنانچہ ایکمرتبہ گاندھی جی کو جو اس زمانہ میں وہیں سکونت پذیر تھے پٹری پر چلنے کے جرم میں ایک معمولی سنتری نے دھکے دے کر اور لاتیں مار کر سڑک پر دھکیل دیا تھا۔

بے زبان ہرن کی باتیں

جواہر لال کو سیر و شکار سے کچھ رغبت تھی۔ لیکن اس سے انکا مقصد صرف سیر و تفریح ہی تھا جانوروں کو ہلاک کرنا انکا مقصد نہ تھا۔ البتہ کشمیر میں ایکمرتبہ ایک ریچھ کو انہوں نے ضرور ہلاک کیا تھا۔ لیکن آخر کار ایک ایسا دلگداز واقعہ پیش آیا کہ یہ شوق بھی ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا

ایک مرتبہ ایک ہرن زخمی ہو کر ان کے قدموں کے قریب آ کر گر پڑا اور آنسوؤں سے ڈبڈبائی ہوئی بڑی بڑی آنکھیں اٹھا کر نہایت حسرت سے انکی طرف دیکھا ان پُر غم اور حسرت زدہ آنکھوں کا تصور عرصہ دراز تک انکو ستاتا رہا اور وہ پھر کبھی شکار کو نہیں گئے۔

بیکس ہندوستانیوں کا خاموش انتقام

جنگ عظیم شروع ہوتے ہی رہی سہی سیاسی تحریک بھی رک گئی اور اصلی اہمیت کم پڑ گئی۔ قانون تحفظ ہند نے سارے ہندوستان کو اپنی آہنی گرفت میں بری طرح جکڑ لیا۔ جنگ کے دوسرے ہی سال ملک میں گولیاں چلنے اور سازشوں کی خبریں آنے لگیں اور سنا گیا کہ پنجاب میں رنگروٹ بھرتی کرنے میں انتہائی جبر و تشدد سے کام لیا جا رہا ہے۔

گو بظاہر برطانیہ کے ساتھ وفاداری کا اعلان کیا جا رہا تھا۔ لیکن حقیقتاً برطانیہ سے دلی ہمدردی کسی کو بھی نہ تھی۔ جرمن کی فتوحات کی خبریں سن کر ہر طرف مسرت کا اظہار کیا جاتا تھا۔ حالانکہ جرمنی سے بھی کسی کو الفت نہ تھی۔ صرف خواہش یہ تھی کہ اپنی آنکھوں سے اپنے فاتح کو ذلیل ہوتا ہوا دیکھیں گویا یہ بیکس ہندوستانیوں کے خاموش انتقام کا جذبہ تھا۔ جواہر لال کو سب سے زیادہ فرانس سے ہمدردی تھی اور اتحادیوں کی طرف سے جو انتہا سے زیادہ پروپیگنڈا کیا جاتا تھا۔ گویا اس کا اعتبار نہ ہوتا تھا لیکن پھر بھی اس کا کچھ نہ کچھ اثر ضرور رہتا تھا۔

ہوم رول کی تحریک

رفتہ رفتہ سیاسی بیداری پھر شروع ہوئی۔ لوکمانیہ تلک جیل سے رہا ہو کر آ گئے انہوں نے اور مسز بیسنٹ نے ہوم رول لیگ قائم کی جواہر لال نے لیگ میں بہت کام کیا اور ہندوستانی سیاست میں مسز بیسنٹ کی سرگرمیاں برابر بڑھتی گئیں۔ کانگریس کے سالانہ اجلاسوں میں جوش و خروش نظر آنے لگا۔ اور مسلم لیگ کی رفتار بھی تیز ہو گئی۔ معلوم ہونے لگا کہ ساری فضا میں بجلی کی لہر دوڑ گئی ہے۔ نوجوان طبقہ عموماً بہت مسرور تھا۔ مگر اس حلقہ کو یہ امید تھی کہ بہت جلد کچھ نہ کچھ ہونے والا ہے

فوجی تعلیم کے لئے بھرتی

اسی دوران میں حکومت ہند نے یورپ کے نمونہ پر متوسط طبقہ پر مشتمل ایک انڈین ڈیفینس فورس ترتیب دیا۔ لیکن بعض معاملات میں یوربین فورس کے مقابلہ میں ہندوستانی فورس کے ساتھ خراب سلوک روا رکھا گیا۔ اسلئے بعض اہل الرائے ہندوستانیوں کا خیال تھا کہ جبتک یہ ذلت آمیز امتیاز ختم نہ ہو جائے ہندوستانیونکو تعاون نہ کرنا چاہیئے لیکن بالآخر اس خیال سے کہ اس میں شرکت کے سبب ہندستانی نوجوانوں کو فوجی تعلیم تو حاصل ہو سکے گی۔ یہ طے پایا کہ با دل ناخواستہ شرکت کر لی جائے چنانچہ جواہرلال نے بھی اپنا نام درج کرانے کیلئے درخواست بھیجدی۔ اور اس تجویز کو عملی جامہ پہنانے کے لئے انہوں نے الہ آباد میں ایک کمیٹی قائم کر لی۔

مسز بیسنٹ کی نظر بندی

اتفاق سے اسی زمانہ میں مسز بیسنٹ کی نظر بندی کی خبر ملی اس ہیجان انگیز خبر سے تعلیم یافتہ طبقہ میں بہت زیادہ جوش پھیل گیا۔ اور ہوم رول کی تحریک کو اس سے بہت زیادہ تقویت پہنچی۔ کیونکہ ۱۹۰۷ء میں جو انتہا پسند کانگریس سے علیحدہ ہو گئے تھے وہ دوبارہ کانگریس میں آگئے اور متوسط طبقہ کے نئے نئے کارکن کثیر تعداد میں شامل ہو گئے

اس جوش و خروش سے متاثر ہو کر جواہرلال نہرو نے کمیٹی کے اراکین کو جن میں سر تیج بہادر سپرو مسٹر قدوائی چنتامنی اور خود ان کے والد شامل تھے اس پر آمادہ کر لیا کہ حکومت کے اس رویہ کے خلاف بطور احتجاج اپنا جلسہ اور ڈیفنس فورس کے متعلق تمام کاروائی منسوخ کر دیں۔ چنانچہ یہ تجویز فوراً منظور کر لی گئی۔ بلکہ مسز بیسنٹ کی نظر بندی سے متاثر ہو کر پنڈت موتی لال نہرو ہوم رول لیگ میں شریک ہو گئے اور الہ آباد کی شاخ کے صدر منتخب ہوئے۔

کانگریس اور مسلم لیگ کا ملاپ

پنڈت موتی لال نہرو مسز بیسنٹ کی نظربندی سے گو بیحد متاثر تھے۔ لیکن جانتے تھے۔ کہ جب تک ہندو مسلم قضیہ طے نہیں ہوتا ہر قسم کی کوششیں بے سود ہیں۔ چنانچہ انھوں نے بارہا کہا کہ اگر یہ مسئلہ طے ہو جائے تو میں تیز رو نوجوانوں کے دوش بدوش چلنے کیلئے تیار ہوں۔ چنانچہ خود ان کے اپنے گھر میں بیٹھکر کانگریس سے مصالحت کا خاکہ تیار کیا گیا اور ۱۹۱۶ء میں لکھنؤ کانگریس نے کانگریس اور لیگ کی مشترکہ اسکیم منظور کرلی۔ اس سے ملک بھر میں خوشی ومسرت کی لہر دوڑ گئی اور بہت سے گوشہ نشین لوگ بھی خوشی خوشی آ گئے۔ لڑنے کے لیے تیار ہو گئے

جواہر لال کی پہلی تقریر

جواہر لال گو سیاسی اور قومی کاموں میں پیش پیش تھے لیکن انہیں عام مجمع میں تقریر کرتے ہوئے خوف اور جھجک معلوم ہوتی تھی۔ اور وہ تقریر کرنے سے بچے بچے رہتے تھے اس کے علاوہ ایک دوسری بات یہ بھی تھی۔ کہ اس وقت تک قومی جلسوں میں انگریزی زبان میں تقریریں ہوتی تھیں۔ اور جواہر لال یہ چاہتے تھے کہ ہمیں ایسے جلسوں میں اپنی ہی زبان استعمال کرنی چاہئے اور خود انہیں اپنی ذات پر اطمینان نہ تھا کہ وہ اچھی طرح اردو میں تقریر کر سکیں گے۔

بہرحال جب حکومت نے پریس کا گلہ دبانے کے لئے ایک نیا قانون بنایا اور اس کے خلاف احتجاج کرنے کے لئے ایک جلسہ کیا گیا تو پہلی مرتبہ انہوں نے تقریر کی اور چونکہ وہ اردو میں روانی کیساتھ تقریر نہیں کر سکتے تھے اس لئے مجبوراً انگریزی میں نہایت مختصر تقریر کی۔ جلسہ ختم ہوتے ہی ڈاکٹر سر تیج بہادر سپرو

نے ڈائس پر ہی انھیں گلے سے لگایا۔

گاندھی جی سے پہلی ملاقات

۱۹۱۶ء میں لکھنؤ کانگریس میں جواہر لال نہرو کی گاندھی جی سے پہلی ملاقات ہوئی۔ جنوبی افریقہ میں گاندھی جی نے جس دلیری کیساتھ حکومت کا مقابلہ کیا اس کے سبب جواہر لال اور تمام ہندوستانی ان کے معترف اور مداح تھے لیکن اسکے باوجود وہ جواہر لال نہرو کو عجیب و غریب اور غیر سیاسی آدمی معلوم ہوئے گاندھی جی نے کانگریس یا ہندوستانی سیاست میں حصہ لینے سے انکار کر دیا تھا وہ چاہتے تھے کہ صرف جنوبی افریقہ کے مظلوم ہندوستانیوں کے معاملہ تک اپنی کوششوں کو محدود رکھیں۔

سول نافرمانی کا پہلا معرکہ

چمپارن میں ۱۹۱۷ء تک نیل کی کاشت پھیلی ہوئی تھی۔ اور چمپارن کے مزدور کاشتکاروں کو زمینداروں نے مجبور کر رکھا تھا کہ وہ اپنی زمین کے بیس حصوں میں سے تین حصوں میں زمیندار کے لئے نیل کی کاشت مفت کریں یہ نظام تین کتھیا کہلاتا۔

گاندھی جی ہندوستانی سیاسیات میں فی الحال کوئی حصہ نہیں لینا چاہتے تھے۔ لیکن وہاں کے مظلوم کسانوں کے اصرار پر جب مجبوراً وہاں کی حالت زار دیکھنے گئے۔ تو مجسٹریٹ کی طرف سے انہیں حکمنامہ ملا کہ چمپارن کو فوراً خالی کردو۔ گاندھی جی نے یہ حکم ماننے سے صاف انکار کر دیا۔ چنانچہ انکے خلاف مقدمہ چلایا گیا لیکن مالدار گورنمنٹ کو یہ مقدمہ واپس لینا پڑا۔ اور تحقیقات کی اجازت مل گئی

ہندوستان میں یہ پہلی سول نافرمانی تھی

گاندھی جی کے ایما سے ایک سرکاری تحقیقاتی کمیٹی بنائی گئی اس کے ممبروں میں خود گاندھی جی کا نام بھی شامل کیا گیا۔ مذکورہ کمیٹی نے کسانوں کے موافق رپورٹ دی اور تن کتھیا کا طریقہ جو سو سال سے جاری تھا۔ قانوناً منسوخ کر دیا گیا اس طرح ہندوستانیوں کی پہلی شاندار فتح ہوئی۔

چمپارن کے اس زبردست معرکہ کے سر ہو جانے سے ہندوستانیوں میں ایک نیا جوش پیدا ہو گیا۔ جواہرلال اور دوسرے تمام ہندوستانی لیڈروں کو اس بات سے بڑی خوشی ہوئی کہ گاندھی جی ہندوستان میں اپنی مخصوص حربوں سے کام لینے پر تیار ہیں اور سب کو یقین تھا کہ اسطرح کامیابی کی بہت زیادہ امید ہے۔

کملا دیوی سے شادی

سنہ ۱۹۱۶ء میں بسنت پنچمی کے دن جواہرلال کی شادی دہلی میں کملا دیوی سے ہوئی اور اس سال گرمی کی چھٹیوں میں پہلی مرتبہ چند ہفتوں کیلئے جواہرلال کشمیر گئے

جان جوکھوں میں

جواہرلال کئی ہفتہ تک پہاڑوں پر گھومتے رہے اور لداخ والی سڑک پر بہت دور تک گئے۔ انہوں نے ان تنگ اور سنسان وادیوں کو جو دنیا میں سب سے اونچی ہیں۔ اور جن کا سلسلہ تبت تک چلا گیا ہے۔ اپنی عمر میں پہلی مرتبہ دیکھا تھا: درہ زوجیلہ کی چوٹی پر سے ایکطرف سبزپوش پہاڑ نظر آتے تھے۔ دوسری طرف بے برگ وگیاہ چوٹیاں، وہ اوپر چڑھتے چلے گئے۔ اور جب درہ زوجیلہ سے آگے بڑھے تو معلوم ہوا کہ امرناتھ کا غار یہاں سے صرف آٹھ میل ہے اگرچہ درمیان

میں ایک برف پوش پہاڑ حائل تھا اور اُسے عبور کرنے میں بڑی دشواری تھی لیکن انہوں نے آٹھ میل کی کچھ حقیقت نہ سمجھی اور دل میں ٹھان لیا کہ وہاں پہنچنے کی کوشش میں کسر نہ اٹھا رکھنی چاہیئے چنانچہ انہوں نے ایک چھوٹی سی جماعت کیساتھ پہاڑ پر چڑھنا شروع کیا۔ وہیں کا ایک چرواہا راہ بتانے کیلئے ساتھ تھا سبکی کمروں میں رسیاں بندھی ہوئی تھیں۔ جنکی مدد سے برف کی چٹانوں پر چڑھتے چلے جارہے تھے لیکن رفتہ رفتہ مشکلیں بڑھنے لگیں اور سانس تک لینا دوبھر ہوگیا اور قلی جنپر بہت کم بوجھ تھا خون تھوکنے لگے۔ پیر بری طرح پھسلنے لگے۔ لیکن پھر بھی انہوں نے اس خطرناک سفر کو جاری رکھا۔ بارہ گھنٹے کی مسلسل چڑھائی کے بعد برف سے ڈھکا ہوا ایک وسیع میدان ملا۔ اسکا نظارہ بڑا دلکش تھا۔ برف کی سفید سفید چوٹیاں اس کے چاروں طرف سر نکالے کھڑی تھیں اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ ہمالیہ کے سر پر موتیوں کا تاج رکھا ہے۔ یہ دلکش مقام تقریباً ۱۶ ہزار فٹ بلندی پر واقع تھا۔ گو سب لوگ تھک کر چور ہوگئے تھے۔ مگر اتنا طویل سفر طے کرنیکی خوشی میں سفر مسلسل جاری رکھا گیا لیکن اب قدم قدم پر خطرناک کھڈے تھے اور تازی گری ہوئی برف نے خطرے کے بہت سے مقامات کو ڈھک دیا تھا۔ چنانچہ چلتے چلتے جب ایک جگہ جواہرلال نہرو کا پیر پڑا۔ تو برف دھنس گئی اور وہ نہایت ہی خوفناک کھڈ میں گر پڑے۔ یہ اتنا زبردست اور گہرا کھڈ تھا کہ اگر کوئی چیز اسکی تہہ تک پہنچ جائے تو ہزارہا سال تک وہاں محفوظ رہ سکتی ہے۔ لیکن جواہرلال نہرو کی کمر میں جو رسّی بندھی ہوئی تھی۔ اس نے ان کی جان بچالی اور وہ کھڈ کی دیوار سے چمٹ گئے بڑی مشکل سے انھیں باہر کھینچا گیا۔ اس خطرناک حادثہ کے بعد بھی انہوں نے ہمت نہ ہاری اور برابر آگے بڑھتے رہے۔ لیکن جتنے آگے بڑھتے گئے۔ کھڈوں کی تعداد بھی برابر بڑھتی رہی۔ اور اتنا ہی ان کی وسعت اور گہرائی میں اضافہ ہوتا گیا

چونکہ ان ہیبت غاروں کو عبور کرنے کے لئے ان کے پاس کوئی سامان نہ تھا۔ اس لئے مجبوراً یہ سب لوگ واپس لوٹے۔

کشمیر کی اِن اونچی اونچی وادیوں اور برف پوش پہاڑوں نے جواہر لال نہرو کا دل کچھ ایسا موہ لیا کہ وہ بار ہا دوبارہ سفر کے منصوبے باندھا کرتے ہیں۔ لیکن سیاسی اور قومی کاموں کا ہجوم ہر دفعہ مانع رہتا ہے۔

رولٹ بل

جنگ عظیم کے خاتمہ کے بعد متوسط طبقہ میں ہر جگہ یہ امید پائی جاتی تھی۔ کہ بہت کچھ آئینی تبدیلیاں ہونے والی ہیں جس کے سبب اپنے ملک کی حکومت کی باگ ڈور بڑی حد تک خود ان کے ہاتھوں میں آجائے گی۔ اس وقت سیاسی جدو جہد نہایت پرامن طریقہ پر برابر ترقی پذیر تھی لوگ وثوق کے ساتھ حکومت خود اختیاری کا ذکر کرنے لگے تھے۔ اور اس کا اثر عوام اور خصوصاً کسانوں میں بھی پایا جاتا تھا پنجاب کے دیہات میں جبریہ بھرتی کی تلخیوں کی یاد لوگوں کو اب بھی بے چین کر دیتی تھی۔ حکومت نے "کوماگاٹا مارو" وغیرہ کے لوگوں کو سازشی مقدموں کے ذریعہ جس بے دردی سے کچلا تھا اس سے عام طور پر ناراضگی کا جذبہ کار فرما ہو گیا تھا۔ علاوہ ازیں جو فوجی سپاہی محاذ جنگ سے واپس آئے تھے وہ پہلے کی طرح بدھو نہیں رہے تھے۔ ذہنی اعتبار سے ان میں کافی تبدیلی ہو گئی تھی اور بے اطمینانی کے آثار انمیں بھی کافی حد تک موجود تھے۔ اس کے علاوہ شرائط صلح میں چونکہ ترکوں کے ساتھ بہت ذلت آمیز برتاؤ کیا گیا تھا۔ اس لئے مسلمان بے حد مشتعل تھے اور ہیجان برابر بڑھ رہا تھا۔ ایسے نازک وقت میں رولٹ کمیٹی کی رپورٹ شائع کی گئی۔ اس کی رو سے حکومت کو اندھا دھند مقدمے چلانے اور گرفتاریاں

کرنیکا اختیار تفویض کیا جا رہا تھا۔ ہر قانون میں عام طور پر جو احتیاطیں ہوتی ہیں اور جو ضابطہ برتنے لازمی ہیں۔ اس بل میں ان کا نام و نشان تک نہ تھا رولٹ کمیٹی کی ان تجاویز کو کوئی قوم جس میں ذرا سی بھی خودداری ہو کبھی قبول نہیں کر سکتی چنانچہ اس رپورٹ کے شائع ہوتے ہی سارے ملک میں غصہ کی ایک زبردست لہر دوڑ گئی

گاندھی جی اس زمانہ میں بستر علالت پر دراز تھے۔ اخبار دیکھتے دیکھتے ان کی نظر جب مذکورہ رپورٹ پر پڑی تو ان کے ہوش اڑ گئے۔ لیکن وہ اسقدر بیمار تھے۔ کہ عمر بھر میں اس سے زیادہ کبھی بیمار نہیں ہوئے اس طویل بیماری میں کئی مرتبہ وہ اپنی جان سے ناامید ہو ہو گئے۔ اور انہیں ایسا معلوم ہوا کہ بس اب موت آ پہنچی شنکرلال بینکر اور عمر سبحانی نے اسی حالت میں ان سے درخواست کی کہ اس معاملہ میں فوراً کوئی کارروائی کیجیئے۔ گاندھی جی نے وائسرائے کو منت سماجت سے سمجھایا انہیں نجی طور پر خطوط لکھے۔ ضابطے کی درخواستیں بھیجیں۔ مگر یہ ساری کوششیں بیکار گئیں مجبوراً گاندھی جی نے ستیاگرہ سبھا کے نام سے ایک انجمن قائم کی اور لوگوں سے ستیاگرہ کے لئے حلف نامہ پر دستخط کرائے گئے حالانکہ عوام میں رولٹ کمیٹی کی رپورٹ کے خلاف بہت شورش بڑھ رہی تھی۔ لیکن حکومت بضد تھی کہ کمیٹی تجاویز پر عمل کرا کر رہے گی۔ چنانچہ حکومت کی طرف سے رولٹ بل مرتب کر کے شائع کر دیا گیا۔ گاندھی جی عمر بھر میں صرف ایک مرتبہ ہندوستان کی مجلس واضع قوانین میں تماشائی کی حیثیت سے شامل ہوئے ہیں۔ اور وہ یہی موقع تھا جب کہ وہاں رولٹ بل پر بحث کی گئی۔ ہندوستانیوں نے اپنی پرجوش تقریروں سے حکومت کو آگاہ کر دیا کہ وہ سوچ سمجھکر قدم اٹھائے لیکن اسپر کوئی اثر نہ ہوا اور رولٹ بل قانون کی حیثیت سے شائع کر دیا گیا۔

سوال یہ تھا کہ اس ناقابل برداشت قانون کے جواب میں ملک کو کیا کرنا

چاہیئے ایک رات اسکا حل سوچتے سوچتے گاندھی جی سو گئے۔ اور خواب میں انہیں خیال آیا کہ سارے ملک میں عام ہڑتال کرنی چاہیئے۔ ہڑتال کے لیئے ۳۰ مارچ ۱۹۱۹ء مقرر کی گئی پھر یہ تاریخ بدل دی گئی اور ۶ اپریل مقرر کی گئی اس دن سارے ہندوستان کے ایک ایک گاؤں میں مکمل ہڑتال کی گئی۔ دہلی میں ہڑتال کے التوا کا تار دیر میں پہنچا۔ اس لئے دہلی میں ۳۰ مارچ ہی کو ہڑتال کی گئی۔ یہی وہ دن تھا۔ جب کہ مسیح الملک حکیم اجمل خاں کی کوششوں سے ہندو مسلمان ایک دل ہو گئے تھے۔ پولیس نے ہڑتال کے جلوس کو اسٹیشن کی راہ میں روکا اور اس پر گولی چلائی۔ بہت سے لوگ مرے اور بہت سے زخمی ہوئے اور دہلی میں جبر و تشدد کا دور دورہ ہو گیا قریب قریب یہی واقعات امرتسر اور لاہور میں پیش رہے۔

گاندھی جی نے ستیاگرہ سبھا کے نام سے جو انجمن بنائی تھی اس کا ذکر پہلے پہل جواہر لال نے اخبارات میں پڑھا تو ان کے دل کا ایک بوجھ کم ہو گیا۔ انہیں جو تڑپ تھی اسکے سبب وہ جد و جہد کے حامی تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ فوراً اس انجمن میں شریک ہو جائیں لیکن انکے والد کی مرضی اسکے برعکس تھی انہیں یہ گوارا نہ تھا کہ ان کا لخت جگر جیل جائے۔ کیونکہ اس وقت تک جیل جانیکا دستور عام نہیں ہوا تھا بلکہ قید کے نام ہی سے لوگوں کو وحشت ہوتی تھی۔ لیکن جواہر لال دل میں ٹھان چکے تھے کہ وہ اس جد و جہد میں ضرور حصہ لیں گے وہ راتوں کو تنہا ٹہلا کرتے اور اسی ادھیڑ بن میں رہتے کہ اس مشکل کا کوئی حل نکلے۔

بالآخر ان کے والد نے گاندھی جی کو الہ آباد آنے کی دعوت دی۔ اور جب گاندھی جی تشریف لائے تو دونوں میں گھنٹوں باتیں ہوتی تھیں آخر ان باتوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ گاندھی جی نے جواہر لال نہرو کو پیشقدمی کرنے سے منع کر دیا اور سمجھایا کہ کوئی حرکت ایسی نہ کرنا جس سے تمہارے والد کو پریشانی ہو۔

جلیان والہ باغ کا حادثہ

اس سے پیشتر کہ جواہرلال اپنے آئندہ رویہ کے متعلق کچھ طے کریں۔ ملک میں چند ایسے ہولناک واقعات پیش آئے کہ تمام صورت حال ہی بدل گئی۔ اور جیساکہ اوپر لکھا گیا ہے ستیاگرہ کا دن منایا گیا۔ تمام ہندوستان میں مکمل ہڑتال کی گئی۔ دہلی اور امرتسر اور لاہور میں فوج نے عوام پر گولیاں چلائیں اور بہت سے بیگناہ ہلاک ہوئے۔ امرتسر اور احمد آباد میں بلوے ہوئے۔ اور جلیان والہ باغ کا حادثہ تو اس دن کا ایک ایسا یادگار داغ ہے۔ جو ہندوستان کے قلب سے کبھی نہ مٹ سکیگا۔

پنجاب کی حالت سب سے زیادہ خراب تھی لیڈر قید میں تھے۔ مارشل لا کا فوجی قانون جاری تھا غیر معمولی عدالتیں قائم کی گئی تھیں اور ان عدالتوں کو عدل وانصاف سے کوئی سروکار نہ تھا بلکہ وہ مطلق العنان حاکم کے استبداد کا آلہ کار تھیں بغیر کافی شہادت کے سزائیں دی جا رہی تھیں اور انصاف کا خون ہو رہا تھا۔ وہاں کے باشندوں کو صوبہ سے باہر جانیکی اجازت نہ تھی۔ اور نہ باہر والوں کو وہاں جانے دیا جاتا تھا بعض لیڈر اس بات پر تلے ہوئے تھے کہ کھلم کھلا پنجاب کے مصیبت زدہ علاقہ میں جائیں اور مارشل لا کے ضابطوں کی خلاف ورزی کریں لیکن انہیں برابر روکا جاتا تھا۔

اسی دوران میں تحقیقات کرنے اور مظلوموں کو امداد پہنچانے کیلئے ایک ادارہ قائم کیا گیا۔ اور حکومت نے خاص خاص علاقوں سے مارشل لا ہٹالیا اور باہر والوں کو وہاں جانے کی اجازت مل گئی بڑے بڑے قومی کارکن چاروں طرف سے پنجاب پہنچ گئے۔ امدادی اور تحقیقاتی کام شروع کر دیا گیا۔ امرتسر کے علاقہ کی تحقیقات ویش بندھو داس کے ذمہ ہوئی اور انکو امداد دینے کیلئے جواہرلال نہرو کو انکے ہمراہ کیا گیا جلیان والہ باغ اور اس بدنصیب گلی کیمتعلق جہاں انسانوں کو پیٹ کے بل رینگنے پر مجبور کیا گیا تھا۔

اکثر شہادتیں دیش بندھو داس اور جواہرلال کی موجودگی میں گزریں اور یہ شہادتیں کانگریس کی تحقیقاتی کمیٹی کی رپورٹ میں شائع کی گئیں۔

اسی سلسلہ میں مذکورہ دونوں حضرات بارہا جلیانوالہ باغ میں بھی گئے اور اسکے چپہ چپہ کا نہایت غور سے جائزہ لیا۔ یہ باغ چاروں طرف سے کئی کئی منزل کے مکانوں سے گھرا ہوا ہے۔ صرف ایک مقام پر تقریباً سو فٹ کے قریب مکان کی بجائے پانچ فٹ کی ایک نیچی سی دیوار ہے۔ گولیوں کی قاتلانہ بوچھاڑ جب پشتوں کے پشتے لگا رہی تھی اور باہر نکلنے کی کوئی دوسری راہ بھی نہ تھی تو ہزاروں بیکس اور لاچار آدمی اس دیوار پر ٹوٹ پڑے اور اسے پھاندنے کی کوشش کرنے لگے۔ یہ دیکھکر آتشیں مشین گن کا منہ اسطرف کر دیا گیا تاکہ لوگ زندہ نہ بچیں صرف دیش بندھو داس اور جواہرلال نہرو کی فراہم کردہ شہادتوں سے اور اس دیوار پر بیشمار گولیوں کے نشانوں ہی سے یہ بات ثبوت کو نہیں پہنچی بلکہ اسکا ایک اور ثبوت یہ بھی موجود ہے کہ جب سارا قصہ ختم ہو گیا تو دیوار کے دونوں طرف لاشوں اور زخمیوں کے ڈھیر لگے ہوئے تھے۔

چھیڑ چھاڑ

یہ بل جسے ہندوستانیوں کے سر منڈھنے کیلئے لاتعداد انسانی جانوں کو گاجر مولی کیطرح تلف کر دیا گیا صرف تین سال کیلئے نافذ کیا گیا تھا۔ لیکن غالباً ایک مرتبہ بھی اس سے کام نہیں لیا گیا۔ حالانکہ مذکورہ تین سال کا وہ زمانہ بہت زیادہ شورش کا زمانہ تھا۔ حکومت برطانیہ نے عوام کی زبردست مخالفت کے باوجود اس قانون کو نافذ کر دیا جس سے اُسنے کبھی کام نہیں لیا۔ گویا پبلک کے احساس کو چھیڑ کر خواہ مخواہ شورش پیدا کی

جلیانوالہ باغ کے سورما جنرل ڈائر

اسی سال ۱۹۱۹ء کے آخر میں ایک مرتبہ جواہر لال نہرو کو رات کی گاڑی سے امرتسر سے دہلی جانیکا اتفاق ہوا۔ جس ڈبہ میں وہ داخل ہوئے وہ بالکل بھرا ہوا تھا۔ اور اوپر کے ایک گدّے کے علاوہ سب پر انگریز مسافر سو رہے تھے۔ چنانچہ جواہر لال اسی خالی گدّے پر لیٹ گئے۔ صبح جب وہ جاگے تو مسافر آپسمیں زور زور سے گفتگو کر رہے تھے اور انمیں سے ایک بہادر شخص جنکے متعلق بہت جلد معلوم ہوگیا کہ وہ جلیانوالہ باغ کے سورما جنرل ڈائر ہیں۔ امرتسر کے واقعات بیان کر رہے تھے۔ انہوں نے فرمایا کہ اسوقت سارا سرکش شہر میرے رحم و کرم پر تھا اگر میں چاہتا تو جلا کر خاک کر دیتا۔ لیکن مجھے رحم آگیا اور میں نے چھوڑ دیا۔ اپنی زبان سے اپنی رحمدلی کا قصیدہ بیان کرنیوالے اس رحمدل انسان کی جان کو آج بھی بہت سی مظلوم بیوہ عورتیں اور یتیم بچے دعائیں دے رہے ہیں اور تاریخ ہمیشہ اسکے خونی مظالم کو یاد رکھیگی

علی برادران

۱۹۱۹ء کے آخری ہفتہ میں امرتسر میں کانگریس کا سالانہ اجلاس منعقد ہوا۔ اسکے صدر پنڈت موتی لال نہرو نے اسمیں شرکت کیلئے بڑے دردناک الفاظ میں اپیل کی تھی انہوں نے کہا تھا:-

پنجاب کا دل جو زخموں سے چور چور ہے آپ کو پکار رہا ہے۔ کیا آپ اسکی آواز پر لبیک نہ کہیں گے۔ رئیس الاحرار مولانا محمد علی اور امیر ملت مولانا شوکت علی اس زمانہ میں نظربندی سے رہا ہوئے تھے اور دہلی میں ایسا عدیم النظیر جلوس نکالا گیا تھا جو ہندوستان کی تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہیگا۔

نظربندی سے رہا ہوتے ہی یہ دونوں حضرات فوراً کانگریس کی شرکت کیلئے امرتسر پہنچے۔ لوکمانیہ تلک بھی اس یادگار اجلاس میں شریک ہوئے تھے۔ اور انہوں نے اس کی

کارروائی میں عملی حصہ لیا تھا۔

گاندھی جی اور محمد علی جناح

اسی دوران میں شاہی اعلان نئی اصلاحات کے متعلق شائع ہوا تھا۔ اکثر لیڈروں کے خیال میں یہ بالکل ناقابل قبول تھا اور گاندھی جی بھی ان اصلاحات سے پوری طرح مطمئن نہ تھے۔ لیکن وہ چاہتے تھے کہ اصلاحات ناقص ہی سہی لیکن جو کچھ مل رہا ہے انہیں منظور کر لینا چاہیئے۔ علی برادران کی رہائی ان کے نزدیک اچھی علامت تھی اور ان تمام باتوں کو مدنظر رکھکر انکی رائے تھی کہ کانگریس کو اصلاحات کی منظوری کا رزولیوشن پاس کر لینا چاہیئے۔ مسٹر محمد علی جناح اور پنڈت مدن موہن مالوی۔ گاندھی جی کے ہمخیال تھے لیکن دیش بندھو چترنجن کا خیال تھا کہ ایسی ناقص اصلاحات کو رد کر دینا ضروری ہے بالآخر جیرام داس کی ترمیم کے بعد رزولیوشن پاس ہو گیا۔ جواہر لال نہرو نے اس اجلاس میں سرگرم حصہ لیا

خلافت کمیٹی کا اجلاس

دہلی میں جنوری ۱۹۲۰ء میں خلافت کے رہنماؤں اور علماء کا اجلاس منعقد ہوا لیکن اسکو ہندو مسلمانوں کی مشترکہ کانفرنس کی حیثیت حاصل تھی کیونکہ تمام بڑے بڑے ہندو مسلم رہنماؤں کو شرکت کی دعوت دی گئی تھی۔ اسکے دعوت نامہ پر مسیح الملک حکیم اجمل خاں اور مسٹر آصف علی کے دستخط تھے۔ اور اس کانفرنس کا مقصد اس صورت حالات پر غور کرنا تھا کہ خلافت کے معاملے میں حکومت نے جو بدعہدی کی ہے اس کا جواب کیا ہو اور ہندو مسلمان جشن صلح میں شرکت کریں یا نہ کریں۔

ایک زیر بحث مسئلہ یہ بھی تھا کہ مسلمان کس حد تک عدم تشدد کا پابند رہ سکتا ہے آخر سب علماء اس بات پر متفق ہو گئے کہ اسلام میں عدم تشدد پالیسی کے طور پر اختیار کرنے کی

ممانعت نہیں۔ لیکن انہوں نے غیر مبہم الفاظ میں یہ واضح کر دیا کہ ہم اسے عقیدے کی حیثیت سے نہیں بلکہ سیاسی مصلحت کے طور پر اختیار کرتے ہیں۔ کیونکہ ہمارا مذہب حق کی حمایت میں تشدد کی اجازت دیتا ہے۔

آخر جب کانگرس اور خلافت کمیٹی نے گاندھی جی کے پر امن ترک موالات کا اصول تسلیم کر لیا تو وہ دونوں مل گئیں اور یکم اگست اس لڑائی کے آغاز کیلئے مقرر کیگئی اسی روز گاندھی جی اور جواہر لال نہرو سندھ کا دورہ کر کے بمبئی پہنچے اس موقع پر عظیم الشان مظاہرہ کیا گیا بمبئی کے لاکھوں آدمی اپنے محبوب رہنماؤں سے اظہار عقیدت کیلئے اُمنڈ آئے تھے۔ اسی روز بمبئی میں لوکمانیہ تلک کا انتقال ہوا۔

حکومت سے پہلا معرکہ

مئی ۱۹۲۰ء میں جواہر لال نہرو کی والدہ اور بیوی کملا بیمار ہوئیں اور مئی کے شروع ہفتہ میں جواہر لال ان دونوں کو منصوری لیگئے وہاں ان لوگوں نے سیوائے ہوٹل میں قیام کیا۔ ۱۹۱۹ء میں افغانستان اور برطانیہ میں ایک مختصر سی جنگ ہو چکی تھی اسی سلسلہ میں اسوقت ان دونوں حکومتوں کے نمائندے مصالحت کی گفتگو کیلئے منصوری آئے ہوئے تھے اور افغانی نمائندے اسی سیوائے ہوٹل میں قیام پذیر تھے۔ لیکن انہیں عام مسافروں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی وہ سب سے بالکل الگ تھلگ رہتے تھے۔ اور ہوٹل کے عام کمرے میں کبھی قدم نہیں رکھتے تھے جواہر لال نہرو نے ایک مہینہ کے قیام کے دوران میں انمیں سے کسی شخص کو دیکھا تک نہ تھا۔ اور اگر اتفاقاً دیکھا ہو تو وہ انہیں افغانی نمائندوں کی حیثیت سے جانتے نہ تھے۔ ایکدن شام کو یکایک سپرنٹنڈنٹ پولس صوبہ متحدہ کی حکومت کی ایک چٹھی لیکر آئے اسمیں جواہر لال نہرو سے ایک اقرار نامہ لکھنے کا مطالبہ تھا کہ وہ افغانی وفد سے کوئی راہ و رسم یا تعلق نہ رکھیں گے۔ ایسی صورت میں کہ ایک ماہ کے

کے قیام کے دوران میں وہ افغانی نمایندوں سے ملے تک نہ تھے آیندہ بھی اس قسم کی کوئی امید نہ تھی پھر اسکے علاوہ سپرنٹنڈنٹ پولس بھی اس حقیقت سے بخوبی واقف تھے کیونکہ وہ خود افغانی وفد کی نگرانی پر متعین تھے اور خفیہ پولیس کے سینکڑوں آدمی اس نگرانی میں انکے معاون تھے۔ یہ مطالبہ بہت عجیب تھا۔

جواہرلال نہرو نے اس مطالبہ کو سختی سے ٹھکرا دیا۔ اسکے بعد ان سے کہا گیا کہ آپ دہرہ دون کے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ سے مل لیں۔ جواہرلال نہرو نے اس تجویز کو منظور کر لیا اور وہ انسے ملے۔ لیکن وہاں بھی انہوں نے اقرار نامہ لکھنے سے صاف انکار کر دیا۔ اسلئے انہیں چوبیس گھنٹہ کے اندر دہرہ دون کے ضلع سے باہر نکلجانیکا حکم دیا گیا۔ اس کا صاف وصریح مطلب یہ تھا کہ وہ منصوری میں چند گھنٹہ سے زیادہ نہ رہ سکیں۔

انھیں یہ کسی طرح گوارا نہ تھا کہ وہ اپنی بیمار ماں اور بیوی کو چھوڑ کر چلے جائیں لیکن اس وقت سول نافرمانی شروع نہیں ہوئی تھی۔ اس لئے اس حکم کی خلاف ورزی نامناسب معلوم ہوئی۔ اور وہ منصوری چلے گئے۔

لیکن اس کے ساتھ ہی صوبہ متحدہ کے گورنر کو اطلاع دیدی گئی کہ بالفعل اس حکم کی خلاف ورزی کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ لیکن اگر والدہ یا بیوی کی علالت کی بنا پر ضرورت محسوس ہوئی تو اس حکم کی ذرا بھی پرواہ نہ کی جائے گی۔ اتفاقاً ان کی والدہ کی طبیعت زیادہ خراب ہو گئی۔ چنانچہ جواہرلال اور انکے والد فوراً منصوری روانہ ہو گئے۔ لیکن روانگی سے ذرا پہلے انہیں حکومت کا تار ملا کہ وہ حکم منسوخ کر دیا گیا اور تم منصوری جا سکتے ہو عمر بھر میں حکومت سے یہ پہلا معرکہ تھا جو انہوں نے نہایت جوانمردی سے سر کیا۔

حکومت افغانستان کا بلاوا

دوسرے دن صبح جب وہ منصوری پہنچے تو ہوٹل کے صحن میں سب سے پہلے انکی

نظر ایک افغان پر پڑی جو انکی ننھی سی بچی گود میں لئے کھلا رہا تھا۔ یہ صاحب افغانستان کے وزیر تھے اور اس وفد کے ساتھ بحیثیت ایک رکن آئے تھے۔ انھوں نے جب اخبار میں جواہر لال نہرو کے شہر بدر کئے جانے کی خبر پڑھی تو انہیں اسیوقت سے نہرو خاندان سے آشنا تعلق خاطر ہو گیا۔ کہ وہ روزانہ ان کی والدہ کو پھلوں پھولوں کی ایک ٹوکری بھیجا کرتے تھے۔ علاوہ ازیں جب دوبارہ منصوری آکر جواہر لال ان لوگوں سے ملے تو انہوں نے جواہر لال اور ان کے والد کو افغانستان آنے کی دعوت دی۔ گو مصروفیت کے سبب جواہر لال آجتک افغانستان نہ جا سکے۔ لیکن انہیں وہاں نہ جانے کا افسوس ہے۔

دیہاتوں میں بے چینی

جون ۱۹۲۰ء میں منصوری سے شہر بدر کئے جانے پر جواہر لال نہرو تقریباً دو ہفتہ الہ آباد رہے اسی دوران میں تقریباً دو سو کسان ضلع پرتاپ گڑھ سے پچاس میل پیدل چلکر الہ آباد پہنچے۔ تاکہ مقتدر رہنماؤں کو اپنا حال زار سنائیں۔ جواہر لال نہرو کو انہوں نے بتایا کہ تعلقداران سے بیحد وحشیانہ سلوک سے پیش آتے ہیں اور بہت بری طرح لوٹتے ہیں اور اب حالات اسقدر ناقابل برداشت ہو گئے ہیں کہ پانی سر سے اونچا ہو گیا ہے انہوں نے جواہر لال نہرو سے منت کی کہ آپ ہمارے ساتھ چلکر تحقیقات کیجئے اور ہمیں تعلقداروں کے ظلم سے نجات دلوائیے اب وہ ہمسے اسلئے اور زیادہ ناراض ہیں کہ ہم انکی شکایت لے کر الہ آباد کیوں آئے۔

چنانچہ چند قومی کارکنوں کے ساتھ جواہر لال نہرو وہاں گئے۔ اور انہوں نے تین دن ریل اور پکی سڑک سے بھی بہت دور گاؤں میں گزارے۔ انہوں نے وہاں عجیب حیرت انگیز مناظر دیکھے۔ تمام دیہات جوش و خروش سے بھرے ہوئے تھے۔ انمیں عجیب ہیجان برپا تھا۔ صرف زبانی اطلاع پر دم بھر میں ہزاروں آدمی جمع ہو جاتے تھے۔

ایک گاؤں دوسرے کو خبر کرتا اور دوسرا تیسرے کو اسطرح آناً فاناً گاؤں کے گاؤں خالی ہو جاتے۔ اور مرد عورتیں اور بچے چارنطرف سے بھاگتے ہوئے جلسہ گاہ میں پہنچتے۔ عورت مرد بچے۔ سب چیتھڑوں سے بدن ڈھانپے ہوتے تھے۔ لیکن انکے چہرے جوش سے تمتماتے تھے اور ان کی آنکھوںمیں ایک خاص قسم کی چمک ہوتی تھی۔ انہیں یقین تھا کہ کوئی معجزہ ہونے والا ہے جس سے ان کی سب مصیبتوں کا خاتمہ ہو جائیگا۔

انہوں نے اپنی مصیبت کی ان گنت کہانیاں سنائیں۔ لگان کے روز افزوں بوجھ سے وہ دبے جا رہے تھے۔ ناجائز طور پر ان سے زبردستی روپیہ وصول کیا جاتا تھا۔ انہیں کھیتوں سے بیدخل کر دیا جاتا تھا۔ اور ان کی جھونپڑیاں تک چھین لی جاتی تھیں۔ پھر اوپر سے انپر مار پڑتی تھی۔ زمینداروں کے کارندے۔ مہاجن اور پولس وغیرہ خونخوار گدھوں کی طرح چاروں طرف سے انپر ٹوٹے ہوئے تھے اور انکی بوٹیاں نوچ نوچ کر کھائے جا رہے تھے۔

وہ بیچارے سارے دن محنت کرتے۔ ایڑی سے چوٹی تک کا پسینہ بہاتے لیکن شام کو انہیں معلوم ہوتا کہ انہوں نے جو کچھ پیدا کیا۔ وہ انکا نہیں ہے انکا انعام تو صرف ٹھوکریں اور گالیاں تھیں۔ اور فاقے ان کی قسمت میں لکھے تھے۔

جو لوگ وہاں موجود تھے۔ انمیں سے اکثر کے پاس کاشت کیلئے ایک چپہ زمین نہ تھی۔ زمینداروں نے انہیں بیدخل کر دیا تھا۔ نہ انکے پاس کھیت تھا کہ وہ اسپر گذر کر سکیں اور نہ جھونپڑی تھی کہ وہاں جاکر پڑ رہیں۔

تین دن کے دورہ کے بعد جواہرلال نہرو دیہات سے بہت متاثر ہو کر واپس لوٹے انہوں نے وہاں جو مناظر دیکھے اور جو تاثرات حاصل کئے وہ ہمیشہ ہمیشہ کیلئے ان کے دل و دماغ پر نقش ہو کر رہ گئے۔ اسوقت تک نہرو اپنے کسانوں کی اس نئی بیداری سے بالکل ناواقف تھے۔ اور کسی اخبار میں انکی حالتِ زار کے متعلق کوئی ایک سطر بھی شائع نہیں کی گئی تھی۔ اور انہیں دیہاتوں سے کوئی دلچسپی یا تعلق ہی نہ تھا۔

دیہات سدھار

جواہرلال نہرو نے دیہات میں جو کچھ مظاہرے دیکھے وہ ایسے نہ تھے کہ ان کا نقش دل سے مٹ جاتا۔ اسوقت تو وہ تین دن کا دورہ کر کے الہ آباد آگئے لیکن منصوری سے واپس آجانے کے بعد وہ پھر وہاں گئے۔ گاؤں گاؤں پھرے۔ کسانوں کے ساتھ کھانا کھایا اور ان ہی کی جھونپڑیوں میں رہے۔ گھنٹوں ان سے باتیں کیں اور ان کے جلسوں میں تقریریں کیں۔

اس مرتبہ وہ ایک چھوٹی سی موٹر میں گئے تھے۔ دیہاتی انکے ایسے مشتاق تھے کہ رات بھر میں وہ کھیتوں میں کچی سڑکیں بنا ڈالتے تھے تاکہ ان کی موٹر آسانی سے ہر جگہ پہنچ سکے۔ اور اگر کبھی موٹر دلدل میں پھنس جاتی۔ تو بیسیوں آدمی بڑے خلوص ومحبت سے آن کی آن میں اسے اٹھا کر رکھ دیتے۔ لیکن پھر جواہرلال نہرو نے موٹر چھوڑ دی اور باقی دورہ پیدل طے کیا۔ جہاں کہیں وہ جاتے پولس اور خفیہ والے سایہ کی طرح ان کے پیچھے لگے رہتے تھے۔

جواہرلال جب سے انگلستان سے آئے تھے۔ گرمیاں ہمیشہ پہاڑ پر گذارتے تھے لیکن اس مرتبہ حالانکہ یہ جون کا مہینہ تھا جسمیں ہندوستان میں سب سے زیادہ گرمی پڑتی ہے۔ لیکن وہ برابر چلچلاتی دھوپ میں سفر کرتے رہے حالانکہ دھوپ کی شدت سے بدن جھلسا جاتا تھا اور آنکھوں کے نیچے اندھیرا آجاتا تھا۔ لیکن انہوں نے خدمت کی دھن میں گرمی کی اس شدت کا کبھی خیال نہیں کیا

دیہاتوں میں دورہ کرنے سے پہلے عام مجمعوں میں تقریر کرتے ہوئے جواہرلال نہرو ہمیشہ گھبراتے تھے۔ کیونکہ عام جلسوں میں وہ اُردو میں تقریروں کے مؤید تھے انہیں روانی کے ساتھ اُردو بولنے میں دقت ہوتی تھی۔ لیکن کسانوں نے ان کا حجاب دور

کر دیا۔ کیونکہ ان کے جلسوں میں انہیں پے در پے تقریریں کرنی پڑیں وہ انکے سامنے اس طرح تقریر کرتے تھے۔ جیسے کوئی آپسمیں بات چیت کر رہا ہے۔ اور جو کچھ انکے ذہن میں ہوتا وہ سیدھے سادھے لفظوں میں ان سے کہدیا کرتے تھے۔

بدیشی عدالت سے نفرت

جواہرلال نہرو ۱۹۲۱ء میں سال بھر تک دیہاتی علاقوں کا دورہ کرتے رہے یہاں تک کہ ان کی سرگرمیاں سارے صوبہ متحدہ میں پھیل گئیں۔ اس وقت تحریک ترک موالات پورے زور شور سے شروع ہو چکی تھی۔ اور ہر ضلع میں کانگریس کے کارکن اس نئے پیغام کو لیکر دیہاتی علاقوںمیں نکل کھڑے ہوئے تھے۔ کسانوں کی تحریک برابر زور پکڑ رہی تھی۔ اور انکو اب اپنے اوپر اعتماد پیدا ہو چلا تھا۔ زمیندار کے کارندوں اور پولس کے سپاہیوں کا خوف اب انکے دل سے کم ہوتا جاتا تھا جب کبھی کوئی کسان بیدخل کیا جاتا تو دوسرا کسان اس زمین کو حاصل کرنے کیلئے آگے نہیں بڑھتا تھا۔ زمیندار کے ملازم مار پیٹ کرنیسے بھی ڈرنے لگے تھے۔ ناجائز لوٹ بہت کم ہو گئی تھی۔ اور کبھی اس قسم کے واقعات رونما بھی ہوتے تو فوراً اس کی اطلاع کیجاتی اور تحقیقات شروع ہو جاتی تھی اسوجہ سے پولس اور زمینداروں کے ملازمین بھی ڈرنے لگے تھے۔ اور صوبہ متحدہ کی حکومت نے بھی وعدہ کر لیا تھا کہ وہ اودھ کے قانون لگان میں ترمیم کر دیگی۔ علاوہ ازیں کانگریس کی تعلیم کا ایک نتیجہ یہ بھی ہوا۔ کہ آپس کی مقدمہ بازی یکایک کم ہو گئی۔ کسانوں نے حکومت کی عدالتوںمیں جانیکی بجائے آپس کے جھگڑے طے کرنے کیلئے تمام مواضعات میں پنچائیتیں قائم کر دیں۔

گولیوں کی بارش

جنوری ۱۹۲۱ء کے آغاز میں جواہرلال نہرو ناگپور کانگریس سے الہ آباد واپس

پہنچے ہی تھے کہ انہیں رائے بریلی سے ایک تار ملا۔ جسمیں لکھا ہوا تھا۔ کہ یہاں فساد کا اندیشہ ہے۔ اس لئے فوراً آؤ۔ وہ دوسرے دن ہی وہاں پہنچے اسٹیشن پر معلوم ہوا کہ کسانوں کے چند رہنما چند روز ہوئے گرفتار کر لئے گئے ہیں۔ اس خبر سے مشتعل ہو کر دیہاتوں سے ہزارہا کسان زبردست مظاہرہ کرنے کیلئے رائے بریلی روانہ ہو گئے۔ لیکن پولس اور فوج نے شہر کے باہر ہی ندی کے کنارے انکی خاص جماعت کا راستہ روکدیا۔

جواہرلال نہرو اسٹیشن سے سیدھے ندی کیطرف روانہ ہوئے جہاں فوج اور کسان ایک دوسرے کے مقابلہ پر کھڑے تھے۔ راستہ میں جواہرلال نہرو کو ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کا حکم ملا کہ انہیں وہاں جانیکی اجازت نہیں ہے۔ اسلئے فوراً واپس لوٹ جائیں انہوں نے اسی حکمنامہ کی پشت پر جواب لکھدیا کہ "کس قانون کی کس دفعہ کے ماتحت آپ نے مجھے واپسی کا حکم دیا ہے" اور جب تک مجسٹریٹ کا جواب آئے۔ انہوں نے آگے بڑھنا شروع کر دیا جب وہ ندی کے کنارے پر پہنچے۔ تو فوج نے انہیں پل پر ہی روک لیا دوسری طرف خوب گولیاں چل رہی تھیں۔ بہت سے خوف زدہ کسان جو ندی کے اس طرف کھیتوں میں چھپے ہوئے تھے۔ جواہرلال نہرو کے ارگرد جمع ہو گئے اور انہوں نے تقریباً دو ہزار کسانوں کا اسی جگہ جلسہ کیا اور انکا جوش کم کرنے اور خوف و ہراس دور کرنیکی کوشش کی۔ ندی کے دوسری طرف کسانوں کی آنکھوں کے سامنے انکے بھائیوں پر گولیاں برس رہی تھیں اور ہر طرف فوج ہی فوج کھڑی تھی مگر جلسہ بہت کامیاب ہوا۔ اور کسانوں کے دل سے خوف نکل گیا۔

چرخہ بغاوت کا نشان

اسی زمانہ میں ضلع رائے بریلی میں کسانوں پر دو مرتبہ گولیاں چلائی گئیں اس کے بعد پنچایت کے ہر رکن اور کسانوں کے ہر مشہور کارکن پر تشدد کیا جانے لگا۔

اسی زمانہ میں کانگریس کی ہدایت کے بموجب کسانوں میں چرخہ کاتنے کا عام رواج ہو گیا تھا۔ لیکن حکومت نے تہیہ کر لیا کہ وہ اس تحریک کو کچل ڈالے گی۔ چنانچہ چرخہ بغاوت کا نشان قرار پایا۔ جس کے پاس چرخہ نکلتا وہ ضرور مصیبت میں مبتلا ہوتا اور اکثر چرخہ چھین کر جلا دیا جاتا۔ علاوہ ازیں رائے بریلی اور پرتاپ گڑھ اضلاع میں کانگریس کارکنوں اور کسانوں کو سینکڑوں کی تعداد میں گرفتار کر لیا گیا۔

اعتراف جرم کی حیرتناک مثال

۱۹۲۱ء میں ضلع فیض آباد میں اکبرپور کے قریب بعض مواضعات کے بھولے بھالے کسانوں کو ورغلایا گیا۔ کہ گاندھی جی کی خواہش ہے کہ تعلقدار کو لوٹ لیا جائے۔ چنانچہ انہوں نے گاندھی جی کی جے کے نعرے لگا کر بجوشی اس حکم کی تعمیل کی اور تعلقدار پر حملہ کر کے اسے لوٹ لیا۔

جواہر لال نہرو کو ان واقعات کا حال معلوم ہوا۔ تو انہیں بہت غصہ آیا۔ اور وہ حادثہ کے دوسرے تیسرے دن ہی موقعہ پر پہنچ گئے۔ اور فوراً ایک جلسہ کیا۔ چند گھنٹہ کے اندر اندر پانچ چھ ہزار آدمی جمع ہو گئے۔ جواہر لال نے انہیں بہت کچھ سخت وسست کہا۔ اور خواہش کی کہ مجرموں کو سب کے سامنے اپنے جرم کا اعتراف کر لینا چاہیئے۔ متعدد پولس افسر اس جلسہ میں موجود تھے۔ لیکن اسکے باوجود یہاں اعتراف جرم کی نہایت حیرتناک مثال دیکھنے میں آئی۔ کہ تقریباً دو درجن مجرموں نے پولس کی موجودگی کے باوجود ہاتھ اٹھا دیئے۔ یہ سب دیکھکر دنگ رہ گئے۔ کیونکہ اب ان کی آفت آنی یقینی تھی۔

بعد میں جواہر لال نہرو نے ان سے تنہائی میں گفتگو کی اور ان کے سچے حالات معلوم کئے۔ تو حیرتناک واقعات کا انکشاف ہوا۔ ایک دوسرے زمیندار کے ملازموں نے جنہیں اس تعلقدار سے عداوت تھی ان کسانوں کو ورغلایا تھا۔ حکومت کو بہترین موقع

ہاتھ آیا۔ اس نے کسانوں کی اس تحریک کو کچلنے کے لئے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔ تقریباً ایک ہزار آدمی گرفتار کر لئے گئے اور سال بھر تک مقدمہ کی پیشیاں ہوتی رہیں۔ متعدد کسان تو مقدمہ کے دوران میں جیل خانہ ہی میں مر گئے بہتوں کی لمبی لمبی سزائیں ہوئیں چند سال بعد جب جواہر لال نہرو خود جیل گئے تو انہیں بعض لڑکے اور نوجوان انہیں وہاں ملے جو اپنی جوانی کے دن جیل میں کاٹ رہے تھے۔

حق موروثی

حکومت اور زمینداروں کی متحدہ کوششوں کے باوجود کسانوں نے پورے زور دشور سے اپنی سرگرمیاں جاری رکھیں۔ لیکن رفتہ رفتہ ان کی ہمتوں نے جواب دیدیا لیکن اس کے باوجود چنگاری اب بھی راکھ میں دبی ہوئی تھی۔ چنانچہ کانگریس نے ۱۹۲۱ء کے آخر میں جو تحریک شروع کی اس میں کسانوں نے جو پچھلے سال کافی سے زیادہ مصیبتیں جھیل چکے تھے۔ اس تحریک میں کافی حصہ لیا۔ چنانچہ حکومت نے خائف ہو کر قانون اراضی کی ترمیم میں عجلت سے کام لیا۔ اور اودھ کے کسانوں کو حق موروثی مل گیا۔

ابتدا میں کسانوں کی اس تحریک پر قوم پرستوں نے کوئی توجہ نہیں دی تھی لیکن اس تحریک نے جواہر لال نہرو کو بہت زیادہ متاثر کیا۔ انکی آنکھوں کے سامنے سے پردہ اٹھ گیا اور انہوں نے ہندوستانی تحریک کے اس بنیادی پہلو کو اس روشنی میں خوب دیکھا اور اسے سمجھا۔

کانگریس پر گاندھی جی کا اثر

۱۹۲۰ء میں کانگریس کا ایک خاص اجلاس ترک موالات کے مسئلہ کو طے کرنے کے لئے کلکتہ میں منعقد ہوا۔ لالہ لاجپت رائے جو عرصہ کی جلاوطنی کے بعد امریکہ سے حال ہی میں واپس آئے تھے۔ اس اجلاس کے صدر تھے انہیں ترک موالات کی

یہ نوساختہ تجویز سخت ناپسند تھی اور وہ اس کی مخالفت میں تنہا نہ تھے۔ بلکہ انکے ساتھ بہت بڑی اور با اثر جماعت تھی۔ بلکہ کانگریس کے تمام پرانے کارکن گاندھی جی کی تحریک ترک موالات کی قرار داد کے مخالف تھے۔ کیونکہ نئی آئین ساز مجالس کے بائیکاٹ پر ان لوگوں کو سخت اعتراض تھا۔ مسٹر سی۔ آر داس اس جماعت کی رہبری کر رہے تھے۔

پرانے سر برآوردہ لیڈروں میں صرف پنڈت موتی لال نہرو گاندھی جی کی حمایت میں تھے۔ لیکن انکے لئے یہ کوئی آسان کام نہ تھا۔ قومی پہلو کے علاوہ اسمیں انکا ایک ذاتی پہلو بھی تھا۔ ترک موالات کا مطلب یہ تھا کہ انہیں اپنی وکالت ترک کرنی پڑے گی اور اپنی سابقہ امیرانہ زندگی کو خیر باد کہہ کر اسے نئے قالب میں ڈھالنا ہو گا۔ وکالت۔ سماجی زندگی اور اس شاہانہ معاشرت کو جس کے وہ عادی ہو چکے تھے ساٹھ سال کی عمر کو پہنچنے کے بعد تج دنیا کوئی آسان کام نہ تھا۔ علاوہ ازیں مالی حیثیت سے بھی یہ معاملہ کچھ کم اہمیت نہ رکھتا تھا۔ کیونکہ وکالت کی آمدنی ایک دم بند ہو جانے سے فوری اثر پڑنا یقینی تھا۔

لیکن پے در پے واقعات کی وجہ سے جن کی انتہا حادثہ پنجاب اور اس کے بعد کے حالات پر ہوئی انکا غم و غصہ حد سے تجاوز کر چکا تھا۔ انتہائی ظلم و جور کا احساس اور قومی ذلت کا صدمہ انکے دل و دماغ پر چھایا ہوا تھا۔ اسکے باوجود وہ جوش کی لہر میں نہیں بہے بلکہ خوب غور و فکر کے بعد وہ گاندھی جی کیساتھ ان کی تحریک میں شریک ہو گئے۔

کانگریس کے خاص اجلاس کے بعد کانگریس کی سیاست میں گاندھی جی کا دور شروع ہو گیا۔ جو ابتک چل رہا ہے۔ اس دور کے شروع ہوتے ہی کانگریس کا رنگ ہی بدل گیا۔ یورپین لباس کہیں نظر نہ آتا تھا۔ بلکہ ہر طرف کھدر ہی کھدر دکھائی دیتا۔ متوسط اور ادنیٰ درجہ کے لوگوں کو کانگریس کا نمائندہ منتخب کیا

جلنے لگا تھا۔ اور کانگریس کی کارروائی اردو میں ہونے لگی۔ لیکن بعض موقعوں پر جس صوبے میں جلسہ ہوتا وہاں مقامی زبان سے بھی کام لیا جاتا تھا۔

امرت بازار پتر کا

کانگریس کا اجلاس ختم ہونے کے بعد گاندھی جی اور جواہرلال نہرو امرت بازار پتر کا کے کہنہ مشق ایڈیٹر موتی لال گھوش کی مزاج پرسی کو گئے وہ اس وقت بستر مرگ پر پڑے ہوئے تھے۔ انہوں نے فرمایا اب میں دوسری دنیا میں جا رہا ہوں اور گو میں نہیں جانتا کہ وہ دوسری دنیا کہاں ہے۔ لیکن اتنا اطمینان ضرور ہے کہ اب میں برطانوی راج میں نہیں رہوں گا موت کم از کم اس سلطنت سے چھٹکارا تو دلا دیگی

شانتی نکیتن

پھر گاندھی جی اور جواہرلال نہرو مسٹر رابندر ناتھ ٹیگور اور ان کے بڑے بھائی "بوڑو دادا" سے ملنے شانتی نکیتن گئے۔ اور چند روز وہاں ٹھیرے رہیں۔ سی ایف انڈریوز نے جواہرلال نہرو کو کئی کتابیں دیں جن کا انہوں نے بڑے شوق سے مطالعہ کیا

دل کی بات

پھر سی. ایف انڈریوز نے ایک رسالہ لکھا۔ اس میں اول سے آخر تک ہندوستان کی روز افزوں ذلت، کا احساس اور اس سے نجات پانے کی بیتابانہ خواہش کار فرما تھی۔ یہ دیکھکر حیرت ہوتی ہے، کہ انہوں نے ایک غیر ملکی شخص اور حاکم قوم کے فرد ہونے کے باوجود کس خوبی سے ہمارے دل کی بات کہی ہے۔

ان کا قول ہے ہندوستان کی روح میں ایسی آگ لگا دینے والی قوتیں پیدا

کر دینے کی ضرورت ہے۔ جو روح میں ہیجان پیدا کر دیں۔ اس اندرونی قوت کو واقعی طور پر بیدار کرنے کیلئے گاندھی جی نے ہندوستان کے کان میں منتر پھونک دیا کہ غلام نہ رہو آزاد ہو جاؤ اور ہندوستان کے دل سے لبیک کی آوازیں آئیں۔ اور اسی تحریک کے صدقہ میں یکایک اسکی بیڑیاں ڈھیلی پڑ گئیں اور آزادی کا راستہ کھل گیا۔

حلوائی ممبر کونسل

آئندہ تین ماہ میں ترک موالات کا بڑھتا ہوا سیلاب سارے ملک میں پھیل گیا۔ نئی کونسلوں کے انتخابات کے بائیکاٹ کرنیکی اپیل اسقدر کامیاب ہوئی۔ کہ دیکھکر حیرت ہوتی تھی۔ جن حضرات کو ملک کے پرزور مطالبہ کا ذرا بھی لحاظ تھا۔ وہ ممبری کیلئے نہیں کھڑے ہوئے اور ووٹروں کی اکثریت نے ووٹ دینے سے احتراز کیا۔ بعض جگہ عجیب ستم ظریفی سے کام لیا گیا۔ بعض غیر تعلیمیافتہ اور بالکل غیر سیاسی لوگونکو کونسل کی ممبری کیلئے کھڑا کر دیا گیا۔ تاکہ کونسل ایک کھلونا بنکر رہجائے۔ چنانچہ دہلی میں ایک صاحب کو جو حلوائی ہیں۔ ممبری کیلئے کھڑا کیا اور انہیں کامیاب بنایا گیا۔ بعض جگہ ایک ووٹ بھی نہیں ڈالا گیا۔ چنانچہ سر ویلنٹائن نے جو اتفاق سے اس روز الہ آباد میں موجود تھے۔ ان مقامات کا چکر لگایا جہاں ووٹ پڑ رہے تھے۔ بائیکاٹ اسقدر مکمل تھا کہ وہ دیکھکر حیران رہ گئے اور الہ آباد سے تقریباً پندرہ میل کے فاصلے پر جو پولنگ اسٹیشن تھا اسکے متعلق انہیں معلوم ہوا کہ ایک ووٹر بھی نہیں آیا۔ چنانچہ ہندوستان کے متعلق اپنی ایک کتاب میں انہوں نے اپنے ان مشاہدات کا تذکرہ کیا ہے

ہندو مسلم اتحاد کا سفیر

کلکتہ کانگریس کے بعد چند پرانے لیڈر کانگریس سے قطعی طور پر علیحدہ ہوگئے وہ

حکومت سے عدم تعاون کے حامی نہ تھے۔ انکا خیال تھا کہ ایک نہ ایک دن حکومت سے تعاون کرنا ہوگا۔ اور کونسلوں میں ضرور جانا پڑیگا۔ ان لوگوں میں مسٹر سری نواس شاستری اور ملک کے ہر دلعزیز اور مشہور و معروف لیڈر مسٹر محمد علی جناح بھی تھے۔ مسز سروجنی نائیڈو انہیں ہندو مسلم اتحاد کا سفیر کہتی تھیں۔ اور حقیقتاً ان ہی کی کوشش سے کانگریس اور مسلم لیگ ایک دوسرے کے قریب آگئی تھیں۔

خفیہ پولس کی قابل رحم حالت

۱۹۲۱ء میں جواہرلال نہرو اور تقریباً سب ہی دوسرے کانگریسی کارکن ایک طرح تشدد میں چور تھے۔ وہ سب کے سب جوش۔ ہمت۔ زندہ دلی میں سرشار تھے اس زمانہ میں جواہرلال نہرو نے اتنی سخت محنت کی کہ غالباً اس سے پہلے نہ کی تھی۔ انہیں علم تھا کہ حکومت سے جنگ کا زمانہ نزدیک آرہا ہے۔ اس لئے انکی خواہش تھی۔ کہ گرفتاری سے پہلے جو کچھ ہو سکے کر ڈالیں۔

آزادی کا احساس پیدا ہو جانے کے بعد پہلو بچا بچا کر قانونی الفاظ میں گفتگو کرنا اور پچھلی سرگوشیاں یا مایوسی اور سہم کی کیفیت اب باقی نہیں رہی تھی انکے دلمیں جو کچھ ہوتا ڈنکے کی چوٹ علی الاعلان کہتے تھے۔ خفیہ پولس کے سینکڑوں آدمی انکے پیچھے لگے رہتے تھے ان بیچاروں کی حالت بہت ہی قابل رحم ہوگئی تھی۔ کیونکہ جواہرلال نہرو یا اور کانگریسی کارکنوں کی کوئی بات راز میں نہ تھی۔ وہ جو کچھ کرتے تھے ہمیشہ کھلم کھلا کرتے تھے۔

حکومت کی پریشانی

ادھر قومی کارکنوں کا ضبط اور اعتماد و یقین بڑھتا جاتا تھا۔ ادھر حکومت کی صفوں میں ابتری پھیل رہی تھی۔ جو کچھ ہو رہا تھا وہ اسکی سمجھ سے باہر تھا۔ ہندوستانکی پرانی دنیا

جو وہ عرصہ سے دیکھتی چلی آرہی تھی۔ اب سرعت سے بدل رہی تھی۔ اور اگر حکومت کیجانب سے ذرا سابھی تشدد کیا جاتا تھا تو تحریک کو اور بھی تقویت پہنچتی تھی۔ چنانچہ حکومت نے بڑی عرصہ تک پس وپیش کرنے کے بعد بڑے بڑے لیڈروں پر ہاتھ ڈالا۔ کیونکہ اُسے ڈر غالب تھا۔ کہ پولس احکام کی تعمیل کریگی یا نہیں اور ہندوستانی فوج قابل اعتماد ہے یا نہیں۔ اسی کشمکش کے متعلق خود لارڈ ریڈنگ وئسرائے ہند نے دسمبر ۱۹۲۱ء میں اعتراف کیا تھا کہ حکومت عجب شش و پنج میں مبتلا ہے

غدر کی یادگار

جواہر لال نہرو کی بہن سروپ کی شادی ۱۰ مئی ۱۹۲۱ء کو قرار پائی تھی۔ اور یہ تاریخ ہندوؤں کے رواج کے مطابق سمت کی شبھ لگن دیکھکر مقرر کیگئی تھی۔ گاندھی جی مولنا محمد علیؒ۔ مولنا شوکت علیؒ اور بہت سے مقتدر قومی رہنماؤں کو مدعو کیا گیا تھا۔ اور سب کی سہولت کے خیال سے اس زمانہ میں الہ آباد میں کانگریس ورکنگ کمیٹی کا ایک جلسہ بھی مقرر کردیا گیا تھا۔ مقامی کارکنوں نے۔ بڑے پیمانے پر ضلع کی ایک کانفرنس کا انتظام کیا اور امید تھی کہ کانفرنس میں قرب وجوار کے کسان بھی بہت بڑی تعداد میں شریک ہونگے ان سیاسی جلسوں کے سبب شہر میں بڑی چہل پہل اور جوش وخروش تھا۔

اسی سلسلہ میں جواہر لال نہرو کے ایک بیرسٹر دوست نے انسے عجیب راز کا انکشاف کیا۔ انہوں نے بتایا کہ میرٹھ میں غدر ۱۸۵۷ء بھی چونکہ ۱۰ مئی کو شروع ہوا تھا۔ اسلئے انگریزوں میں یہ خیال پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا تھا۔ کہ الہ آباد میں اسکی یادگار منائی جائیگی۔ اس لئے انہیں اپنے ہندوستانی ملازموں کا اعتبار جاتا رہا تھا۔ اور وہ ہر وقت اپنی جیبوں میں بھرے ہوئے پستول لئے پھرتے تھے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ الہ آباد کے قلعے میں انتظامات مکمل کردیئے گئے تھے۔ اگر ضرورت پڑے تو انگریزوں کی ساری آبادی وہاں منتقل ہو جائے۔

درحقیقت انگریزوں کے ضمیر میں ہی یہ عقیدہ داخل ہے کہ ہندوستان نہایت پُر اسرار

جگہ ہے اور اسکے بازاروں اور تنگ و تاریک محلوں میں ہمیشہ سازشیں ہوا کرتی ہیں اسلئے یہاں کی کسی بات کو وہ بھید سے خالی نہیں سمجھتے۔ کیونکہ انہوں نے مشرقی سیدھے اور سچے انسانوں کو سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کی ترقی چاہنے والے جاسوسوں اور خفیہ پولس والوں نے جو کچھ جھوٹی سچی باتیں انکے کانمیں بھریں اسے انجیل سمجھا۔ اور چونکہ وہ غریب ہندوستانیوں سے بہت دور ٹھنڈی سڑک پر بنگلہ بنا کر رہتے ہیں! اسلئے یہاں کے صحیح حالات معلوم بھی کسطرح ہوں۔ خوشنودی چاہنے والے جاسوسوں کی من گھڑت کہانیاں سنتے تھے اور وحشت کے مارے پریشان ہو جاتے تھے یہی اپریل ۱۹۱۹ء میں پنجاب میں ہوا تھا۔ یکایک انگریزوں پر خوف طاری ہو گیا! انہیں ہر طرف خطرہ ہی خطرہ نظر آنے لگا اور انہوں نے خواہ مخواہ یہ سمجھ لیا کہ کوئی زبردست بلوہ یا دوسرا غدر ہونیوالا ہے جسمیں انگریزوں کا قتل عام ہوگا۔ چنانچہ حفاظت خود اختیاری کے فطری مگر اندھے جوش میں انہوں نے وہ خوفناک حرکتیں کیں جو جلیان والہ باغ کے نام سے ضرب المثل بن گئی ہیں۔

رام راج سے نفرت

جواہر لال نہرو کے نقطۂ نگاہ سے سیاست اور مذہب دو علیحدہ چیزیں ہیں اگر کبھی ہندو مسلم رہنما اپنی تقریروں میں ان دونکو لازم و ملزوم بیان کرتے تو جواہر لال پریشان ہو جاتے تھے اس قسم کی تقریریں انھیں بہت گراں گذرتی تھیں۔ اس زمانہ کو جو عنقریب آنے والا تھا۔ گاندھی جی کا "رام راج" کہنا انہیں بہت شاق گذرتا تھا اور وہ جب اس قسم کی باتیں سنتے تو انہیں بہت صدمہ ہوتا تھا۔

گاندھی جی کے پرانے نظریئے

قومی کارکن مشنری اور جدید تہذیب کیمتعلق گاندھی جی کے پرانے نظریونکو

ناقابلِ عمل اور جدید حالات کے لئے بالکل ناموزوں سمجھتے تھے اور تہذیب جدید کے اکثر کارناموں کو ٹھکرانے کے لئے تیار نہ تھے یہ بات اور ہے کہ وہ ہندوستان کے مطابق انمیں مناسب تبدیلیوں کے خواہشمند ہوں۔ خصوصاً جواہرلال نہرو بڑی بڑی مشینوں اور تیز رفتار سواریوں کو بیحد پسند کرتے ہیں۔

بغاوت کا جُرم

سنہ ۱۹۲۱ء قومی کارکنوں کے لئے غیر معمولی سال تھا۔ جواہرلال نہرو اور بہت سے دوسرے لیڈر اس تحریک میں محو ہو کر رہ گئے۔ جواہرلال نہرو نے اپنی تمام پرانی دلچسپیاں۔ دوستوں کی صحبتیں۔ تعلقات اور کتب بینی غرض سب کچھ ترک کر دیا تھا یہانتک کہ قومی خبروں کے سوا اخبار دیکھنے کی فرصت بھی انکو نہ تھی۔ حالانکہ ان کو اپنے خاندان سے بہت محبت تھی۔ لیکن اسکے باوجود انہوں نے اپنے سب عزیزوں کو بلکہ اپنی بیوی اور بچی تک کو بھلا دیا تھا۔ وہ دن رات دفتروں کمیٹیوں اور جلسوں میں رہا کرتے تھے۔ اس زمانہ میں دیہات کے چکر بھی خوب ہو رہے تھے۔ وہ کھیتوں ہی کھیتوں میلوں پیدل چلا کرتے تھے۔ اور دور دور پہنچکر کسانوں کے جلسوں میں تقریر کیا کرتے تھے۔ اس سال قومی کارکن ایک ایک کر کے برابر گرفتار ہوتے رہے۔ مولنا محمد علیؒ اور مولنا شوکت علیؒ کو قوم میں بغاوت پھیلانے کے جرم میں ڈبل سزا دی گئی۔ لیکن جن الفاظ کی بنا پر انہیں سزا ہوئی۔ انہیں الفاظ کو سینکڑوں پلیٹ فارموں پر ہزاروں آدمیوں نے دوہرایا جواہرلال نہرو کے متعلق بھی یہ افواہ گرم تھی کہ چند تقریروں کی بنا پر ان پر بغاوت کا جرم عاید کیا جائیگا۔ اور مقدمہ چلایا جائیگا۔

پرنس آف ویلز کی آمد

پرنس آف ویلز جب سیاحت کی غرض سے ہندوستان آنے لگے تو کانگریس نے انکا بائیکاٹ کر دیا۔ حالانکہ کانگریس کو انسے کوئی شکایت نہ تھی لیکن حکومت ہند انکی شخصیت سے ناجائز فائدہ اٹھانا چاہتی تھی۔ اور اپنی گری ہوئی ساکھ سنبھالنا چاہتی تھی۔ اس لئے کانگریس کو مجبوراً بائیکاٹ کا اعلان کرنا پڑا۔

"سنڈے ڈسپیچ" اس خبر کا ذمہ دار ہے کہ پرنس آف ویلز جب ہندوستانکے دورے پر روانہ ہوئے تو انہوں نے والسرائے کو لکھا کہ میں گاندھی جی سے ملاقات کا خواہشمند ہوں تختہ جہاز پر اس ملاقات کا انتظام کر دیجیے۔

لیکن والسرائے نے یہ تجویز پسند نہ کی کہ پرنس آف ویلز ہندوستانکے باغیوں کے لیڈر گاندھی سے ملاقات کریں۔ چنانچہ انہوں نے پرنس سے درخواست کی کہ اس ارادہ سے باز آئیں۔ لیکن جب پرنس نے زیادہ اصرار کیا۔ تو والسرائے نے ملک معظم کو شہزادے کے ارادے سے مطلع کیا۔ اور ان سے مداخلت کی درخواست کی چنانچہ ملک معظم کی مداخلت پر شہزادے کو باز رکھا جاسکا۔

کچھ عرصہ کے بعد اسی جرنلسٹ نے جسکا مذکورہ مضمون سنڈے ڈسپیچ میں شائع ہوا ہے اسی سلسلہ میں گاندھی جی سے ملاقات کی اور انسے دریافت کیا کہ اگر والسرائے آپکو پرنس سے ملاقات کی دعوت دیتے۔ تو کیا آپ منظور کر لیتے۔

گاندھی جی نے فرمایا۔ کہ ہاں میں ضرور ملتا۔ اور اگر شہزادہ یہ خواہش کرتے کہ ان کے دورہ کا بائیکاٹ نہ کیا جائے اور سول نافرمانی ملتوی کر دی جائے تو یقیناً ہم مشرقی روایات کو ملحوظ رکھتے ہوئے اچھے میزبانوں کی طرح شہزادے کو مہمان سمجھتے اور نافرمانی ملتوی کر دی جاتی۔

شاہزادہ ویلز کے متعلق یہ واقعہ بھی عام طور پر مشہور ہے کہ وہ جب ہندوستان آئے تو انہوں نے جواہر لال نہرو سے ملنے کی خواہش کی لیکن ۱۹۲۱ء کا یہ وہ زمانہ تھا

جبکہ جواہر لال نہرو جیل میں تھے۔

حکومت نے بائیکاٹ کے بڑھتے ہوئے جوش کو دیکھکر آخر نومبر میں بنگال کانگریس کے والنٹیر خلاف قانون قرار دیدیئے۔ لیکن دیش بندھو داس نے صوبہ بنگال کے نام فوراً ایک ولولہ انگیز پیغام شائع کیا۔ جسمیں انہوں نے لکھا کہ "مجھے محسوس ہورہا ہے کہ میرے ہاتھوںمیں ہتھکڑیاں پڑی ہوئی ہیں اور میرا سارا جسم آہنی زنجیروں سے جکڑا ہوا ہے۔ لیکن اگر دیکھا جائے تو یہ سارا ملک ہی ایک بہت بڑا جیل خانہ ہے۔ چاہے میں آزاد ہوں چاہے جیل میں بند کردیا جاؤں اور چاہے زندہ رہوں یا مرجاؤں لیکن کانگریس کا کام بہر صورت جاری رہنا چاہیئے"

اسکے بعد گورنمنٹ نے صوبجات متحدہ میں بھی اسی قسم کا اعلان کردیا۔ لیکن اس صوبہ میں بھی حکومت کا یہ چیلنج قبول کرلیا گیا۔ اور اعلان کردیا گیا۔ کہ ہماری والنٹیروں کی انجمن جاری رہے گی۔ بلکہ اخباروں میں روزانہ والنٹیروں کے نام شائع کرنے شروع کردیئے۔ پہلی فہرست میں پہلا نام پنڈت موتی لال نہرو کا تھا۔ حالانکہ وہ والنٹیر نہ تھے۔ لیکن گورنمنٹ کے حکم کی خلاف ورزی کے لئے انہوں نے اپنا نام بھی لکھوادیا۔

ولیعہد کے آنے سے چند روز قبل دسمبر کے آغاز میں دھڑادھڑ گرفتاریاں شروع ہوگئیں کانگریس ولیعہد کے بائیکاٹ کا خواہ کتنا ہی اہتمام کرتی۔ لیکن اتنی کامیابی ہرگز نہ ہوتی۔ جتنی حکومت کے ان ناعاقبت اندیشانہ افعال سے ہوئی جہاں کہیں وہ تشریف لے گئے۔ ہڑتالوں اور سنسان سڑکوں نے انکا خیر مقدم کیا الہ آباد انکی آمد کے دن شہر خموشاں معلوم ہوتا تھا۔ چند دن بعد وہ دہلی اور کلکتہ گئے تو ان عظیم الشان شہروںمیں بھی تمام چہل پہل یکایک بند ہوگئی۔

مولانا محمد علی کی اہمیت

پرنس آف ویلز کی ہندوستانمیں موجودگی کے سبب حکومت کی ذمہ داریوں میں

بہت اضافہ ہوگیا۔ حکومت نے یہ کوشش کی کہ کانگریس کسی سمجھوتہ کے لئے تیار ہوجائے چنانچہ ولیعہد کے کلکتہ کے دورے کے خیال سے پیش قدمی کی گئی۔ حکومت کے نمائندوں اور دیش بندھو داس کے درمیان جو اسوقت جیل میں تھے۔ اس سلسلہ پر گفت و شنید ہوئی اور حکومت اور کانگریس کے درمیان ایک چھوٹی سی گول میز کانفرنس کرنیکی تجویز بھی ہوئی لیکن گاندھی جی کو اصرار تھا کہ مولانا محمد علیؒ جو اسوقت کراچی جیل میں تھے۔ اس کانفرنس میں ضرور شریک ہوں۔ کیونکہ وہ نہ صرف کانگریس بلکہ تحریک خلافت کے بھی خاص رہنما تھے۔ اس لئے ان کی موجودگی قطعی ضروری تھی۔

جواہر لال نہرو کی پہلی گرفتاری

دسمبر کے آغاز میں پانی سر سے بہت اونچا ہوگیا تھا۔ حکومت اور کانگریس کے درمیان جس جنگ کا اندیشہ تھا وہ چھڑ چکی تھی۔

جواہر لال نہرو ایک دن شام کو الہ آباد کانگریس آفس میں معمولی وقت کے بعد بیٹھے پچھلا کام ختم کر رہے تھے کہ ایک کلرک گھبرایا ہوا آیا۔ اور کہا کہ پولس تلاشی کا حکم لیکر آپہنچی ہے۔ اور دفتر کی عمارت کو گھیرے ہوئے ہے۔ جواہر لال نہرو نے کلرک کو حکم دیا کہ وہ پولس کے ساتھ جاکر دفتر کے تمام کمرے دکھلادے اور باقی عملہ کو سختی سے تاکید کردی۔ کہ وہ پولس کی طرف کوئی توجہ نہ کرے اور بدستور اپنے کام میں منہمک رہے۔ جب جواہر لال نہرو دفتر سے گھر پہنچے تو پولس ان کی عظیم الشان کوٹھی کی تلاشی لے رہی تھی۔ آخر کار جواہر لال نہرو اور انکے والد پنڈت موتی لال نہرو بھی گرفتار کر لئے گئے۔ اس کے بعد بنگال اور صوبجات متحدہ میں گرفتاریوں اور سزایابیوں کا تار بندھ گیا۔ ان صوبوں کے تمام مقتدر لیڈر اور کارکن گرفتار کر لئے گئے۔ صوبہ متحدہ کی کانگریس کمیٹی تو اپنے اجلاس کے وقت پوری کی پوری گرفتار کرلی گئی۔ اسوقت اجلاس میں پچپن ممبر

موجود تھے۔ اور والنٹیر تو ہزاروں کی تعداد میں جیل بھیجدیئے گئے۔ یہ دیکھکر حیرت ہوتی تھی کہ جیل جانے والے والنٹیروں کا سلسلہ کسی طرح ختم ہی نہیں ہوتا تھا۔ بہت سے ایسے لوگ بھی جنھوں نے کانگریس میں یا سیاسی کاموں میں آج تک کوئی حصہ نہیں لیا تھا۔ اپنے آپ کو گرفتار کر دینے کے لئے نکل کھڑے ہوئے۔ ایسی مثالیں بھی سننے میں آئیں کہ سرکاری دفتر کا کوئی کلرک شام کو اپنے دفتر سے واپس آرہا ہے۔ راستہ میں جوش کے سیلاب میں وہ بھی بہہ گیا۔ اور گھر پہنچنے کی بجائے جیل خانہ چلا گیا لڑکے اور نوجوان قیدیوں کی لاری میں زبردستی گھس جاتے تھے اور اصرار کرتے تھے کہ ہمیں بھی جیل لیچلو۔ جیل خانے کھچا کھچ بھر گئے تھے۔ اور جیل کے افسر اس غیر معمولی صورت حال سے سخت پریشان تھے۔ ان کی سمجھ میں کچھ نہ آتا تھا کہ کیا کرنا چاہیئے۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا تھا کہ پولس کی لاری وارنٹ کے مطابق قیدیوں کی ایک خاص تعداد لیکر چلتی لیکن جیلخانے کے دروازہ پر پہنچکر اسمیں تعداد سے زیادہ قیدی نکلتے تھے جیل کے افسر حیران رہجاتے تھے کہ اس عجیب و غریب صورت میں کیا طرز عمل اختیار کریں کیونکہ جیل کے قانون میں قید کے ان عجیب شیدائیوں کے لئے کوئی دفعہ نہ تھی۔ آخر مجبور ہو کر حکومت نے ادھا دھند گرفتاریاں کرنیکا رویہ ترک کر دیا اور صرف مشہور مشہور کارکن چن چن کر گرفتار کئے جانے لگے۔ دسمبر ۱۹۲۱ء اور جنوری ۱۹۲۲ء یعنی دو مہینے میں ترک موالات کے سلسلہ میں ۳۰ ہزار آدمی جیل خانے گئے۔ اگرچہ سارے نمایاں لیڈر اور کارکن جیل میں تھے۔ لیکن تحریک کے بانی اور رہبر اعظم گاندھی جی ابھی قید نہیں گئے تھے اور وہ روزانہ پیغامات اور ہدایات جاری کرتے رہتے تھے جس سے لوگوں کا جوش برابر بڑھ رہا تھا۔ حکومت گاندھی جی کو گرفتار کرنے سے ڈرتی تھی۔ اسے اندیشہ تھا کہ کہیں پولس اور ہندوستانی فوج نہ بھڑک اٹھے۔

مقدموں کی دلچسپ کارروائی

جواہرلال نہرو اوران کے والد پر مختلف الزامات عائد کئے گئے۔ اور مختلف عدالتوں سے ان دونوں کو چھ چھ مہینہ کی سزا ہوئی۔

لیکن مقدمے کیا تھے۔ کھیل تھے۔ ان دونوں رہنماؤں نے اپنے اصول کے مطابق عدالتی کارروائی میں حصہ نہیں لیا۔ سزا کرنے کے لئے حکومت کو ان کی تقریروں اور سرگرمیوں سے کافی مواد مل سکتا تھا۔ لیکن ان پر جو الزام عائد کئے گئے وہ بہت دلچسپ تھے۔ پنڈت موتی لال نہرو پر خلاف قانون جماعت کارکن یعنی کانگریس کا والنیٹر ہونے کے الزام میں مقدمہ چلایا گیا۔ اور اسکے ثبوت میں ایک فارم پیش کیا گیا۔ جس پر ان کے ہندی میں دستخط تھے۔ جو حقیقتاً ان ہی کے تھے۔ لیکن اس سے پہلے انہوں نے شاید کبھی بھی ہندی میں دستخط نہیں کئے تھے۔ اس لئے ان کے ہندی دستخطوں کو کوئی شناخت نہ کرسکتا تھا۔ لیکن ایک اَن پڑھ شخص عدالت میں پیش ہوا۔ جس نے حلفیہ ان دستخطوں کو شناخت کیا۔ لطف یہ ہے کہ دستخط شناخت کرتے وقت وہ دستخطوں والا فارم الٹا پکڑے ہوئے تھا۔

جواہرلال نہرو پر ہڑتال کے اشتہار تقسیم کرنے کا الزام تھا۔ اس لئے انہیں بھی سزا ہوئی۔

جیل کی زندگی

بہت سے سیاسی قیدیوں کو جیل خانے کے اندرونی حصہ میں بنی ہوئی بڑی بڑی بارکوں میں رکھا گیا تھا۔ لیکن جواہرلال نہرو اوران کے تقریباً سترہ ساتھیوں کو کچھ بہتر سلوک کا مستحق سمجھا گیا۔ اور ایک پرانے پارچہ بافی کے کارخانہ میں جگہ

دی گئی جس کے سامنے ایک بہت بڑا صحن بھی تھا۔ جواہر لال نہرو۔ انکے والد۔ اور انکے دو چچازاد بھائیوں کو علیحدہ ایک سائبان کے نیچے جگہ دی گئی۔ ان لوگوں کو دوسری بارکوں میں جانے کی آزادی تھی۔ ان کے عزیز و اقارب بھی اکثر ملنے آیا کرتے تھے۔ اور اخبارات بھی پڑھنے کی اجازت تھی۔ چنانچہ نئی نئی گرفتاریوں کے حالات اور تحریک کی رفتار کے متعلق روزانہ انہیں خبریں معلوم ہوتی رہتی تھیں اور ان کے جوش میں کمی نہ آنے پاتی تھی۔

جواہر لال نہرو علی الصباح اٹھکر سارے فرش کو دھویا کرتے تھے پھر اپنے والد کے اور خود اپنے کپڑے دھویا کرتے تھے۔ اس کے بعد چرخہ کاتتے تھے۔

ابتدائی زمانہ میں انہیں رضاکاروں کا مدرسہ جاری کرنے کی بھی اجازت مل گئی تھی۔ چنانچہ جو لوگ پڑھے لکھے نہ تھے انہیں وہ اردو ہندی پڑھایا کرتے تھے۔ اور شام کو والی بال کھیلتے تھے۔ رفتہ رفتہ پابندیاں بڑھادی گئیں۔ انہیں اپنے احاطہ سے نکلنے اور دوسری بارکو میں جانے کی ممانعت کردی گئی اور یہ مدرسہ بھی بند ہو گیا

ایک بے بنیاد افواہ

پنڈت موتی لال نہرو کے متعلق ایک لغو افواہ نے کافی سے زیادہ شہرت پائی تھی۔ کہ سرہارکورٹ بٹلر گورنر یو۔پی نے انہیں جیل میں شامپین شراب کی بوتلیں بھیجی تھیں۔ حالانکہ یہ سراسر غلط ہے گورنر نے کبھی کوئی چیز انہیں جیل میں نہیں بھیجی علاوہ ازیں جب ۱۹۲۰ء میں کانگریس نے ترک موالات کا اصول طے کیا تھا اسیوقت سے انہوں نے شراب قطعی چھوڑ دی تھی۔

چورا چوری کا واقعہ

فروری ۱۹۲۲ء کے آغاز میں چورا چوری ضلع گورکھپور میں دیہاتیوں کے

ایک مجمع نے پولس کے مظالم سے تنگ آکر تھانے کو آگ لگادی اور چھ سات سپاہیوں کو زندہ جلادیا۔

یہ جو کچھ بھی ہوا۔ گاندھی جی کے عقیدہ عدم تشدد کے صریح منافی تھا۔ اسلئے گاندھی جی نے تمام جارحانہ کارروائیاں ایک دم روک دیں اور عدم تعاون کی تحریک ملتوی کردی۔

جواہر لال نہرو اور دوسرے قومی کارکنوں نے جیل خانہ میں جب یہ خبر سنی تو انہیں بڑی حیرت اور پریشانی ہوئی۔ بلکہ جدوجہد کے التوا کی خبر سُن کر جواہر لال نہرو کو تو بہت غصہ آیا۔ کیونکہ اس وقت کانگریس کی قوت بہت بڑھی ہوئی تھی۔ اور وہ ہر محاذ پر پیش قدمی کر رہے تھے۔

تحریک عدم تعاون ختم ہوجانے سے ترک موالات کی کلی کھلنے سے پہلے ہی مرجھا گئی۔

گاندھی جی کی گرفتاری

تحریک عدم تعاون کے ختم ہو جانے کے بعد حکومت نے مہینوں کی دوڑ دھوپ اور پریشانی سے نجات پائی۔ اور اب اسے پہلے پہل موقع ملا کہ پیش قدمی کرے۔ چنانچہ چند ہفتہ کے اندر اندر گاندھی جی کو گرفتار کر کے طویل مدت کے لئے انہیں جیل خانے بھیجدیا۔

ایک راز کی بات

تحریک عدم تعاون کو ختم کرنیکی وجہ گو چورا چوری کا واقعہ بتایا گیا تھا۔ لیکن سول نافرمانی کا التوا محض اس ایک واقعہ سے نہیں ہوا بلکہ اسباب کا ایک

سلسلہ تھا جس کی یہ آخری کڑی تھی۔ گاندھی جی کو اس بات کا خوب ملکہ ہے کہ عوام کا رجحان اس وقت کیا ہے۔ وہ کیا کر رہے ہیں اور کیا کر سکتے ہیں۔ اسی احساس سے متاثر ہو کر وہ اپنے طرز عمل کو بدلتے ہیں اور بعد میں اپنے رفقا کی حیرت اور خفگی کے خیال سے اپنے فیصلے کو دلائل کے غلاف میں لپیٹ دیتے ہیں۔

سول نافرمانی کے التوا کے وقت یہ تحریک ظاہری قوت اور عام جوش و خروش کے باوجود انتشار کی حالت میں تھی۔ تنظیم ختم ہو چکی تھی۔ اور چوٹی کے تمام قومی کارکن جیل میں تھے۔ اور عوام کو اتنی تربیت نہیں ملی تھی کہ خود سلیقہ سے کام جاری رکھ سکیں۔ ہر کس و ناکس جو چاہتا۔ کانگریس پر قابض ہو سکتا تھا۔ بلکہ بہت سے نااہل اور سرکاری نمک خوار صف اول میں آکھڑے ہوئے تھے۔ وہ مقامی کانگریس اور خلافت کمیٹیوں پر قابض بھی ہو گئے تھے۔ اور انہیں روکنے کی کوئی صورت نہ تھی اس لیے اسمیں شک کی گنجائش نہیں کہ اگر تحریک جاری رہتی تو بہت جگہ تشدد کے انفرادی واقعات ظہور میں آتے۔ اور حکومت یقیناً نہایت خونخوار طریقہ سے انہیں کچلتی اور خوف و دہشت کا وہ دور دورہ ہوتا جس سے عوام کی ہمتیں پست ہو جاتیں اور دوبارہ ابھرنے کی سکت باقی نہ رہتی۔

ہندو مسلم کشیدگی

جواہر لال نہرو کا خیال ہے کہ سول نافرمانی کو ملتوی کرنے کا فیصلہ صحیح بھی ہو۔ تو اس میں شک نہیں کہ التوا کا انداز بہت نامناسب تھا اور اس سے عوام کی اخلاقی حالت پر بہت برا اثر پڑا۔

مختلف جماعتوں کے فرقہ پرست جو سول نافرمانی کی غیر معمولی مقبولیت کے سبب منہ چھپائے بیٹھے تھے۔ اپنے اپنے گوشوں سے نکل آئے۔ علاوہ ازیں ان

لوگوں نے بھی جو فساد کرا کے افسروں کو خوش کرنا چاہتے تھے۔ یہی انداز اختیار کیا۔ موپلوں کی شورش انتہائی بے رحمی سے دبائی گئی تھی۔ اس وحشیانہ ظلم کا تصور ہی رونگٹے کھڑے کر دیتا ہے۔ موپلا قیدیوں کو ریل کے ڈبوں میں ٹھونس دیا گیا اور وہ گرمی میں تڑپ تڑپ کر مر گئے۔ ان واقعات نے بھی فرقہ وارانہ منافرت کی آگ بھڑکانے والوں کو فائدہ پہنچایا۔

جیل سے واپسی

جواہرلال نہرو کو سزا کی میعاد ختم ہونے سے تین مہینے پہلے یکایک رہا کر دیا گیا اور انہیں بتلایا گیا کہ کسی نظر ثانی کرنے والی عدالت نے ان کے مقدمے پر غور کیا اور وہ اس نتیجے پر پہنچی کہ انہیں غلط سزا دی گئی ہے اس لئے رہا کیا جاتا ہے۔

سول نافرمانی کے التوا نے نظر ثانی کرنیوالے ججوں کو بغیر کسی کی پیروی یا نظر ثانی کی درخواست کے نیند سے چونکا دیا تھا۔

تحریک عدم تعاون کا یکایک ملتوی ہو جانا تقریباً نمایاں لیڈروں کو ناگوار تھا۔ اس لئے جواہرلال نہرو رہا ہوتے ہی گاندھی جی سے ملنے فوراً احمد آباد گئے۔ لیکن گاندھی جی ان کے پہنچنے سے پہلے ہی گرفتار کر لئے گئے تھے۔ اس لئے سابرمتی جیل میں ملاقات ہوئی۔

جواہرلال نہرو گاندھی جی کی پیشی کے وقت عدالت میں موجود تھے۔ یہ بڑا یادگار موقع تھا اور جن لوگوں نے اسے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے وہ اسے کبھی نہیں بھول سکتے۔ جج ایک انگریز تھا۔ اور اس نے بہت وقار اور متانت سے کام لیا۔ اور نہایت ہمدردی برتی۔ گاندھی جی نے عدالت میں جو بیان دیا اسے سنکر لوگوں کے دل ہل گئے۔ چنانچہ جب جواہرلال نہرو عدالت سے باہر آئے تو ان کے

جذبات میں ایک تلاطم برپا تھا۔

بدیسی کپڑے پر پکیٹنگ

سول نافرمانی کے التوا کے باوجود بدیشی کپڑے کا بائیکاٹ بحال رکھا گیا تھا۔ الٰہ آباد میں تقریباً تاجروں نے قسم کھائی تھی۔ کہ بدیشی کپڑا نہیں منگائیں گے۔ اور اس فیصلے کو عملی جامہ پہنانے کیلئے انہوں نے ایک انجمن بنالی تھی۔ جس کی ایک دفعہ یہ بھی تھی کہ جو تاجر اس عہد کو توڑیگا۔ اسپر جرمانہ کیا جائیگا۔

احمد آباد سے واپس آنے کے بعد جواہرلال نہرو کو معلوم ہوا۔ کہ بہت سے بڑے بڑے تاجروں نے اپنا عہد توڑ دیا ہے اور وہ بدیشی کپڑا منگا رہے ہیں۔ یہ ان تاجروں کے ساتھ بڑی بے انصافی تھی جو اپنے عہد پر قایم تھے۔ جواہرلال نہرو نے اس سلسلہ میں بہت کوشش کی۔ لیکن تاجروں نے ایک نہیں سنی انجمن بھی بالکل بے بس تھی اور عہد شکن تاجروں پر اثر ڈالنے سے قاصر تھی۔ چنانچہ طے یہ کیا گیا کہ عہد شکن تاجروں کی دوکانوں پر پکیٹنگ کیا جائے۔ اس خیال کا اظہار کرنا تھا۔ کہ وعدہ خلاف تاجر سیدھے ہوگئے۔ انہوں نے فوراً جرمانے ادا کر دیئے اور نئے سرے سے قسمیں کھائیں۔ اس سلسلہ میں جرمانے کی جو رقمیں وصول ہوئیں۔ وہ اسی انجمن کو دیدی گئیں۔

پھر وہی جیل

جواہرلال نہرو کو دو تین دن بعد ہی ان چند ہمراہیوں سمیت جو تاجروں پر زور ڈالنے میں شریک تھے۔ پھر گرفتار کر لیا گیا۔ ان پر یہ الزام لگایا گیا تھا کہ انہوں نے تاجروں پر مجرمانہ تشدد کیا اور بہ جبر ان سے روپیہ وصول کیا علاوہ ازیں جواہرلال نہرو پر اور بھی کئی الزامات عاید کئے گئے تھے جنمیں ایک جرم بغاوت بھی تھا

جواہرلال نہرو نے اس مرتبہ بھی مقدمہ کی کوئی پیروی نہیں کی۔ لیکن عدالت میں ایک طویل بیان داخل کیا۔ بغاوت کا مقدمہ ان پر نہیں چلایا گیا لیکن اسکے علاوہ تین جرموں میں انہیں پونے دو برس کی سزا دی گئی اور وہ تقریباً ڈیڑھ مہینے باہر رہ کر پھر جیل پہنچ گئے۔

چھ سات ہفتہ بعد جب دوبارہ جواہرلال نہرو جیل خانے گئے تو انہیں وہاں کی دنیا ہی بدلی ہوئی دکھائی دی۔ انکے والد کو نینی تال جیل میں منتقل کر دیا گیا تھا۔ اور انکو منتقل کرنے کے بعد فوراً ہی نئے نئے قوانین نافذ کر دیئے گئے تھے وہ تمام قیدی جو پہلے جواہرلال نہرو کیساتھ پارچہ بافی کے کارخانہ میں رہا کرتے تھے اب جیل کے اندرونی حصوں میں منتقل کر دیئے گئے تھے۔ وہاں کی بارکوں میں علیحدہ علیحدہ کمرے نہ تھے۔ بلکہ بڑے بڑے ہال تھے۔ اور اب کہیں آمدورفت کی اجازت نہ تھی۔ مہینہ بھر میں صرف ایکبار عزیزوں سے ملاقات ہو سکتی تھی اور صرف ایک خط آ جا سکتا تھا کھانا بھی پہلے کی نسبت ادنیٰ ملتا تھا لیکن اسکی اجازت تھی کہ اپنا کھانا گھر سے منگا لیا جائے جس بارک میں جواہرلال نہرو کو رکھا گیا۔ اسمیں تقریباً پچاس آدمی رہتے تھے جگہ کی تنگی کے سبب ایک اچھا خاصا مجمع ہو گیا تھا۔ ان کے بستر ایک دوسرے سے تین چار فٹ کے فاصلہ پر تھے۔ انکو رات میں کسیوقت تخلیہ میسر نہ آتا تھا۔ اور اس بے رس اور بے کیف زندگی سے اکتا کر جواہرلال نہرو تنہائی کیلئے تڑپا کرتے تھے تنہائی حاصل کرنے کیلئے بارک سے نکلکر وہ اکثر صحن میں بیٹھ جایا کرتے تھے اور تخلیہ کے لئے دھوپ کی گرمی برداشت کیا کرتے تھے۔ پھر برسات شروع ہوئی تو ہلکی ہلکی پھواریں بھی وہیں پڑے رہنے کو غنیمت سمجھتے تھے

اس سے پہلے انہوں نے پہاڑوں کی چوٹیوں اور سمندر کے کناروں سے سورج کے طلوع اور غروب ہونے کے نظارے اکثر دیکھے تھے۔ اور دقتی طور پر اسکی

عظمت و جلال سے متاثر بھی ہوئے تھے۔ لیکن عموماً ان چیزوں کو معمولی سمجھکر نظر انداز کر دیا کرتے تھے۔ مگر اب جیل میں سورج کے طلوع اور غروب کا منظر دیکھنے کو آنکھیں ترستی تھیں۔ افق انکی نظروں سے علیحدہ تھا۔ بہت دن چڑھے جب سورج کی تمازت بڑھ جاتی تھی تب انکی شعاعیں قید خانے کی دیواروں پر نمودار ہوا کرتی تھی۔ نظر فریب۔ رنگ کہیں دکھائی نہ دیتے تھے۔ آنکھیں متواتر مٹیلے رنگ کی دیواروں کو دیکھ دیکھکر پتھرا گئی تھیں۔ وہ دھوپ چھاؤں اور خوبصورت رنگوں کی متلاشی تھیں۔ اس لئے جب برسات میں رنگ برنگ کے بادل طرح طرح کے روپ بدلتے تو وہ حیرت اور مسرت سے انھیں دیکھا کرتے تھے۔

رفتہ رفتہ پابندیاں اور بڑھا دی گئیں اور زیادہ سخت قوانین نافذ کر دیئے گئے۔ بالآخر مجبور ہو کر جواہر لال نہرو اور دوسرے قومی کارکنوں نے جن کی تعداد اس وقت لکھنؤ جیل میں کئی سو کے قریب تھی۔ بطور احتجاج عزیز و اقارب سے ملاقات بند کر دی افسروں نے سات آدمیوں کو اس فساد کی اصلی جڑ سمجھکر بارکوں سے دور جیل کے ایک بالکل علیحدہ حصہ میں بھیجدیا۔ وہ سات آدمی یہ تھے۔

جواہر لال نہرو۔ پرشوتم داس ٹنڈن۔ مہادیو ڈیسائی۔ جارج جوزف۔ بال کرشن شرما۔ دیوداس گاندھی۔ اور ایک کوئی اور قومی کارکن۔

جیل کے اس حصہ میں گو تکلیفیں ضرور تھیں۔ لیکن یہاں آنے کے بعد جیل کے دوسرے ساتھیوں سے تعلق منقطع ہو گیا تھا۔ اور اب چونکہ سیاسی قیدیوں کو اخبار ملنا بھی بند ہو گیا تھا۔ اسلئے باہر کی کوئی خبر بھی نہیں ملتی تھی۔ لیکن اسکے باوجود جواہر لال نہرو کو یہاں آنیسے مسرت تھی۔ کیونکہ انہیں یہاں کچھ نہ کچھ سکون اور تخلیہ میسر تھا گو سیاسی قیدیوں کو اخبار ملنا بند ہو گیا تھا۔ لیکن ہر مہینے جو ملاقاتیں ہو تی تھیں یا جو خطوط آتے تھے۔ انسے کچھ نہ کچھ حالات معلوم ہو جایا کرتے تھے۔ اور اندازہ یہ تھا

کہ اب تحریک کا زور گھٹ رہا ہے۔ وقتی جوش کا طلسم ٹوٹ چکا تھا اور منزل مقصود دور ہٹتی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ گاندھی جی جیل میں تھے اور کانگریس کے دو ٹکڑے ہو چکے تھے۔ ایک فریق کی رہنمائی پنڈت موتی لال نہرو اور دیش بندھو داس کر رہے تھے۔ انکی رائے تھی کہ طریق کار میں تبدیلی کی ضرورت ہے۔ انکی خواہش تھی کہ اسمبلی اور کونسلوں کے نئے انتخاب میں کانگریس بھی حصہ لے اور ممکن ہو تو انپر قبضہ کر لے۔

دوسری جماعت کی رہنمائی راج گوپال آچاریہ کر رہے تھے۔ یہ جماعت ترک موالات کے اصل پروگرام میں کوئی ترمیم گوارا کرنے کو تیار نہ تھی۔ ان افسوسناک خبروں سے جیلخانہ میں مقید کارکنوں میں بے دلی پھیل گئی مگر پھر بھی انہیں یہ اطمینان تھا کہ انہوں نے اپنی خودداری اور وقار کو ٹھیس نہیں لگنے دی اور راہ راست سے نہیں بھٹکے

جیل خانے میں جواہر لال نہرو اور انکے چھ ساتھی معمولی کاموں اور ورزشوں سے دل بہلاتے تھے۔ اور ورزشوں کی صورت یہ تھی کہ اپنے چھوٹے سے احاطہ میں چاروں طرف دوڑیں لگاتے تھے اور اپنے صحن کے کنویں سے دو دو آدمی بیلوں کی طرح جُت کر چرس سے پانی کھینچتے تھے اور ترکاریوں کے کھیت کو جو انکے صحن میں تھا پانی دیا کرتے تھے۔ انمیں سے اکثر سوت بھی کاتا کرتے تھے۔ لیکن سردی کے موسم میں دن رات جواہر لال نہرو کتب بینی میں گذارا کرتے تھے۔

جاڑے کی راتیں بہت لمبی ہوتی ہیں۔ اور مطلع بہت صاف ہوتا ہے اس موسم میں رات کے وقت یہ لوگ تارے دیکھا کرتے تھے اور یہ شوق اسقدر بڑھا کہ بعض نقشوں کی مدد سے انہوں نے بہت سے ستاروں کو شناخت کر لیا۔ پھر تو ہر رات انکو وہ انکے نکلنے کا انتظار کیا کرتے۔ اور جب تارے نکلتے تو انہیں بڑی مسرت ہوا کرتی تھی۔

اخلاقی قیدیوں کی جیل کی زندگی بڑی حسرت انگیز تھی۔ گویا تشدد، لوٹ مار

اور بداخلاقیوں کی ایک دردناک داستان تھی ۔کھانا بھی انہیں بیحد خراب ملتا تھا۔ جواہرلال نہرو نے یہ کھانا کئی مرتبہ منگاکر کھانیکی کوشش کی اور آخر وہ اس نتیجہ پر پہنچے ۔کہ یہ کسیطرح انسانوں کے کھانے کے لائق نہیں ہے ۔

جیل کی انتظامی پالیسی کو قیدیوں کی اصلاح کرنے یا انکو نیکی کی تلقین کرنے یا کارآمد پیشے سکھانیسے کوئی تعلق نہ تھا بلکہ جیل میں محض قیدیوں کو ستانے کے خیال سے مشقت لی جاتی تھی۔

سیاسی قیدیوں کو بھی جیل کے ضابطوں کی ذراسی خلاف ورزی پر سخت سے سخت سزائیں دی جاتی تھیں۔ایک مرتبہ ایک معمولی لغزش پر ایک پندرہ سولہ برس کے لڑکے کو جو اپنے آپ کو آزاد کہتا تھا۔کوڑے لگانیکی سزا دی گئی جب اسے ننگا کرکے ٹکٹکی سے باندھا گیا اور کوڑے پڑنا شروع ہوئے تو ہر کوڑے پر "مہاتما کی جے" کا نعرہ لگاتا تھا۔ ہربار جب کوڑا اسکی کھال میں پیوست ہوکر نکلتا تھا اور خون کا فوارہ چھوٹتا تھا۔تو اسکی زبان سے یہی نعرہ نکلتا تھا۔یہانتک کہ وہ بیہوش ہوکر گر پڑا۔بعد میں یہی لڑکا شمالی ہند کے تخویف پسندوں کا سرگروہ بن گیا

ایک بہت دلچسپ خواہش

جیلخانے میں انسان اکثر چیزوں کی کمی محسوس کرتاہے اور بعض چیزوں کیلئے تڑپا کرتاہے۔ جواہرلال نہرو عورتوں کی ملایم آواز اور بچوں کی معصوم ہنسی کو ترستے تھے وہاں عموماً لوگوں کا لہجہ درشت اور تحکمانہ تھا اور زبان بھی بیحد وحشیانہ جس میں گالیوں کی بھی بھرمار تھی۔اور ایک مرتبہ تو انہیں ایک بے حد عجیب خواہش کا احساس ہوا۔اور یکایک خیال آیا کہ سات آٹھ مہینہ سے کتے کے بھونکنے کی آواز نہیں سنی۔

غیر متوقع رہائی

جنوری سنہ ۱۹۲۲ء میں لکھنؤ جیل کے سارے سیاسی قیدی رہا کر دیئے گئے۔ اس اچانک رہائی پر لوگونکو بڑی حیرت ہوئی۔ کیونکہ عام معافی کے حکم کا کوئی تذکرہ سننے میں نہیں آیا تھا۔ البتہ اس سے پہلے صوبہ متحدہ نے ایک قرارداد ضرور منظور کی تھی کہ تمام سیاسی قیدیوں کو رہا کر دیا جائے۔ لیکن سب جانتے تھے کہ حکومت ایسی مطالبوں کی پرواہ کب کرتی تھی۔ لیکن چونکہ کانگریس اسوقت حکومت کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کر رہی تھی۔ بلکہ کانگریسی خود آپسمیں دست وگریباں تھے۔ اس کے علاوہ اکثر مشہور لیڈر اپنی قید کی پوری میعاد کے بعد جیل سے چھوٹ چکے تھے۔ اس لئے حکومت نے اس موقعہ کو غنیمت سمجھا۔ اور تمام سیاسی قیدیونکو رہا کر دیا۔

داخلہ کونسل کا مسئلہ

جواہرلال نہرو خود داخلہ کونسل کے قطعاً خلاف تھے۔ انکا خیال تھا کہ اسطرح ہم خواہ مخواہ سمجھوتوں پر اتر آئیں گے اور ہمارا اصل مقصد آہستہ آہستہ فوت ہو جائیگا۔ لیکن اسکے ساتھ ہی وہ یہ بھی جانتے تھے کہ داخلہ کونسل کے بعد ہمارے کارکنونکو تمام لوگوں سے میل جول کا موقع ملیگا انکے والد نے سنہ ۱۹۲۰ء میں جو کونسلونکا بائیکاٹ منظور کر لیا تھا۔ اسکی وجہ محض یہ تھی کہ وہ اپنے آپ کو گاندھی جی کی رائے کا تابع کر دینا چاہتے تھے۔ اب وہ اور مسٹر سی۔ آر داس داخلہ کونسل کے حامی تھے لیکن اس سے انکا مقصد تعاون یا تعمیر نہ تھا۔ بلکہ وہ اس طرح حکومت کے راستہ میں روڑے اٹکانا چاہتے تھے آئرلینڈ کی جماعت کی مثال ان کے سامنے تھی جس نے دار العوام کی نشستوں پر قبضہ کر کے وہاں جانیسے انکار کر دیا تھا۔

الہ آباد میونسپلٹی کی صدارت

جیل سے رہا ہونے کے بعد جواہرلال نہرو نے داخلہ کونسل کے حامیوں اور مخالفوں میں سمجھوتہ کرانیکی کوشش کی لیکن جب کوئی کامیابی نہ ہوئی تو وہ یوپی کانگریس کمیٹی کے سکریٹری کی حیثیت سے وہ کانگریس کی تنظیم میں مصروف ہوگئے۔

اسی سال اتفاق سے ملک کی اکثر میونسپلٹیوں میں کانگریسی کارکن صدر منتخب کئے گئے۔ مسٹر سی۔ آر داس کلکتہ کارپوریشن کے پہلے میر منتخب ہوئے۔ مسٹر وٹھل بھائی پٹیل بمبئی کارپوریشن کے صدر ہوئے۔ اور سردار ولبھ بھائی پٹیل احمد آباد میونسپلٹی کی صدارت کیلئے منتخب کئے گئے۔ اسیطرح یوپی۔ میں بھی اکثر کانگریسی کارکنوں کا صدارت کیلئے انتخاب کیا گیا۔

چنانچہ رہائی کے چند ہفتہ بعد ہی جواہرلال نہرو کو الہ آباد میونسپلٹی کا صدر بنا دیا گیا۔ یہ انتخاب بالکل غیر متوقع تھا کیونکہ اس انتخاب سے ۴۵ منٹ پہلے تک نہ انکا نام پیش ہوا تھا اور نہ انہیں اسکا علم تھا۔ بلکہ شاید کسیکو خیال بھی نہ تھا بالکل آخر میں کانگریس پارٹی نے اندازہ لگایا کہ کانگریسیوں میں بھی صرف جواہرلال نہرو ہی کو کامیابی ہو سکتی ہے۔ چنانچہ انہوں نے جواہرلال نہرو کا نام پیش کر دیا اور وہ منتخب ہو گئے۔ جواہرلال نہرو کی ہردلعزیزی کا یہ بین ثبوت ہے۔

پندرہ گھنٹے روزانہ کام

میونسپلٹی کا صدر منتخب ہو جانے کے بعد جواہرلال نہرو کو بلدی کاموں سے بہت دلچسپی ہو گئی۔ وہ روز بروز اسمیں زیادہ وقت دینے لگے۔ انکی تمنا تھی کہ شہر کے انتظامات میں اصلاحیں کریں۔ لیکن انہیں اندازہ ہوا کہ ہندوستانی میونسپلٹیوں کا

نظام ہی کچھ ایسا رکھا گیا ہے کہ اولوالعزمی دکھانے اور بڑی اصلاحیں کرنیکی گنجائش ہی نہیں ہے پھر بھی کچھ نہ کچھ کام کرنیکا موقع تھا۔ اتنا ہو سکتا تھا۔ کہ اس مشین کے پرزوں کی صفائی کر دی جائے تاکہ اسکی رفتار تیز ہو سکے۔ اسی خیال سے انہوں نے بڑی محنت کی۔ اتفاق سے اسی دوران میں کانگریس کی مصروفیتیں بھی بڑھ نے لگیں۔ اب وہ صوبہ کانگریس کمیٹی کے سکرٹری کے علاوہ آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے سکرٹری بھی بنا دیئے گئے تھے۔ ان تمام فرائض کی ادائیگی میں انہیں روزانہ پندرہ پندرہ گھنٹہ کام کرنا پڑتا تھا اور جب رات گئے کام ختم ہوتا تو وہ تھک کر چور ہو جاتے تھے۔

معاشرت میں تبدیلی

۱۹۲۰ء کے بعد سے نہرو خاندان کی معاشرت میں بہت کچھ تبدیلی ہو گئی تھی۔ اب وہ بہت سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔ ملازموں کی تعداد کم کر دی گئی تھی فضولیات کو ترک کرنے کے خیال سے اور کچھ روزمرہ کے اخراجات پورا کرنے کے سبب وقتاً فوقتاً بہت سی چیزیں فروخت ہوتی رہیں۔ اسمیں گھوڑے گاڑیاں اور بہت سا سامان شامل تھا جو انکی موجودہ زندگی سے میل نہ کھاتا تھا۔ کچھ فرنیچر پولس اٹھا کر لے گئی۔ اور اس نے بیچ ڈالا۔ فرنیچر اور نوکروں کی قلت سے گھر میں آرائش اور صفائی باقی نہ رہی تھی اور مالیوں کے نہونے سے سارا باغ اجڑ گیا تھا۔

جان ہار کملا

قومی خدمت کے سبب جواہر لال نہرو کا وقت گھر پر بہت کم گزرتا تھا لیکن پریشانی اور مصیبت کے وقت سارا خاندان ہمیشہ انکو دلاسا دیتا اور انکی مدد کرتا تھا خصوصاً انکی بیوی کملا دیوی کا سلوک بہت زیادہ قابل قدر رہا۔ انہوں نے ابھی

خود داری اور زود حسی کے باوجود اپنے خاوند کے لاابالی پن کو برداشت کیا۔ اور ہر موقع پر ان کی دلدہی اور غمگساری کی۔

روزی کی فکر

پنڈت موتی لال نہرو اخراجات کے سلسلہ میں کافی فراغ دل تھے۔ اس لئے اب تھوڑی بہت آمدنی کی بھی ضرورت تھی۔ چنانچہ انھوں نے فرصت کے اوقات میں مقدمات میں مشورہ دینے کا کام شروع کر دیا۔ ان مشوروں کے لئے انہیں بہت کم وقت ملتا تھا۔ لیکن اسکے باوجود انہوں نے اچھا خاصا روپیہ کما لیا۔

جواہر لال نہرو کے لئے یہ خیال سوہانِ روح تھا۔ کہ میرا سارا خرچ والد پر ہے جب سے انھوں نے وکالت ترک کی تھی۔ صرف چند حصّوں کا منافع ضرور آتا تھا اسکے علاوہ کوئی آمدنی نہ تھی۔ لیکن وہ جانتے تھے کہ ان کا اور انکی بیوی کا خرچ بہت ہی کم ہے۔ اور انہیں یقین تھا کہ وقت ضرورت وہ کافی روپیہ پیدا کر سکتے ہیں۔ اسلئے روپے کی کمی انکے لئے کبھی پریشانی کا باعث نہیں ہوئی۔ لیکن والد کا دست نگر رہنا اور سارا بوجھ ان پر ڈالنا بھی اچھا نہ معلوم ہوتا تھا۔ اس لئے متواتر تین سال تک اس مسئلہ پر غور کرتے رہئے۔ لیکن کوئی ایسی صورت نہیں نکلی جو باعثِ اطمینان ہوتی۔ آمدنی کا ذریعہ نکال لینا کچھ بھی مشکل نہ تھا۔ مگر اسطرح یا تو قومی کاموں کو بالکل ترک کر دینا پڑتا۔ یا کم از کم اسمیں بڑی حد تک کمی ہو جاتی۔ محض روپیہ پیدا کرنیکے لئے قومی کاموں کو ترک کر دینا انہیں کسیطرح بھی منظور نہ تھا۔

انہوں نے بڑے بڑے صنعتی اداروں کی پیش کشوں کو بھی ٹھکرا دیا۔ جو مالی لحاظ سے نہایت پر منافع تھیں۔ ان کا خیال تھا کہ وہ اتنی بڑی رقمیں انکی اہلیت کی بنا پر نہیں دے رہے۔ بلکہ شاید اسوجہ سے دے رہے ہیں کہ ان کی شہرت

سے ناجائز فائدہ اٹھائیں۔ اور ایسی صورت میں وہ کسی صنعت سے متعلق ہونا نہیں چاہتے تھے۔ ہو سکتا تھا کہ وکالت دوبارہ شروع کر دی جائے۔ لیکن اس سے انہیں نفرت تھی اور یہ نفرت روز بروز بڑھتی گئی۔

سنہ ۱۹۲۴ء کانگریس میں یہ تجویز پیش کی گئی کہ جنرل سکریٹریوں کو تنخواہ دی جایا کرے۔ اس وقت جواہرلال نہرو بھی ایک سکریٹری تھے۔ اور وہ اس تجویز کو پسند کرتے تھے۔ کیونکہ ان کے نزدیک یہ طریقہ بالکل غلط تھا کہ جو شخص دن رات کام کرے اسے گزارے کے لائق بھی تنخواہ نہ دی جائے۔ اور وہ جانتے تھے کہ ایسی صورت میں کانگریس کو لامحالہ ایسے آدمی تلاش کرنے پڑیں گے جو گھر کے رئیس ہوں۔ اور رئیسوں سے کسی قسم کی خدمات کی توقع رکھی جائے۔ یہ امید موہوم تھی۔ اگر تنخواہ دینے کی تجویز منظور بھی ہو جائے تو وہ جانتے تھے۔ کہ کانگریس پر کچھ زیادہ بوجھ نہ پڑے گا کیونکہ قومی کارکن بہت ہی کم گذارہ لیتے تھے۔ لیکن وہ جانتے تھے کہ عام ہندوستانیوں کی ذہنیت یہ ہے کہ قومی سرمائے میں سے تنخواہ نہ لی جائے بہرکیف انکے والد نے اس امر سے سخت اختلاف کیا کہ وہ کوئی تنخواہ قبول کریں۔

دوسرے جنرل سکریٹری نے بھی کانگریس سے تنخواہ لینا خلاف شان سمجھا لیکن جواہرلال نہرو کو تنخواہ لینے میں کوئی عذر نہ تھا۔ بلکہ وہ اسکے لئے بالکل تیار تھے تاہم والد کے خیالات کے سبب انہیں تنخواہ سے دست بردار ہونا پڑا۔

کانگریس میں تیسری پارٹی

جواہرلال نہرو کی مالی مشکلات سنہ ۱۹۲۳ء کے آغاز سے سنہ ۱۹۲۵ء تک جاری رہیں اور اس دوران میں سیاسی حالات میں بھی تبدیلیاں ہوتی رہیں۔ جواہرلال نہرو کو ان کی اپنی مرضی کے خلاف آل انڈیا کانگریس کمیٹی نے بہت سے عہدہ سپرد کر دیئے

گئے اور مختلف ذمہ داریاں انہیں دی گئیں۔

سنہ ۱۹۲۳ء میں کانگریس کی سیاست اپنی نوعیت کے لحاظ سے کچھ انوکھی تھی مسٹر سی آر داس گیا کانگریس کے گذشتہ اجلاس کے صدر منتخب ہوئے تھے۔ اسلئے وہ سنہ ۱۹۲۳ء میں آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے بھی صدر تھے۔ لیکن کمیٹی کی اکثریت خود انکے اور ان کی سوراجی پالیسی کے خلاف تھی اکثریت اور اقلیت میں کچھ یونہیں سا فرق تھا چنانچہ سنہ ۱۹۲۳ء کے موسم گرما کے شروع میں جب بمبئی آل انڈیا کانگریس کا اجلاس ہوا۔ تو یہ کشمکش حد سے گذر گئی۔ اور مسٹر داس نے استعفیٰ دیدیا۔ اسکے بعد مذکورہ بالا دونوں جماعتوں کے علاوہ ایک اور تیسری پارٹی بنی۔ یہ ایک چھوٹی سی جماعت تھی۔ اس لئے ایک نئی ورکنگ کمیٹی ترتیب دی گئی۔ لیکن یہ جماعت آل انڈیا کانگریس کمیٹی میں کوئی تائید حاصل نہ کر سکی۔ اسکا وجود قائم رہنے کیلئے پہلی دونوں جماعتوں میں سے کسی ایک کی حمایت نہایت ضروری تھی۔ اور یہ کسی ایک جماعت سے مل کر دوسری جماعت کو شکست دے سکتی تھی۔ ڈاکٹر انصاری اس کے صدر تھے اور جواہرلال نہرو اور دو دیگر حضرات اسکے سکرٹری تھے۔

لیکن اس چھوٹی سی جماعت کو کسی ایک پارٹی کی بھی حمایت حاصل نہو سکی اور اسے بہت جلد مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ گجرات تبدیلی کے مخالفوں کا مرکز تھا چنانچہ اس صوبہ نے صدر دفتر کے احکام کی تعمیل سے صاف انکار کر دیا۔

اسی سال موسم گرما کے اختتام پر آل انڈیا کانگریس کمیٹی کا ایک دوسرا جلسہ ناگپور میں ہوا۔ جہاں اسوقت قومی جھنڈے کے معاملے میں ستیاگرہ ہو رہا تھا۔ اس چھوٹی سی تیسری جماعت نے گجرات کی حکم عدولی پر مزمت کی قرارداد پیش کی اور چونکہ اسمیں کامیابی نہوئی اسلئے اسے استعفیٰ دینا پڑا جواہرلال نہرو کو استعفیٰ منظور ہونے پر بڑی مسرت حاصل ہوئی کیونکہ کسی گروہ کی نمائندہ نہ تھی۔ اس پارٹی بازی سے کے

دوران میں انہیں یہ دیکھکر بڑا صدمہ ہوا کہ بڑے بڑے کانگریسی بھی ماننشیں کرنے سے نہیں چوکتے

نابھ اور پٹیالہ کی چپقلش

۱۹۲۳ء کے موسم خزاں میں کانگریس کا ایک خاص اجلاس دہلی میں منعقد ہوا جواہرلال نہرو نے اس اجلاس میں شرکت کی۔

اس زمانہ میں پنجاب کی دو مشہور سکھ ریاستوں یعنی پٹیالہ اور نابھ کے رئیسوں میں سخت اَن بن تھی اسکا نتیجہ یہ نکلا کہ حکومت ہند نے مہاراجہ نابھ کو گدی سے اتار دیا۔ اس معزولی سے تمام سکھوں میں سخت بےچینی پھیل گئی۔ انہوں نے ریاست میں اور ریاست کے باہر اسکے خلاف سخت عملی احتجاج کیے اس احتجاج کے دوران میں ریاست کے نئے منتظم نے جیتو میں ایک مذہبی تقریب روک دی اس حکم کے خلاف اظہار ناراضگی کرنے اور ممنوعہ تقریب منانے کیلئے سکھوں نے جیتو میں جتھے بھیجنے شروع کیے۔ پولس ان جتھوں کو روک کر پہلے خوب پیٹتی۔ پھر گرفتار کرکے دور جنگل میں لیجا کر چھوڑ دیتی تھی۔

جیتو کا واقعہ

جواہرلال نہرو جب کانگریس کے اجلاس سے فارغ ہوئے تو انہیں دعوت دی گئی کہ موقعہ پر پہنچکر وہ حالات کا معائنہ کریں۔

جواہرلال نہرو اپنے کانگریسی رفیق مسٹر اے ٹی گڈوانی اور مدراس کے مسٹر کے سنتانم کے ہمراہ روانہ ہوئے۔ ایک جتھہ دور کسی مقام سے پیدل چلکر وہاں پہنچنے والا تھا۔ انتظام یہ کیا گیا کہ یہ رہنما قریبی اسٹیشن پر اتر جائیں۔ پھر سڑک کی راہ سے اس وقت جیتو پہنچ جائیں۔ جب جتھا وہاں پہنچنے والا ہو۔

تینوں حضرات صحیح وقت پر وہاں پہنچ گئے اور جیتھے سے کچھ فاصلہ پر لسکے پیچھے پیچھے بیل گاڑی میں روانہ ہوئے۔ جیتو پہنچنے پر پولس نے جتھہ کو روکا اور فوراً ہی تینوں رہنماؤں پر ایک حکمنامہ کی تعمیل کی جسکی رو سے انہیں حکم دیا گیا تھا کہ نابھہ کی حدود میں ہرگز نہ داخل ہو اور اگر داخل ہو چکے ہو تو فوراً واپس چلے جاؤ۔ تینوں حضرات کو ایک ہی مضمون کے تین حکمنامہ علیحدہ علیحدہ دیئے گئے لیکن چونکہ نابھہ کے حاکم مسٹر گڈوانی اور مسٹر سنتانم کے ناموں سے ناواقف تھے اسلئے ان پر انکے نام درج نہیں تھے۔ ان تینوں حضرات نے پولس آفیسر سے کہا کہ ہم جتھہ میں شامل نہیں ہیں۔ بلکہ محض تماشائی کی حیثیت سے یہاں آئے ہیں اور ہمارا یہ ارادہ نہیں ہے کہ ریاست کے قوانین کی خلاف ورزی کریں۔ اور چونکہ ہم نابھہ کے حدود میں داخل ہو چکے ہیں۔ اسلئے داخل نہونیکا تو کوئی سوال نہیں ہے۔ البتہ جیتو سے پہلی ٹرین اب کئی گھنٹہ بعد جائے گی۔ اسوقت تک ہم یہیں ٹھیرینگے اور اگر فوری واپسی کے لئے زور دیا جائے تو ہم ہوا میں تو غائب ہونیسے رہے چنانچہ فوراً ہی تینوں حضرات کو گرفتار کر کے حوالات میں بند کر دیا گیا اور اسکے بعد جتھہ کے ساتھ وہی سلوک کیا گیا جو ہمیشہ ہوتا رہا تھا۔

عام سڑکوں پر پابہ زنجیر نہرو کا جلوس

سارے دن حوالات میں رکھنے کے بعد شام کو جواہر لال نہرو کی سیدھی کلائی میں اور سنتانم کے الٹی کلائی میں ایک ہی ہتھکڑی سے دونوں کو جکڑ کے ڈالکر پیدل اسٹیشن لیجایا گیا اس ہتھکڑی کی زنجیر پولس کا ایک سپاہی پکڑے آگے چل رہا تھا مسٹر گڈوانی کے بھی ہتھکڑی پڑی ہوئی تھی اور وہ انکے پیچھے پیچھے تھے۔ اسی شان سے ان لوگونکو جیتو کی عام سڑکوں سے گذارا گیا اور ریل میں بٹھا کر دوسرے دن دوپہر

کو نابھ جیل میں بند کر دیا گیا۔ یہ رات اور آدھا دن سخت تکلیف میں کٹا۔ ریل کا تیسرا درجہ جہاں ان لوگونکو بٹھایا گیا تھا کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ ریل بہت آہستہ آہستہ چلتی تھی۔ جواہر لال نہرو اور مسٹر سنتانم چونکہ ایک ہی ہتھکڑی میں بندھے ہوئے تھے۔ اس لئے یہ دونوں ایک دوسرے کی مدد کے بغیر اپنی جگہ سے حرکت نہیں کر سکتے تھے

بلیک ہول

نابھ جیل میں ان تینوں حضرات کو ایک نہایت ہی مکروہ اور گندی کوٹھری میں بند کر دیا گیا یہ بہت ہی مختصر اور نہایت مرطوب جگہ تھی۔ اور اس کوٹھری کی چھت اسقدر نیچی تھی کہ ہاتھ سے بآسانی چھوئی جا سکتی تھی رات کو زمین پر ہی سونا پڑا۔ اور بارہا ایسا ہوا کہ چوہے انکے منہ پر سے گذرے اور وہ سوتے سوتے یکایک خوف سے اچھل پڑے

ان پڑھ مجسٹریٹ

کئی دن کے بعد ان لوگوں کو عدالت میں پیش کیا گیا۔ مجسٹریٹ اور جج غالباً بالکل ان پڑھ تھے۔ انگریزی تو سرے سے وہ جانتے ہی نہ تھے۔ اور غالباً اردو بھی جو عدالتی زبان تھی سمجھنے سے معذور تھے۔ کئی ہفتہ تک ان تینوں حضرات کو ان کے سامنے پیش کیا گیا لیکن کبھی ایک حرف بھی انہوں نے نہیں لکھا جو کچھ لکھنا ہوتا پیشکار سے لکھوا لیتے تھے۔ ملزموں کی طرف سے کئی درخواستیں انکے سامنے پیش کی گئیں لیکن ان پر حکم لکھنے کی بجائے وہ درخواستیں رکھ لی جاتی تھیں۔ اور دوسرے دن کسی اور حاکم سے لکھوا لاتے تھے۔

قومی کارکن ترک موالات کے زمانے سے مقدموں میں پیروی نہ کرنے کے عادی ہو چکے تھے۔ اسلئے اس موقعہ پر بھی باضابطہ پیروی نہیں کی گئی۔ لیکن عدالت

میں ایک طویل بیان ضرور پیش کیا گیا جس میں تمام واقعات پر بخوبی روشنی ڈالی گئی تھی اور ریاست میں برطانوی حکام کے دورِ انتظام میں جو اندھیر مچا ہوا تھا اس پر زبردست تنقید تھی۔

گو یہ مقدمہ ایک معمولی مقدمہ تھا۔ لیکن عرصہ تک چلتا رہا اور اسی دوران میں سازش کا ایک نیا مقدمہ تیار کیا گیا اور اس مقدمہ میں ایک اور چوتھا شخص بھی جو سکھ تھا۔ اور جس سے یہ تینوں قومی رہنما بالکل ناواقف تھے۔ انکے ساتھ شامل کردیا گیا۔ اس مقدمہ کی قبل از وقت کوئی اطلاع نہیں دی گئی۔ بلکہ یکایک ایک روز شام کو اسکی کارروائی شروع کردی گئی۔ جب پیروی کیلئے کچھ انتظام کرنا چاہا تو عدالت کی جانب سے انہیں بتایا گیا کہ اگر وکیل کرنا ہے تو یہیں سے کسی وکیل کو کرلیا جائے نابھ کے قانون میں باہر سے وکیل بلانے کی اجازت نہیں ہے اس دوسرے مقدمہ کے دوران میں ریاست کے عجیب و غریب قواعد و ضوابط کا علم ہوا۔ بالآخر پریشان ہو کر ان حضرات نے کہدیا کہ جو آپکے جی میں آئے کیجئے۔ ہم مقدمہ میں کوئی حصہ لینگے

یہ دونوں مقدمے عرصہ مدید تک چلتے رہے۔ اسی دوران میں منتظم ریاست کیجانب سے سپرنٹنڈنٹ جیل جواہر لال نہرو کے پاس آئے اور کہا کہ اگر آپ معافی مانگ لیں اور نابھ سے فوراً چلے جائیں تو مقدمے بالکل ختم کردیئے جائیں گے جواہر لال نہرو نے جواب دیا۔ کہ ہمنے کوئی ایسی بات نہیں کی جو ہمیں معافی مانگنے کیضرورت ہو البتہ ریاست نے ہمارے ساتھ بدسلوکیاں کی ہیں۔ اسلئے اُسے معافی مانگنی چاہیئے

آخری ثبوت ختم ہو جانے کے بعد جب ملزمونکی طرف سے تحریری بیانات داخل کردیئے گئے۔ تو عدالت برخواست ہوئی۔ ملزمونکو یہ دیکھکر بیحد تعجب ہوا کہ کچھ ہی دیر بعد جج صاحب اردو میں لکھا ہوا ایک طویل فیصلہ لئے برآمد ہوئے کھلی ہوئی بات ہے کہ اتنا لمبا چوڑا فیصلہ اتنے قلیل وقفہ میں نہیں لکھا جاسکتا تھا۔

اس لئے صاف ظاہر ہے۔ کہ یہ فیصلہ ملزموں کے بیانات داخل کرنیسے قبل ہی تیار کرلیا گیا تھا۔ فیصلہ پڑھ کر سنانے کی تکلیف بھی گوارا نہیں کی گئی۔ بلکہ صرف اتنا بتادیا گیا کہ ریاست نابھ سے نکلجانے کے حکم کی خلاف ورزی کے جرم میں چھ چھ مہینے کی سزادی جاتی ہے۔ اسی روز سازش کے مقدمہ میں بھی جواہرلال نہرو کو ڈیڑھ یا دو برس کی سزادی گئی۔ یہ سزا پہلی چھ مہینے کی سزا کے علاوہ تھی۔ گویا مجموعی طورپہ انہیں دو ڈھائی برس کی سزادی گئی تھی۔

مقدمہ کے دوران میں شروع سے آخر تک بہت سے ایسے واقعات پیش آئے۔ جن سے ہندوستانی ریاستوں کی طرز حکومت ہی نہیں بلکہ انگریز حاکم کے زیراقتدار ریاستی حکومت کی حقیقت آشکارا ہوگئی۔ ہندوستانی ریاستیں اپنی پستی اور قدیم جاگیرداری طریقوں کے سبب بدنام ہیں۔ مگر یہاں مشاہدہ ہوا کہ جب کوئی ریاست براہ راست برطانوی حکومت کی نگرانی میں آجاتی ہے تو صورت اور بھی عجیب وغریب ہوجاتی ہے۔

جس روز دونوں مقدمے ختم ہوئے اور سزا دی گئی۔ اسی روز شام کو جیل میں سپرنٹنڈنٹ نے تینوں حضرات کو طلب کیا اور ضابطہ خریداری کے ماتحت منتظم کا ایک حکمنامہ دکھایا۔ جسکی رو سے بغیر کسی شرط کے ان کی تمام سزا ملتوی کردیگئی تھی۔ اور انہیں آزاد کردیا گیا تھا۔ اسکے فوراً بعد ایک اور حکمنامہ پیش کیا گیا جسمیں لکھا تھا۔ کہ نابھہ کی حدود سے فوراً نکل جاؤ اور پھر کبھی بغیر اجازت ریاست کی حدود میں داخل نہ ہونا۔

اسکے بعد انہیں ریلوے اسٹیشن پہ لیجاکر رہا کردیا گیا۔ اور ساری رات شہر کے پھاٹک بند رکھے گئے اسلئے وہاں سے چلے آنے کے سوا اور چارہ ہی کیا تھا چنانچہ تھوڑی دیر بعد جو گاڑی ملی۔ اس سے یہ لوگ واپس آگئے لیکن معلوم نہیں

یہ سزائیں کب تک کیلئے ملتوی کی گئی ہیں۔ اور اب دوبارہ گرفتاری کا حکم کب نافذ کیا جائیگا

مظلوم ساتھی کیلئے بےچینی

اس نئے بنائے ہوئے سازشی مقدمہ میں جو چوتھا ملزم سکھ شامل کیا گیا تھا۔ اس کے متعلق معلوم نہو سکا کہ بیچارہ کا کیا حشر ہوا۔ غالباً وہ رہا نہیں ہوا لیکن مذکورہ تینوں حضرات اسے بھولے نہیں۔ بلکہ جو کچھ ان کے امکان میں تھا وہ کیا آخر میں غالباً گوردوارہ کمیٹی نے اس معاملہ کو اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا بعد میں معلوم ہوا کہ وہ "کوماگاٹا مارُ" کے ستم زدہ لوگوں میں سے تھا۔ اور بہت طویل عرصہ کے بعد حال ہی میں جیل سے چھوٹا تھا۔ پولس کے خیال میں چونکہ ایسے لوگوں کا جیل سے باہر رہنا خطرناک تھا اس لیئے اسے اس مفروضہ سازش کے مقدمہ میں پھانس لیا گیا

نابھ کا یادگار تحفہ

جواہر لال نہرو اور انکے دونوں معزز ساتھی نابھ جیل کی کوٹھری سے میعادی بخار کے جراثیم کی بلا اپنے ساتھ لائے چنانچہ عرصہ تک یہ تینوں حضرات میعادی بخار میں مبتلا رہے جواہر لال نہرو پر بخار کا سخت حملہ ہوا۔ اور کچھ مدت تک بہت خطرناک رہا انکی تین چار ہفتہ کے بعد حالت سنبھل گئی۔ لیکن ان کے دونوں ساتھی ایک مدت تک سخت تکلیف میں مبتلا رہے۔

پھر نابھ میں

سکھ گوردوارہ کمیٹی نے اپنے گوردواروں سے بد اطوار مہنتوں کو نکالنے کے لیئے ایک تحریک جاری کی تھی۔ لیکن اسی تحریک کے سبب حکومت نے کمیٹی کو خلاف

قانون قرار دے دیا تھا۔ کانگریس کو قدرتی طور پر کمیٹی سے ہمدردی تھی۔ اسلئے وہ بطور اظہار دوستی اپنا ایک آدمی امرتسر میں متعین رکھتی تھی۔

نابھ سے واپسی کے تقریباً چھ مہینہ بعد مسٹر گڈوانی کانگریس کے نمائندے بنا کر امرتسر بھیجے گئے۔ گوردوارہ کمیٹی نے پانسو آدمیوں کا ایک خاص جتھ جیتو بھیجا۔ مسٹر گڈوانی محض نگراں کی حیثیت سے نابھ کی حدود تک انکے ہمراہ گئے۔ ریاست میں داخل ہونیکا ان کا بالکل ارادہ نہیں تھا۔ لیکن نابھ پہنچتے ہی جتھ پر گولیاں برسائی گئیں۔ مسٹر گڈوانی زخمیوں کی امداد کیلئے آگے بڑھے لیکن ریاست کی حدود میں قدم رکھتے ہی پولس اُن پر جھپٹ پڑی اور انہیں پکڑ لے گئی عدالتیں اُن پر کوئی مقدمہ نہیں چلایا گیا بلکہ پچھلے حکم کی خلاف ورزی کے جرم میں تقریباً سال بھر تک جیل خانے میں رکھے گئے اور جب اُنکی صحت بالکل ہی جواب دینے لگی تو مجبوراً رہا کئے گئے

جداگانہ انتخاب

دسمبر ۲۳ء میں کانگریس کا سالانہ اجلاس کوکوناڈا دکن میں ہوا صدارت کیلئے رئیس الاحرار مولانا محمد علی کو منتخب کیا گیا تھا۔ مولانا نے ایک طویل اور دلچسپ خطبہ صدارت پڑھا۔ اور اسمیں بتایا کہ ۱۹۰۶ء میں آغا خاں کی زیر سرکردگی جو مشہور وفد وائسرائے کے پاس گیا تھا اور جس کے جواب میں حکومت نے جداگانہ انتخاب کی پہلی مرتبہ حمایت کی تھی۔ وہ ایک سوانگ تھا اور خود حکومت کے اشارے سے مرتب کیا گیا تھا۔

آل انڈیا کانگریس کمیٹی کی سکریٹری شپ

مولانا محمد علی ؒ نے اپنی صدارت کے دوران میں جواہر لال نہرو کو انکی مرضی

کے خلاف آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے سکرٹری کا عہدہ قبول کرنے پر مجبور کیا۔ گو جواہر لال نہرو انتظامی ذمہ داری قبول کرنے کیلئے تیار نہ تھے۔ لیکن وہ مولانا سے انکار نہ کر سکے۔

مولانا محمد علی جواہر لال نہرو کی نظر میں

جواہر لال نہرو جانتے تھے کہ مولانا کی پسندیدگی اور ناپسندیدگی دونوں بہت شدید ہوتی ہیں۔ لیکن جواہر لال نہرو ان لوگوں میں سے تھے۔ جنھیں مولانا پسند کرتے تھے۔ ان دونوں کے درمیان الفت اور محبت کے تعلقات تھے اور وہ دونوں ایک دوسرے کی بہت قدر کیا کرتے تھے۔

مولانا پر مذہب کا رنگ بہت گہرا تھا اور جواہر لال گو اس معاملہ میں ان کے بالکل برعکس تھے۔ لیکن اس اختلاف کے باوجود وہ ہمیشہ مولانا کی زبردست قوت عمل، انتہائی ذکاوت اور تیز طبع کے مداح رہے۔

آداب والقاب سے بیزاری

مولانا محمد علیؒ کی صدارت کے زمانہ میں گو ان دونوں کے درمیان معمولی اختلافات اکثر رونما ہو جاتے تھے لیکن اسکے باوجود دونوں میں خوب نبھی۔

اسی دوران میں جواہر لال نہرو نے کانگریس میں یہ طریقہ رائج کرنا چاہا کہ تمام اراکین کو بغیر القاب و آداب کے مخاطب کیا جائے۔ کیونکہ ہندوستان میں القاب و آداب کی جو کثرت ہے وہ اس کثرت سے گھبراتے تھے۔ اور نام کیساتھ مہاتما مولانا، پنڈت، شیخ، سید، منشی، مولوی، مسٹر، اور اسکوائر اور بہر حال میں اس میں شمریت اور نثری کا جو اضافہ ہو گیا تھا۔ انہیں ہٹا کر ایک مثال پیش کرنے کے خواہشمند تھے۔ لیکن مولانا محمد علی نے اسے کسی طرح قبول نہ کیا۔ اور صدر کی حیثیت

سے جواہرلال نہرو کو پرانے دستور جاری رکھنے کی ہدایت کی اور گاندھی جی کیلئے خصوصیت کیساتھ تاکید کی کہ انہیں ہمیشہ مہاتما کے لقب سے مخاطب کیا جائے

مولانا محمد علی سے مذہبی بحثیں

مولانا محمد علی اور جواہرلال نہرو میں خدا کے وجود پر اکثر بحثیں ہوتی تھیں اور مولانا انہیں انکی بے دینی پر خوب ڈانٹتے تھے۔

مولانا محمد علی کانگریس کی قراردادوں میں شکریہ کے طور پر دعا کے انداز میں یا کسی اور عنوان سے خدا کا ذکر ضرور کیا کرتے تھے۔ جب جواہرلال اس کو غیر ضروری بتاتے تو مولانا ان پر برس پڑتے تھے۔ اور مولانا انسے اکثر کہا کرتے تھے۔ کہ بظاہر تم کچھ بھی ہو۔ لیکن دل سے تم مذہبی آدمی ہو۔

۱۹۲۵ء میں یا ۱۹۲۶ء کے شروع میں جب ایک مرتبہ جواہرلال نہرو مولانا محمد علی کے مکان پر دہلی ملنے آئے تو مولانا نے فرمایا کہ آج پھر مذہب کے معاملہ پر تم سے بحث ہوگی۔ جواہرلال نہرو نے مولانا کو باز رکھنے کی کوشش کی۔ لیکن مولانا بھلا کب ماننے والے تھے۔ کہنے لگے تم سمجھتے ہو مجھے مذہبی جنون ہے لیکن آج تمہیں ثابت ہو جائیگا کہ مجھے جنون نہیں ہے بلکہ سچا جذبہ ہے۔

علاوہ بریں مولانا نے بتایا کہ میں مذہبی مسائل کا بہت گہرا اور وسیع مطالعہ کر چکا ہوں اور جواہرلال نہرو کو ایک الماری دکھائی جسمیں مختلف مذاہب خصوصاً اسلام اور عیسائیت پر کتابیں بھری ہوئی تھیں انمیں انگریزی کی بہت سی جدید کتابیں بھی تھیں

زمانہ جنگ میں جب مولانا محمد علیؒ کئی سال نظر بند رہے تھے تو انہوں نے قرآن شریف کو بار بار پڑھا تھا اور اسکی تمام تفسیریں انکا بھی مطالعہ کیا تھا اس

مطالعہ کے بعد وہ اس نتیجہ پر پہنچتے تھے کہ قرآن شریف کے احکامات سراسر عقل کے مطابق ہیں

گاندھی جی اسلام کے قائل ہیں؟

جواہر لال نہرو بحث سے گریز کرتے رہے لیکن آخر میں مولانا محمد علی نے جو کچھ کہا۔ اس پر جواہر لال نہرو کو بڑا تعجب ہوا۔

مولانا محمد علی نے کہا کہ میرا ایمان ہے۔ کہ جو کوئی بھی بے تعصب ہو کر تلاشِ حق کے خیال سے قرآن شریف پڑھے وہ اس کی سچائی کا ضرور قائل ہو جائیگا۔ مولانا نے گاندھی جی کے متعلق بتایا۔ کہ گاندھی جی نے قرآن شریف کو بغور پڑھا وہ ضرور اسلام کی حقانیت کے قائل ہیں۔ لیکن محض خود بینی کے سبب اسکا اعلان نہیں کرتے

کانگریس سے مولانا محمد علی کی علیحدگی کا سبب

مولانا محمد علیؒ کی کانگریس سے علیحدگی کے وجہ کے متعلق جواہر لال نہرو نے لکھا ہے اپنے زمانہ صدارت کے بعد مولانا محمد علی رفتہ رفتہ کانگریس سے دور ہونے لگے۔ یا شاید ان کے اپنے الفاظ میں کانگریس ان سے دور ہونے لگی یہ حالات بہت آہستہ آہستہ پیش آئے۔ اس کے بعد بھی کئی سال تک وہ کانگریس اور آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے اجلاسوں میں شرکت کرتے رہے اور زور شور کے ساتھ عملی حصہ لیتے رہے۔ لیکن اختلافات کی خلیج بڑھتی گئی۔ اور بیگانگی وسیع ہوتی رہی اسمیں خود انکا یا کسی اور کا قصور نہیں تھا۔ بلکہ ان حالات کا لازمی نتیجہ تھا جو ملک میں رونما ہوئے۔ وجہ کچھ بھی ہو۔ لیکن اس افسوسناک نتیجہ سے ہم میں سے بہتوں کو رنج ہوا۔ کیونکہ فرقہ دارانہ معاملات کا خواہ کتنا ہی اختلاف کیوں نہ رہا ہو لیکن سیاسی معاملات میں بہت کم اختلاف تھا۔

ہندوستان کی آزادی کے وہ دل سے شیدائی تھے اسیوجہ سے اس کا بہت زیادہ امکان تھا کہ فرقہ وارانہ مسائل پر بھی انسے کوئی ایسا سمجھوتہ ہو جاتا جو دونوں فریقوں کو پسند ہوتا۔ سیاسی حیثیت سے وہ ان رجعت پسندوں سے جو فرقہ وارانہ مفاد کے علمبردار بنتے ہیں۔ کوسوں دور رہتے۔

یہ ہندوستان کی یقیناً بدقسمتی تھی کہ وہ ۱۹۲۸ء کے موسم گرما میں یورپ چلے گئے۔ انکی عدم موجودگی میں یہاں فرقہ وارانہ مسائل کو حل کرنے کی سرتوڑ کوشش کیگئی۔ اور کامیابی کی امید بھی ہو چلی تھی۔ اگر مولانا محمد علیؒ اسوقت ہندوستان میں موجود ہوتے تو یقین ہے کہ یہ مسئلہ حل ہو جاتا۔ لیکن ان کے واپس آنے تک پھوٹ پڑ چکی تھی۔ اور جب وہ آئے تو مجبوراً انہیں کانگریس کے خلاف جانا پڑا۔

مولانا محمد علی کا وصال

دو سال بعد ۱۹۳۰ء میں مولانا محمد علیؒ گول میز کانفرنس کی شرکت کیلئے لندن گئے۔

دو سال سے انکی صحت خراب تھی۔ اور حالت بگڑتی جاتی تھی۔ لیکن لندن پہنچکر وہ بے چین تھے۔ کہ کچھ نہ کچھ حاصل کریں۔ چنانچہ انہوں نے زور شور سے تقریریں کیں اور بڑی سرگرمی سے کانفرنس میں ہندوستان کی رہنمائی کی اور کانفرنس کے اجلاس میں صاف کہدیا کہ خالی ہاتھ ہندوستان جانیکی بجائے میں یہیں اپنی جان دے دونگا۔

رات دن کی سرگرمیوں کا صحت پر بہت برا اثر پڑا۔ اسوقت انہیں علاج اور آرام کی بڑی سخت ضرورت تھی۔ لیکن سخت محنت نے انکی زندگی کا چراغ جلد بجھا دیا۔ اور وہ اسوقت ملک سے جدا ہوئے جبکہ ملک کو انکی سخت ضرورت تھی

نینی جیل میں جب مولانا کے انتقال کی خبر جواہر لال نہرو کو ملی تو انہیں بہت سخت صدمہ ہوا

ہندوستانی سیوا دل کی بنیاد

ڈاکٹر این۔ ایس ہارڈیکر کا خیال تھا کہ ہندوستانی رضاکاروں کی ایک باضابطہ اور منظم جماعت قائم کی جائے۔ اور اسے کانگریس کی ہدایت کے مطابق قومی کام کی تعلیم دیجائے۔ چنانچہ ڈاکٹر صاحب نے پنڈت جواہر لال نہرو سے اصرار کیا۔ کہ اس کام میں مدد کریں۔ انتظامی کام کرنے اور جیل جانے کیلئے رضاکاروں کی کمی گو اس وقت بھی نہ تھی۔ لیکن اتحادِ عمل اور نظم و نسق کی کمی ضرور تھی اسلئے پنڈت جواہر لال نہرو کو اس تحریک سے خاص دلچسپی تھی۔ چنانچہ انہوں نے بخوشی امداد دینی منظور کی اور کوکناڈا کانگریس میں ہندوستانی سیوا دل کی بنیاد رکھی گئی۔

دلچسپ سول نافرمانی

کوکناڈا سے واپسی کے بعد ہی جنوری ۱۹۲۴ء میں ایک دلچسپ واقعہ پیش آیا۔ کمبھ کا میلا تھا۔ جو الہ آباد گنگا کے کنارے نہان کا زبردست میلا ہوتا ہے لاکھوں یاتری دور دراز سے آکر گنگا جمنا کے سنگم پر اشنان کرتے ہیں کیونکہ ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ سرسوتی ندی زمین کے نیچے ہی نیچے ان دونوں آملی ہے۔ اسلئے اسے تربینی بھی کہا جاتا ہے۔ یہاں گنگا کا پاٹ عموماً ایک میل چوڑا ہوتا ہے۔ یہاں گنگا کی دھارا بدلتی رہتی ہے۔ اس موقعہ پر یہ دھارا کچھ اسطرح واقع ہوئی تھی کہ یاتریوں کیلئے تربینی میں نہانا یقیناً خطرناک تھا۔ لیکن اگر بعض احتیاطیں برتی جائیں اور ایک وقت میں ایک معین تعداد ہی اشنان کرتی تو خطرے کے

امکانات کم ہو سکتے تھے۔ چنانچہ حکومت نے اعلان کر دیا۔ کہ کوئی شخص تربینی پر نہ نہائے۔ گو حکومت اس معاملہ میں بالکل حق بجانب تھی کہ احتیاطی تدابیر اختیار کرے لیکن حسب معمول یہ کام بہت ناگوار طریقہ سے شروع کیا گیا۔

پنڈت مدن موہن مالویہ کو مذہبی نقطہ نگاہ سے اس بندش پر اعتراض تھا۔ چنانچہ مالویہ جی اور حکومت کے درمیان جھگڑا چل رہا تھا۔

جواہرلال نہرو گنگا میں اشنان کر کے ثواب حاصل کرنے کے قائل نہ تھے۔ اسلئے انہیں اس معاملہ میں کوئی دلچسپی نہ تھی۔ لیکن خاص کمبھ کے دن صبح سویرے وہ صرف میلہ دیکھنے سنگم پر گئے۔ اشنان کرنے کا کوئی خیال نہ تھا۔ وہاں پہنچکر معلوم ہوا۔ کہ مالویہ جی کی اس درخواست کے باوجود کہ لوگوں کو اشنان کی اجازت دی جائے۔ مجسٹریٹ نے اجازت دینے سے قطعی انکار کر دیا تھا۔ اس وجہ سے مالویہ جی نے ستیاگرہ کی تیاریاں کر لی تھیں۔ اور اسوقت تقریباً دوسو آدمیوں کو لیکر سنگم جا رہے تھے۔ پنڈت جواہرلال نہرو کو اس قسم کے واقعات سے خاص دلچسپی تھی۔ چنانچہ عین وقت پر وہ بھی اس گروہ میں شامل ہو گئے۔

سنگم کے قریب ریتیلے میدان میں لکڑیوں کا ایک بہت بڑا کٹھرا بنا دیا گیا تھا تاکہ لوگ تربینی تک نہ پہنچ سکیں جب یہ لوگ اس اونچے کٹھرے تک پہنچے تو پولس نے انہیں روکا اور ان لوگوں کے پاس جو سیڑھی تھی۔ اسے چھین لیا۔ لیکن چونکہ یہ لوگ عدم تشدد کے پابند ستیاگرہی تھے۔ اس لئے کٹھرے کے قریب ہی ریت پر خاموشی سے بیٹھ گئے۔ دن چڑھتا گیا۔ دھوپ تیز ہوتی گئی۔ اور ساتھ ہی ساتھ ریت گرم ہونے لگی۔ لوگ بھوک پیاس سے بھی بیتاب تھے۔ مگر سہ پہر تک برابر بیٹھے رہے۔ حکام بھی بےچین ہو رہے تھے۔ اسلئے انہوں نے پیش قدمی کے خیال سے سواروں کو حکم دیا کہ وہ گھوڑوں پر سوار ہوں۔ پنڈت جواہرلال نہرو کو خیال آیا

کہ غالباً یہ لوگ حملہ کرکے ہم کو بھگا دینا چاہتے ہیں۔ سواروں کے ہاتھوں یوں گھیرا جانا انہیں منظور نہ تھا۔ اور صبح سے سہ پہر تک بیٹھے بیٹھے وہ اکتا بھی گئے تھے اسلئے انھوں نے اپنے قریب بیٹھے ہوئے لوگوں سے کہا۔ کہ اب کٹہرے پر چڑھائی کرنی چاہیئے۔ یہ کہکر وہ خود دیکایک اس پر چڑھ گئے۔ فوراً ہی بیسیوں آدمیوں نے ان کی تقلید کی۔ بعض نے اسمیں سے کچھ لکڑیاں کھینچکر پھینک دیں۔ بس بیچ میں راستہ بن گیا۔ لوگوں میں سے کسی نے جواہر لال نہرو کے ہاتھ میں ایک قومی جھنڈا دیدیا۔ انھوں نے اُسے کٹہرے پر لگا دیا اور خود وہیں بیٹھ گئے۔ وہ اس وقت بڑے جوش میں تھے اور انہیں یہ دیکھکر بڑی مسرت ہوئی کہ لوگوں نے فوراً کٹہرے پر چڑھنا شروع کر دیا اور اسے پھاند پھاند کر آگے بڑھنے لگے۔

سوار پولس آگے بڑھنے والوں کو دھکے دے دیکر پیچھے ہٹا رہی تھی۔ آخر کار جواہر لال نہرو بھی دوسری طرف کود گئے۔ اور کیونکہ اس کشمکش کے سبب انہیں بڑی گرمی محسوس ہو رہی تھی اسلئے انہوں نے آگے بڑھ کر گنگا میں ایک غوطہ لگایا۔

واپس آکر جب انہوں نے دیکھا کہ مالویہ جی اور بہت سے دوسرے ستیہ گرہی اب بھی وہیں بیٹھے ہیں۔ تو انہیں بڑی حیرت ہوئی۔ لیکن سوار اور پیدل پولس کندھے سے کندھا ملائے اب بھی ستیاگرہیوں اور کٹہرے کے درمیان کھڑی تھی۔ اسلئے جواہر لال نہرو ذرا چکر کاٹ کر مالویہ جی کے پاس پہنچے اور انکے قریب بیٹھ گئے۔

تھوڑی دیر بعد یکایک مالویہ جی بغیر کسی سے کچھ کہے سنے اٹھے اور پولس والوں اور گھوڑوں کے بیچ میں سے عجیب و غریب طریقہ سے جست لگا کر باہر نکل گئے۔ ان جیسے بوڑھے اور ناتواں آدمی کی یہ پھرتی بیحد حیرت انگیز تھی۔

جواہر لال اور دوسرے سب ستیہ گرہی بھی انکے پیچھے پیچھے چلے اور سینے

کود کود کر نکلنا شروع کردیا۔ پولس نے تھوڑی دیر تو اُس جوشیلے مجمع کو روکنے کی کوشش کی۔ لیکن پھر خاموش ہوگئی۔ پولس کچھ ہی دیر بعد وہاں سے ہٹالی گئی۔
عام طور پر خیال تھا کہ حکومت ان لوگوں پر غدر کا مقدمہ چلائیگی۔ لیکن آخر میں یہ خیال غلط ثابت ہوا۔ اور حکومت نے کوئی کاروائی نہیں کی۔

گاندھی جی کا آپریشن

۱۹۲۴ء کے شروع میں یکایک یہ خبر ملی۔ کہ گاندھی جی جیل میں سخت بیمار ہیں اس منحوس خبر سے سارے ہندوستان میں ایک عجیب بےچینی پھیل گئی آخر حکومت نے انہیں جیل سے ہسپتال میں منتقل کردیا۔ اور وہاں انکا اپریشن ہوا۔ سارے ملک کی آنکھیں اسی واقعہ کی طرف لگی ہوئی تھیں کہ دیکھیں کیا ہوتا ہے۔

آخر جب یہ نازک وقت گذر گیا۔ تو ملک کے گوشہ گوشہ سے جوق در جوق لوگ انہیں دیکھنے کیلئے پونہ جانے لگے۔ اس وقت تک گاندھی جی زیر حراست قیدی کی حیثیت سے ہسپتال ہی میں تھے۔ لیکن خاص خاص لوگوں کی ایک مقررہ تعداد سے انہیں ملنے کی اجازت تھی۔ چنانچہ پنڈت موتی لال نہرو اور انکے ساتھ جواہرلال نہرو بھی ان سے ملنے ہسپتال گئے۔

گاندھی جی کی وہ سزا جسمیں وہ اس وقت قید تھے چھ سال کی تھی اور ابھی دو سال کی سزا پوری ہوئی تھی۔ لیکن ہسپتال سے وہ پھر جیل خانے نہیں بھیجے گئے جب وہ ذرا دوبصحت ہوئے تو باقی سزا معاف کردیگئی اور انھیں رہا کر دیا گیا۔ رہائی کے بعد وہ بحالی صحت کیلئے بمبئی کے قریب ساحل سمندر پر جوہو چلے گئے۔

گاندھی جی اور سوراجیوں کی ان بن

گاندھی جی کے جوہو چلے جانیکے بعد نہرو خاندان بھی جوہو گیا۔ یہ لوگ کئی ہفتہ

وہاں رہے پنڈت موتی لال نہرو گاندھی جی کے سامنے سوراجیوں کا نقطہ نظر پیش کرنا چاہتے تھے۔ انکی خواہش تھی کہ اگر عملی امداد نہیں تو کم از کم ان کا خاموش تعاون ہی حاصل ہو جائے۔ لیکن پنڈت موتی لال نہرو کو تائید حاصل کرنے میں کامیابی نہیں ہوئی۔ وہ گاندھی جی کو ذرا بھی متاثر نہ کر سکے۔ یہ گفتگو دوستانہ طریقے سے ختم ہوئی اور دونوں طرف سے اخبارات میں شائع کرا دیا گیا کہ ہم اس مسئلہ پر آپس میں متفق نہ ہونگے

۱۹۲۴ء کے ابتدا میں عام طور پر پبلک کی توجہ ان سوراجیوں کی طرف تھی جو اسمبلی اور کونسلوں میں گئے تھے۔ ہر طرف انتظار تھا کہ یہ جماعت گھر میں گھس کر مخالفت کرنے اور کونسلوں کو توڑ دینے کے وعدوں کو کس طرح پورا کرتی ہے

شروع شروع میں سوراجیوں نے البتہ دو چار کام ایسے کئے جنکا اچھا اثر پڑا۔ انہوں نے اسمبلی میں سال آئندہ کا بجٹ نامنظور کرا دیا اور ہندوستان کی آزادی کا مسئلہ طے کرنے کیلئے گول میز کانفرنس کے مطالبے کی قرارداد منظور کی۔ اسکے علاوہ بنگال کونسل میں بھی دیش بندھو کی رہبری میں سرکاری اخراجات کے مطالبے کو ٹھکرا دیا گیا۔

لیکن اسمبلی اور صوبوں کی کونسل۔ دونوں میں وائسرائے یا گورنر نے ان نامنظور شدہ بجٹوں پر اپنی منظوری صادر کر دی اور وہ نافذ کر دئے گئے۔ اس پر بہت جوش و خروش کے مظاہرے ہوئے۔ اور بہت سخت تقریریں ہوئیں اخباروں میں بہت جلی عنوانات سے مضامین شائع ہوئے۔ لیکن اس کے آگے کچھ نہ تھا۔ اور وہ اس سے زیادہ کر ہی کیا سکتے تھے۔ ان ہی ترکیبوں کو بار بار دہراتے رہے۔ لیکن آخر کب تک ان میں کشش رہتی۔ عوام کا جوش ٹھنڈا ہو گیا انہوں نے دیکھ لیا تھا کہ نامنظور شدہ بجٹ یا قانون کو وائسرائے یا گورنر کی مرضی سے نافذ کر دیا جاتا ہے۔

گاندھی جی خالص مصلح یا خالص جنگ کے حامی تھے۔ اس لئے سوراجیوں کے اس پروگرام سے انہیں کوئی دلچسپی نہ تھی کہ کونسلوں کے اندر جاکر حکومت کو پریشان کیا جائے۔ بلکہ اس کے برعکس انکا خیال تھا کہ اگر کوئی شخص کونسلومیں جانا چاہتا ہے تو اسے چاہیئے کہ حکومت کے ساتھ تعاون کرکے اچھے اچھے قوانین بنوائے مخالفت کے خیال سے وہاں جانا ان کے خیال میں بے معنی بات تھی یہی وجہ تھی کہ گاندھی جی اور سوراجیوں کے تعلقات میں گتھیاں پڑ گئیں۔

تیز جھڑپ

اسی سال وسط ۱۹۲۴ء میں آل انڈیا کانگریس کمیٹی کا ایک جلسہ احمد آباد میں ہوا۔ اس جلسہ میں گاندھی جی اور سوراجیوں کے درمیان خلاف توقع ایک تیز جھڑپ ہو گئی۔ گاندھی جی کانگریس کے دستور میں بعض بنیادی تبدیلیوں کے خواہشمند تھے ان کی تجویز تھی کہ کانگریس کی رکنیت کو صرف ان لوگوں تک محدود کر دیا جائے جو ہاتھ کے کتے ہوئے سوت کی ایک مقررہ مقدار داخل کریں۔

رکنیت کے قواعد اور رائے دہندگی کی نوعیت کو بدل دینے پر پنڈت موتی لال نہرو اور مسٹر سی آر داس نے بڑی شد و مد سے مخالفت کی اور آخر کار اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کرنیکی غرض سے وہ اپنے بہت سے ساتھیوں سمیت رائے شماری سے پہلے جلسے سے اٹھکر چلے گئے۔ پھر بھی اس تجویز کے بہت سے مخالف جلسے میں بیٹھے رہے۔ لیکن یہ تجویز اکثریت سے منظور ہو گئی۔

آنسوؤں کی جھڑی

کانگریس کے اس اجلاس میں ایک تخویف پسند نوجوان بنگالی گوپی ناتھ ساہا

سے ہمدردی کی ایک قرارپیش کی گئی۔

اس قرارداد سے کانگریس کے عدم تشدد کا مسلک بُری طرح ٹھکرایا جاتا تھا اس لئے گاندھی جی بہت متاثر ہوئے اور پھر اس قرارداد کی حمایت میں جو تقریریں ہوئیں اسنے گاندھی جی کو بہت تکلیف ہوئی۔ یہ جانکر کہ بہت سے کانگریسی دل سے عدم تشدد کے معتقد نہیں ہیں وہ بہت زیادہ پریشان تھے اور پھر جب سترہ آدمیوں نے اس قرارداد کی حمایت کی تو گاندھی جی کا دل بیٹھ گیا۔ انہیں یہ خیال بری طرح ستارہا تھا کہ لوگ غیرارادی طور پر کتنی غیر ذمہ داری کا ثبوت دے رہے ہیں۔ عدم تشدد کے مسلک کو اسطرح ٹھکرا دیئے جانے پر انکی پریشانی لمحہ بہ لمحہ بڑھتی گئی انکا جی چاہتا تھا کہ اس دل دکھانیوالی فضا سے بھاگ جائیں۔ اجلاس سے سوراجیوں کے اٹھکر چلے جانے اور اس مسئلہ میں دلیش بندھو اور پنڈت موتی لال نہرو کے سخت رویہ کا بھی اُنپر بڑا اثر تھا اور انکے جذبات میں سخت ہیجان تھا۔ آخرکار انکی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے صاف ظاہر تھا کہ انہیں روحانی تکلیف پہنچی ہے۔ انہوں نے کمیٹی کے روبرو بڑی رقت انگیز تقریر کی جس سے اکثر اراکین کے آنسو نکل آئے۔ ہاتھ کے کتے ہوئے سوت کی مقررہ مقدار داخل کرنیکی جو تجویز اکثریت سے منظور ہوچکی تھی وہ بھی انہوں نے واپس لے لی۔

جواہرلال نہرو کا استعفےٰ

جوہو میں جب پنڈت موتی لال نہرو سوراجیوں کیلئے گاندھی جی کی تائید حاصل کرنیکی کوشش کررہے تھے اسی دوران میں جواہرلال نہرو بھی ان مسائل پر جو رات دن انکے دلمیں کانٹے کیطرح کھٹکتے تھے گاندھی جی سے گفتگو کرکے تسکین حاصل کرنا چاہتے تھے۔ انھیں یہ معلوم کرنے کی زبردست خواہش تھی۔ کہ آیندہ گاندھی

جی کا عملی پروگرام کیا ہوگا۔ اور یہ کانگریس مکمل آزادی اور کسی حد تک سماجی انقلاب کی حامی ہے یا رہنمایان قوم اس سے بہت کم پر راضی ہو جائینگے۔ کچھ دن پہلے سنہ ۱۹۲۳ء کے موسم خزاں میں صوبہ متحدہ کی کانفرنس میں پنڈت جواہر لال نہرو اپنے اس خطبۂ صدارت میں مکمل آزادی کے مسئلہ پر بہت زور دے چکے تھے۔ جو انہوں نے تیز بخار میں لیٹے لیٹے لکھا تھا شدید بیماری کے سبب وہ خود اس کانفرنس میں شریک نہ ہو سکے تھے۔ لیکن انکا یہ خطبۂ صدارت وہاں پڑھکر سنا دیا گیا تھا۔

ایک طرف تو پنڈت جواہر لال نہرو اور انکے ہمخیال مکمل آزادی کے مسئلے کو صاف کرنا چاہتے تھے اور دوسری طرف لبرل حضرات کھلم کھلا سلطنت برطانیہ کے جاہ وحشم پر اتراتے تھے۔ حالانکہ حکومت ہندوستانیوں کو جوتی کے برابر نہیں سمجھتی تھی اور اپنی نوآبادیوں میں ہندوستانیوں کو غلاموں کی طرح رکھتی تھی بعض بعض نوآبادیوں میں انہیں گھسنے بھی نہیں دیتی تھی۔ لیکن اسکے باوجود مسٹر شاستری شاہی سفیر بن بیٹھے تھے اور سر تیج بہادر سپرو نے سنہ ۱۹۲۳ء کی امپیریل کانفرنس لندن میں بڑے فخر سے کہا تھا۔ کہ مجھے فخر ہے کہ آج میرا ہی ملک سلطنت کو سلطنت بنائے ہوئے ہے۔ مکمل آزادی کے مسئلہ پر گاندھی جی سے جو گفتگو ہوئی جواہر لال نہرو اس سے مطمئن نہیں ہوئے گاندھی جی نے حسب عادت آئندہ کی فکر میں سر کھپانے اور ایک طویل عرصہ کے لئے کسی قسم کا پروگرام بنانے سے انکار کر دیا انکا خیال تھا کہ جبتک جارحانہ کاروائی کا وقت نہ آئے تب تک نہایت استقلال کے ساتھ قوم کی خدمت کرنی چاہیئے اور کانگریس کے تعمیری اور اصلاحی پروگرام پر عمل کرنا چاہیئے۔ لیکن جواہر لال نہرو کا خیال تھا کہ اگر جارحانہ کاروائی کا وقت آ بھی جائے تو چورا چوری جیسا کوئی واقعہ پیش آ کر تمام امیدوں پر پانی نہ پھیر دیگا۔؟ اس لیئے وہ جوہو سے کچھ مایوس لوٹے۔

کانگریس کے احمد آباد والے اجلاس میں گاندھی جی نے ہاتھ کے کتے ہوئے سوت کی مقررہ مقدار داخل کرنیوالے لاگوں تک جو رکنیت کو محدود کرنے کی تجویز پیش کی اسکے متعلق جواہرلال نہرو کا خیال تھا۔ کہ آل انڈیا کانگریس کمیٹی کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ اس مسئلہ کا فیصلہ کرے۔ لیکن گاندھی جی کے راستہ میں دستور کے الفاظ و ترتیب یا اسکی ظاہری شکل و صورت کبھی حائل ہوتی تھی تو وہ اس کی ذرا بھی پرواہ نہیں کرتے۔ جواہرلال نہرو کے خیال میں گاندھی جی کا یہ طرز عمل کانگریس کے دستور کی توہین تھی۔ چونکہ اس تجویز سے حق رائے دہی پر زبردست اثر پڑتا تھا۔ اسلئے انھیں سخت صدمہ ہوا اور انہوں نے ورکنگ کمیٹی کے سامنے سکرٹری کے عہدے سے استعفٰے پیش کر دیا۔

گاندھی جی کی نرمی

جواہرلال نہرو نے جب سکرٹری کے عہدے سے استعفٰے پیش کیا تو اسکے بعد بعض نئی صورتیں پیدا ہو گئیں اور انہوں نے اپنے استعفٰے پر اصرار نہیں کیا۔

خود انکے اپنے خیال میں یہ بات بہت مناسب تھی کہ جسمانی محنت رائے دہندگی کی شرط قرار دیجائے لیکن انہیں اسکی اسقدر محدود شکل سے اس کا سارا مفہوم خبط ہو جانے کا اندیشہ تھا۔

گاندھی جی کو گو اس تجویز میں اکثریت حاصل تھی لیکن فریق ثانی سے سمجھوتہ کرنے کیلئے وہ اپنے ارادے میں نرم پڑ گئے۔ سوت کاتنے کی شرط اختیاری قرار دیدی گئی۔ اور چار آنے ادا کر کے ممبر بننے کا اصول بھی قائم رہا۔

گاندھی جی کے متعلق جواہرلال نہرو ایک جگہ کہتے ہیں۔ کہ گاندھی جی کو یہ کمال حاصل ہے کہ وہ اپنے مخالف کو اپنی طرف کر لیتے ہیں۔ یا کم از کم اسکے جوش

مخالفت کو ٹھنڈا کر دیتے ہیں"

چنانچہ ۱۹۲۴ء کے وسط میں گاندھی جی اور پنڈت موتی لال نہرو کے درمیان پھر وہی قدیم مراسم قائم ہوگئے۔ بلکہ اُنمیں اور زیادہ خلوص پیدا ہوگیا۔

وزارت کا لالچ

پنڈت موتی لال نہرو اسمبلی کے کاموں کے نشیب و فراز سے خوب واقف تھے انہوں نے نہ صرف اپنی پارٹی میں سختی سے نظم و نسق قائم رکھا بلکہ دیگر افراد اور جماعتوں کی حمایت بھی حاصل کرلی۔ لیکن زیادہ عرصہ نہ گذرنے پایا تھا کہ خود انکے آدمی انہیں پریشان کرنے لگے

انتخاب کا موقع جب قریب آیا۔ تو روپیے کی ضرورت پڑی۔ اور یہ چیز صرف امیروں ہی سے مل سکتی تھی۔ اسلئے انکی دلجوئی لازمی تھی۔ کسیکا قول ہے "سیاست بہت نازک فن ہے جسمیں غریبوں سے ووٹ اور امیروں سے روپیہ حاصل کرنا نہایت ضروری ہے اور پھر انہیں سے ہر ایک سے وعدہ کیا جاتا ہے۔ کہ ہم انہیں دوسرے سے بچائیں گے۔

جب اسمبلی اور کونسلوں میں کام شروع ہوا تو اعتدال پسند جماعتوں سے سمجھوتے کرنے پڑے اور جہاد کی وہ شان زیادہ عرصہ تک باقی نہ رہی چنانچہ رفتہ رفتہ سوراجیوں کی شعلہ مزاجی کم ہوتی گئی اور نظم قائم نہ رہ سکا۔ بلکہ حکومت کے دیئے ہوئے لالچ سے ان کی عام اخلاقی حالت گرنے لگی۔ یہانتک کہ بعض سوراجی وزیر بن گئے۔ بعض مختلف صوبوں میں گورنر کی اگزیکٹو کونسل کے رکن ہوگئے۔ کچھ نے ایک علیحدہ جماعت بنالی۔ جنکا مقصد یہ تھا کہ جب کوئی عہدہ ملے قبول کرلو۔ اور اس سے پورا فائدہ اٹھاؤ"

بعض وہ کارکن جو ۱۹۲۱ء اور ۱۹۲۲ء میں جیل گئے تھے۔ اب وزیر تھے یا اور اعلیٰ سرکاری عہدوں پر مامور تھے۔ نازیوں کی طرح چونکہ انہوں نے بھی برسرحکومت ہونے سے پہلے انقلابی کھیل کھیلے تھے۔ اسلئے وہ اپنی معلومات سے فائدہ اٹھاکر کانگریس کے اپنے پرانے ساتھیوں کو بہت اچھی طرح کچل سکتے تھے۔

ان خرابیوں کے باوجود سوراج پارٹی کا وجود کسی نہ کسی طرح قائم رہا۔ لیکن پنڈت موتی لال نہرو اور مسٹر داس ان باتوں سے بہت دل برداشتہ ہوگئے تھے۔ اس کے علاوہ وہ کونسلوں کے بے نتیجہ کام سے بھی اکتا گئے تھے۔

خادم مخدوم

۱۹۲۴ء میں کانگریس کا اجلاس بلگام میں ہوا۔ گاندھی جی اس کے صدر ہوئے اجلاس کے اختتام پر گاندھی جی کے ایما سے جواہر لال نہرو دوبارہ آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے سکرٹری منتخب ہوئے وہ اپنی مرضی کیخلاف رفتہ رفتہ کانگریس کے نیم مستقل سکرٹری بن گئے

غم کا بوجھ

۱۹۲۵ء کی گرمیوں میں پنڈت موتی لال نہرو کو دمہ کا سخت دورہ پڑا۔ اسلئے وہ تمام خاندان سمیت ڈلہوزی چلے گئے۔ جواہر لال نہرو بھی چند دن بعد انکے پاس پہنچ گئے۔ ڈلہوزی سے پھر یہ تمام لوگ چمبا گئے۔ جو ہمالیہ کے وسط میں واقع ہے۔ جون ۱۹۲۵ء کی کسی تاریخ کو یہ لوگ چمبا پہنچے۔ پہاڑی راستوں پر سفر کرنے کے سبب تھک گئے تھے اور ابھی انکی تکان دور بھی نہ ہوئی تھی۔ کہ تار کے ذریعہ چترنجن داس کی موت کی خبر ملی۔

غم کے بوجھ سے پنڈت موتی لال نہرو کی گردن جھک گئی بڑی دیر تک انکی

زبان سے کوئی لفظ نہیں نکلا اور بہت دیر تک وہ سکوت کے عالم میں بیٹھے رہے
ان کے لئے یہ بہت ہی جانکاہ صدمہ تھا کیونکہ چترنجن داس ہی انکے محبوب ترین
رفیق تھے۔ یکایک انکی اس جدائی سے سوراج پارٹی کا تمام بوجھ انپر آپڑا اور اب
یہ بوجھ برابر بڑھ رہا تھا۔ وہ اور دیش بندھو دونوں اس فضول کام سے
اور خود اپنے ساتھیوں کی کمزوری سے گھبرا اٹھے تھے۔ بلکہ دیش بندھو کی آخری
تقریر سے جو انہوں نے زید پور کانفرنس میں کی تھی صاف ظاہر ہوتا تھا کہ وہ تھک
چکے ہیں۔ دوسرے ہی دن صبح نہرو خاندان کے تمام افراد چمپا سے روانہ ہو کر
دالہوزی پہنچے اور پھر الہ آباد ہوتے ہوئے کلکتہ روانہ ہو گئے۔

ہندو مسلم کشیدگی

ملک کی سیاسی حالت لمحہ بہ لمحہ بدلنی شروع ہوئی۔ انمیں سب سے زیادہ اہم
خبر یہ تھی کہ خصوصاً شمالی ہند میں ہندو مسلم تعلقات رفتہ رفتہ بہت کشیدہ ہو گئے
تھے۔ چنانچہ کئی بڑے شہروں میں بہت سے فسادات ہوئے جنمیں انتہائی بیدردی
اور درندگی کا ثبوت دیا گیا۔ بے اعتمادی اور غصہ نے جھگڑے کے ایسے ایسے نئے
اسباب پیدا کر دیئے جو پہلے کبھی نہیں سنے گئے تھے۔ پہلے تو عموماً نزاع کی وجہ بقرعید
کے موقعہ پر گائے کی قربانی تھی۔ یا اگر محرم رام لیلا کے تہوار ایک ساتھ آجاتے تھے
تب بھی اکثر فساد ہو جاتا تھا۔ لیکن ان دونوں تہواروں کا ساتھ کہیں تیس سال
میں ایک بار ہوتا تھا۔ اب مسجدوں کے سامنے نماز کے وقت باجہ بجانے اور شور
غل ہونے کی شکایت پیدا ہو گئی کیونکہ اس سے عبادت میں خلل پڑتا تھا اور جھگڑے
کی یہ نئی صورت ایسی تھی جو آئے دن پیش آتی تھی۔

خصوصاً مغرب کی نماز کے وقت مسجد کے سامنے باجہ بجانے اور شور وغل کرنے

پر زیادہ اعتراض تھا۔ اور چونکہ اتفاق سے اسی وقت ہندوؤں میں آرہی ہوتی تھی اس لیئے ان جھگڑوں کی کثرت ہو گئی۔

شمالی ہند کے چند شہروں کے علاوہ اکثر شہروں اور قصبوں میں اور تقریباً دیہاتوں میں بالکل امن و سکون تھا۔ اور وہاں ان فسادات کا کوئی اثر نہ پڑا تھا لیکن اخبارات ہر چھوٹے چھوٹے فرقہ وارانہ جھگڑے کو بھی بہت بڑھا چڑھا کر لکھنے لگے بہر حال شہر والوں میں فرقہ وارانہ کشیدگی اور رنجش بہت بڑھ گئی۔

فرقہ پرست لیڈر اس آگ کو اور بھڑکا رہے تھے۔ چونکہ کانگریس قومی احساسات کی نمائندگی کرتی تھی۔ اس لئے ان فرقہ وارانہ جذبات کا اثر اس پر بھی پڑا اسکے بہت سے ممبر اپنی اپنی قوم کی طرفداری کرنے کے لئے اس سے علیحدہ ہو گئے تھے لیکن کانگریس بحیثیت جماعت کے اپنے اصولوں پر قائم رہی۔ اور اس نے کسی قصہ پر فرقہ وارانہ جماعت کا ساتھ نہیں دیا۔ ان تمام باتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ کانگریس پر دونوں طرف سے لعن طعن ہونے لگی۔ اسکے علاوہ سکھ اور دوسری چھوٹی اقلیتیں بھی کھلم کھلا اپنے جداگانہ مطالبات پیش کرنے لگیں۔ اسلئے کانگریس عجیب کشمکش میں مبتلا ہو گئی

سنہ ۱۹۲۴ء اور سنہ ۱۹۲۵ء میں اتحاد کانفرنسوں کے ذریعہ باہمی مشوروں سے فرقہ وارانہ مسئلہ کو حل کرنیکی بہت سی کوششیں کی گئیں۔ انمیں سب سے زیادہ مشہور کانفرنس وہ تھی جو سنہ ۱۹۲۴ء میں گاندھی جی کے اکیس روز کے برت کے دورانمیں مولانا محمد علیؒ کی صدارت میں دہلی میں ہوئی۔ ان تمام کانفرنسوں میں بہت سے نیک نیت اور پر خلوص لوگ شامل ہوئے اور انہوں نے سمجھوتہ کرنے کی انتہائی کوشش کی۔ چند عمدہ عمدہ قراردادیں بھی منظور ہوئیں۔ لیکن اسکے باوجود اصل مسئلہ حل کرنے میں کامیابی نہیں ہوئی۔ کیونکہ اس کا طے ہونا کثرت رائے پر نہیں بلکہ اتفاق رائے پر منحصر تھا۔

رنج دہ واقعہ

۱۹۲۴ء میں دہلی کی اتحاد کانفرنس کے ختم ہوتے ہی الہ آباد میں ایک ہندو مسلم فساد ہوگیا۔ جہانتک قتل، خون کا تعلق ہے یہ فساد دوسرے فسادوں کے مقابلہ میں بڑا نہ تھا۔ لیکن جواہرلال نہرو کو اس کا زیادہ رنج اسلئے ہوا۔ کہ یہ خود ان کے اپنے شہر میں ہوا۔ چنانچہ وہ دیگر چند حضرات کے ساتھ دہلی سے فوراً الہ آباد پہنچے۔ اسوقت تک فساد ختم ہوچکا تھا۔ لیکن اس کے اثرات فرقہ وارانہ کشیدگی اور مقدمہ بازی کی شکل میں عرصہ تک باقی رہے۔

میونسپلٹی سے بیزاری

جواہرلال نہرو تین سال کیلئے الہ آباد میونسپلٹی کے چیرمین منتخب ہوئے تھے۔ وہاں انہیں تمام اپنے رفقائے کار کی خوشنودی حاصل رہی صوبہ متحدہ کی حکومت نے بھی سیاسی مخالفت کے باوجود ان کے بعض بلدی مشاغل کو سراہا۔ انہیں خود بھی یہ کام بہت پسند تھا۔ اور اسمیں انہوں نے اپنا بہت سا وقت اور توجہ بھی صرف کی تھی۔ لیکن اسکے باوجود وہ اپنے آپ کو جکڑا ہوا پاتے تھے۔ جب وہ کوئی معقول کام کرنا چاہتے۔ تو ان کی راہ میں قسم قسم کی رکاوٹیں حائل ہوتی تھیں۔ کیونکہ حکومت نے بلدی نظام کا جو آئینی ڈھانچہ بنایا تھا۔ اسمیں بنیادی ترقی یا کسی جدت کی گنجائش ہی نہ تھی۔ رائج شدہ قوانین بلدہ کے ماتحت محصول لگانے یا سماجی ترقی کی کوئی غیر معمولی تجویز پیش کرنیکی بھی اجازت نہ تھی اور جو تجویزیں جائز بھی تھیں ان کیلئے بھی حکومت کی منظوری لازمی تھی۔ اگر اس قسم کی کوئی تجویز پیش بھی کی جاتی تو برسوں منظوری کا انتظار کرنا پڑتا تا۔ اور یہ بڑا صبر آزما کام تھا۔ اس لئے انکی

ناامیدی برابر بڑھتی گئی اور ابھی انہیں وہاں کام کرتے ہوئے دوسرا سال ہی شروع ہوا تھا کہ وہ اس ذمہ داری سے سبکدوش ہونیکی کوشش کرنے لگے۔ لیکن تمام ممبروں نے انہیں مجبور کیا کہ وہ استعفےٰ نہ دیں۔ اور چونکہ وہ سب لوگ اپنے بہت اخلاق اور بڑی مہربانی سے پیش آتے تھے۔ اسلئے انہیں مجبوراً انکی رائے تسلیم کرنی پڑی لیکن سنہ ۱۹۲۵ء میں دوسرے سال کے اختتام پر انہوں نے استعفےٰ دیدیا۔

کملا نہرو کی بیماری

سنہ ۱۹۲۵ء کے موسم خزاں میں جواہر لال نہرو کی بیوی کملا سخت بیمار پڑ گئیں۔ اور مہینوں لکھنؤ کے ہسپتال میں پڑی رہیں۔ اس سال کانگریس کا اجلاس کانپور میں منعقد ہوا تھا۔ اور جواہر لال نہرو اب بھی کانگریس کے جنرل سکرٹری تھے۔ اس لئے بہت پریشانی کے عالم میں انہیں بار بار الہ آباد۔ کانپور اور لکھنؤ دوڑنا پڑتا تھا۔

ڈاکٹروں نے کملا دیوی کے لئے تجویز کیا تھا۔ کہ انہیں علاج کیلئے سوئزرلینڈ لیجایا جائے۔ جواہر لال نہرو بھی کچھ دن کیلئے ہندوستان سے باہر جانے کے خواہشمند تھے۔ کیونکہ ان کا خیال تھا کہ الجھے ہوئے حالات سے نکل کر مختلف چیزوں پر صحیح نظر ڈالی جائے۔ اس لئے انہوں نے اس رائے کو پسند کیا اور مارچ سنہ ۱۹۲۶ء کے شروع میں وہ اپنی بیوی اور لڑکی کے ساتھ بمبئی سے وینس روانہ ہو گئے۔ اسی جہاز میں ان کی بہن اور بہنوئی رنجیت۔ ایس پنڈت بھی تھے جو عرصہ سے یورپ کی سیر کے خواہشمند تھے۔

یورپ کا سفر

جواہر لال نہرو تیرہ چودہ سال بعد یورپ گئے تھے۔ اس عرصہ میں یورپ

جنگِ عظیم کے انقلابات اور بہت سی زبردست تبدیلیوں سے گذر چکا تھا۔ یہاں انہوں نے زیادہ وقت سوئٹزرلینڈ کے شہر جنیوا اور مونتانہ کی صحت گاہ میں گذارا وہ اپنی بیمار بیوی کو زیادہ عرصہ تک تنہا نہیں چھوڑ سکتے تھے اس لئے تھوڑے تھوڑے دن کے لئے دوسرے مقامات پر جانے کا موقع ملتا تھا۔ ۱۹۳۶ء کی شروع گرمیوں میں اُن کی چھوٹی بہن کرشنا بھی ان کے پاس پہنچ گئیں۔ اور ان کے ساتھ وہاں رہیں جب کملا نہرو کی صحت کچھ بہتر ہوئی۔ تو پھر یہ لوگ سیر کی غرض سے فرانس انگلستان اور جرمنی گئے

جینوا کے قیام کے دوران میں انہیں انجمن اقوام اور بین الاقوامی لیبر افس کے کاموں سے خصوصیت کیساتھ دلچسپی سی۔ لیکن موسم سرما شروع ہوتے ہی وہ سرمائی کھیلوں میں محو ہوگئے۔ برف پر پھسلنے کی مشق تو وہ پہلے بھی کرچکے تھے لیکن اب دو تین گز لمبی کھڑاویں پہن کر برف پر چلنے میں انہیں خاص لطف آتا تھا لیکن بحیثیت مجموعی زندگی میں کوئی خاص دلچسپی نہیں تھی۔ وقت گذرتا گیا اور کملا نہرو کو صحت اور طاقت حاصل ہوتی گئی۔ اس عرصہ میں بہت کم ہندوستانیوں سے ملنے کا اتفاق ہوا پھر بھی ذیل کے چند ہندوستانی جلاوطنوں اور پرانے انقلاب پسندوں سے ملنے کا موقع ملا جن کے نام وہ اس سے پہلے بھی اکثر سن چکے تھے۔

شیام جی کرشن ورما

شیام جی کرشن ورما سے جینوا میں ملاقات ہوئی۔ وہ وہاں ایک مکان کی سب سے بالائی منزل پر رہتے تھے۔ انکی بیوی بیمار تھیں اور یہ دونوں بالکل تنہا رہتے تھے۔ شیام جی کے پاس روپیہ بہت تھا۔ لیکن وہ خرچ کرنے کے قائل نہیں تھے۔ ان کے ہاں کوئی نوکر بھی نہ تھا۔ کمرے گھٹے گھٹے سے تھے۔ اور ہر چیز پر خاک کی موٹی

تہہ جمی ہوئی تھی۔

شام جی شکّی بھی تھے۔ انکے پاس جو شخص بھی آتا شک وشبہ کی نظر سے دیکھتے کہ کہیں میرے روپے کی تاک میں نہو یا انگریزوں کا جاسوس نہ ہو۔

ان کی جیبوں میں ان کے رسالے انڈین سوشیالوجسٹ کے پرانے پرچے بھرے رہتے تھے۔ اور جب کبھی موقع ہوتا بڑے جوش سے انھیں نکالکر بارہ برس کے پہلے لکھے ہوئے اپنے مضامین دکھایا کرتے تھے اور اگلے وقتوں کی باتیں بھی سنایا کرتے تھے کہ یہاں یہ ہوا اور وہاں یہ ہوا اور برطانوی حکومت نے میرے پیچھے فلاں فلاں جاسوس لگائے لیکن میں نے انہیں اسطرح پہچانا اور یوں چکمہ دیا

ان کے کمرے میں چاروں طرف الماریاں لگی ہوئی تھیں جنمیں پرانی کتابیں بھری پڑی تھیں۔ لیکن سب گرد آلود اور بے ترتیب تھیں اور آنے والوں کو حسرت سے دیکھتی تھیں۔ فرش پر بھی کتابیں اور کاغذات منتشر پڑے رہتے تھے۔ اور انہیں اکثر اسی طرح پڑے پڑے دن ہفتے بلکہ مہینے گذر جاتے تھے۔ غرض تمام فضا اداس اور ویران تھی۔

شیام جی کا خیال تھا کہ ہندوستانیوں کو غیر ممالک میں تعلیم دلانے کے لئے یا کسی اور رفاہِ عام کے لئے اپنی دولت وقف کر دیں۔ انہوں نے جواہر لال نہرو کو بھی اسکا ٹرسٹی بنانا چاہا لیکن انہوں نے یہ ذمہ داری قبول نہیں کی۔

شیام جی اور ان کی بیمار بیوی اسی طرح گوشہ تنہائی میں اپنی زندگی کے دن کاٹ رہے تھے۔ ان کے ہاں کوئی اولاد نہ تھی۔ نہ عزیز واقارب تھے اور نہ دوست نہ احباب۔ انھیں کسی چیز سے تعلق یا کسی شخص سے واسطہ نہ تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ اپنا وقت کبھی کا ختم کر چکے ہیں اور زمانہ گذشتہ کی ایک ایسی یادگار ہیں جو اس عہد جدید میں کسی طرح نہیں کھپتی۔ دُنیا

انہیں نظر انداز کرتی ہوئی برابر آگے بڑھی چلی جارہی تھی لیکن ان کے دلیں پرانی آگ کی چنگاری اب بھی سلگ رہی تھی۔ جواہرلال نہرو اور ان کے خیالات میں بہت کم یکسانیت تھی لیکن پھر بھی انہیں شیام جی سے بے حد ہمدردی تھی اور انکا بہت ادب کرتے تھے

چند سال ہوئے ان کا انتقال ہوگیا اور اسکے بعد وہ شریف گجراتی خاتون بھی مرگئی جس نے جلاوطنی کی مصیبت میں تمام عمر انکا ساتھ دیا۔ معلوم ہوا تھا کہ اس خاتون نے غیر ممالک میں ہندستانی عورتوں کی تعلیم کیلئے بہت کافی رقم چھوڑی ہے

راجہ مہندر پرتاپ

جواہرلال نہرو نے اس سے پہلے اکثر راجہ مہندر پرتاپ کا نام سنا تھا۔ مگر پہلی ملاقات کا اتفاق سوئزرلینڈ میں ہوا۔ جواہرلال نہرو انہیں دیکھکر حیران رہ گئے۔ وہ عجیب قسم کا مخلوط لباس پہنے ہوئے تھے جو تبت کے پہاڑوں یا سائبریا کے میدانوں کے لئے تو موزوں ہو سکتا تھا۔ لیکن مانٹریوں میں موسم گرما میں بہت بے تکا معلوم ہوتا تھا۔ وہ فوجی قسم کی پوشاک اور اونچے بوٹ ڈانٹے ہوئے تھے۔ ان کے کوٹ میں بہت سی بڑی بڑی جیبیں تھیں۔ اور سب میں کاغذات اور تصویریں وغیرہ بھی بھری ہوئی تھیں۔ انمیں جرمنی کے چانسلر کا خط۔ قیصر کی دستخطی تصویر اور تبت کے دلائی لامہ کا دیا ہوا خوبصورت خریطہ بھی شامل تھا اُنھوں نے جواہرلال نہرو کو بتایا۔ کہ ایک مرتبہ چین میں بہت سے قیمتی کاغذات کا صندوقچہ کھو گیا تھا۔ جب سے یہ طریقہ اختیار کرنا پڑا کہ کثرت سے جیبیں لگوائی جائیں اور اس طرح تمام ضروری کاغذات ہر وقت اپنے پاس رکھے جائیں۔

انہوں نے اپنی چین۔ جاپان۔ تبت۔ اور افغانستان کی سیاست اور مہمات کے

بیشمار واقعات بھی سنائے جو واقعی دلچسپ تھے۔ اب انہوں نے ایک مجلس شادمانی بنائی تھی۔ جسکا مسلک تھا کہ ہمیشہ خوش رہو۔ یہ انجمن بعض مقامات میں کامیاب بھی تھی۔

جینوا یا دوسرے مقامات میں جو کانفرنسیں ہوتی رہتی تھیں ان کے شرکاء کے نام وہ اپنے چھپے ہوئے پیامات کے پوسٹ کارڈ بھیجا کرتے تھے۔ ان پیامات کے آخر میں وہ اپنے ہاتھ سے دستخط کرتے تھے اور اپنا جو نام لکھتے تھے وہ بہت عجیب اور بعید طویل معجون مرکب ہوتا تھا۔ اپنے نام مہندر پرتاپ کے تو وہ صرف ابتدائی حروف ایم۔ پی لے لیتے تھے۔ اسکے بعد ناموں کی ایک لمبی فہرست تھی جنمیں ان کے ہر محبوب ملک کا ایک ایک نام شامل تھا اپنی بین الاقوامی اور آفاقی حیثیت کا اظہار تھا اور آخر میں خادم انسانیت کے لقب پر ختم ہوتا تھا۔

بہت مشکل تھا۔ کہ کوئی شخص راجہ مہندر پرتاب کی باتوں کو سنجیدگی سے سن سکے لیکن اسمیں شک نہیں کہ وہ بہت کھرے اور پرخلوص آدمی تھے۔

مولانا عبید اللہ سندھی

مشہور ہندوستانی جلاوطن مولوی عبید اللہ سندھی سے اٹلی میں ملاقات ہوئی۔ ان مشہور انقلابی مولوی کا نام کشیدہ کاری والے رومالوں کی سازش کے سلسلہ میں رولٹ رپورٹ میں بھی آیا ہے۔ ہندوستان کے انقلاب پسندوں اور بیرونی ممالک کے انقلاب پسندوں کے درمیان رومالوں پر کشیدہ کاری کے ذریعہ جو مراسلے بھیجے جایا کرتے تھے۔ اس سلسلہ میں مولانا نے بیش قیمت خدمات انجام دی تھیں علاوہ ازیں سنہ ۱۹۲۲ء میں مولانا نے کابل میں امیر امان اللہ کے دور میں کانگریس کمیٹی کابل بنائی تھی۔ جس کا الحاق آل انڈیا کانگریس کمیٹی

کے گیا سیشن نے منظور کیا تھا۔ اور برٹش ایمپائر سے باہر کانگریس کی یہ پہلی شاخ تھی جس کی صدارت کیلئے بھی مولانا ہی کو منتخب کیا گیا تھا۔

اعلیٰ حضرت امان اللہ خاں والئ افغانستان اور انگریزوں کے درمیان جو مشہور معاہدہ ہوا تھا۔ اسمیں مولانا عبید اللہ کا بڑا دخل تھا۔ چنانچہ انگریزی سفیر سر ہمیفری ڈاش نے محمود طرزی کے سامنے اسکا اعتراف کیا تھا کہ یہ معاہدہ افغانوں اور انگریزوں کے درمیان نہیں ہوا۔ بلکہ عبید اللہ اور انگریزوں کے درمیان ہوا ہے۔ انگریزوں نے معاہدہ پر دستخط کرنے سے پہلے یہ شرط بھی رکھی تھی۔ کہ عبید اللہ افغانستان سے چلے جانے کا وعدہ کریں۔ چنانچہ اسی سبب مولانا روس چلے گئے روس نے مولانا کو اپنا معزز مہمان بنایا۔ پھر وہاں سے وہ ٹرکی چلے گئے۔

جواہر لال نہرو نے مولانا کے متعلق ایک جگہ لکھا ہے۔ کہ وہ مجھے بہت تیز آدمی معلوم ہوئے۔ انہوں نے "ریاستہائے متحدہ ہند" یا "ہندوستان کی متحدہ جمہوریت" کی ایک اسکیم تیار کی تھی جسمیں فرقہ وارانہ مسائل کو بڑی قابلیت سے حل کرنیکی کوشش کی تھی۔

مولوی برکت اللہ

برلن میں مولوی برکت اللہ سے جواہر لال نہرو کی ملاقات ہوئی۔ یہ نہایت دلچسپ۔ بیحد جوشیلے۔ اور بڑے خوش خلق بزرگ تھے۔ گو سیدھے آدمی تھے اور زیادہ قابلیت بھی نہ تھی۔ لیکن اس کے باوجود نئے خیالات کو جذب کرتے اور دنیا کی رفتار کو سمجھنے کی کوشش کرتے تھے

جواہر لال نہرو ۱۹۲۷ء میں جب سوئزرلینڈ میں تھے تو معلوم ہوا کہ سین فرانسسکو میں مولوی صاحب کا انتقال ہو گیا۔ یہ رنج دہ خبر سن کر انہیں بڑا ملال ہوا۔

ویریندرناتھ چٹو پادھیائے

ویریندرناتھ چٹو پادھیائے ہندوستان کے ایک مشہور خاندان کے فرد ہیں۔ اور عام طور پر چٹو کے نام سے مشہور ہیں بہت قابل اور دلچسپ آدمی ہیں لیکن بیچارے ہمیشہ تنگدست رہتے ہیں اور پھٹے پرانے کپڑے پہن کر گزارا کرتے ہیں اور کبھی کبھی فاقہ تک کی نوبت آجاتی ہے۔ لیکن اسکے باوجود زندہ دلی ان کا ساتھ نہیں چھوڑتی۔ جب جواہرلال نہرو انگلستان میں تعلیم پاتے تھے تو چٹو ان سے کئی جماعت آگے تھے جب ہی سے چٹو کو ہندوستان واپس آنا نصیب نہیں ہوا۔ اور گو اب وطن سے ان کے تمام تعلقات منقطع ہو چکے ہیں۔ لیکن انہیں وطن کی یاد ستاتی ہے۔ اور ہندوستان واپس آنے کیلئے تڑپتے ہیں۔

چمپک رمن پلے

برلن میں ایک اور جلا وطن چمپک رمن پلے سے بھی جواہرلال نہرو کی ملاقات ہوئی۔ وہ اپنے آپ کو بہت بڑا آدمی تصور کرتے تھے۔ نوجوان ہندوستانی طلبہ نے طنزاً انہیں "رائٹ آنریبل" کے مساوی ایک شاندار خطاب بھی دے رکھا تھا کئی سال ہوئے برلن میں ان کا انتقال ہوگیا۔

ایم۔ این۔ رائے

مسٹر ایم۔ این۔ رائے سے ماسکو میں صرف آدھ گھنٹے ملاقات رہی۔ اسوقت وہ بہت مشہور اشتراکی تھے۔ اور بعد میں کسی نامعلوم سبب کی بنا پر وہ اشتمالیوں کی بین الاقوامی مجلس سے علیحدہ ہوگئے اور ہندوستان تشریف لے آئے لیکن

ہندوستان کے قومیت پسندوں کو ان سے کوئی دلچسپی نہیں تھی اور وہ حضرت جو اپنے آپ کو شمالی کہتے ہیں۔ ان پر غداری کا الزام رکھتے تھے۔ علاوہ بریں برطانوی حکومت بھی بُری طرح ان کے پیچھے پڑی ہوئی تھی۔

مسٹر ایم این۔ رائے کو جواہر لال نہرو کے سیاسی نظریئے سے اختلاف تھا۔ اس لئے انہوں نے جواہر لال نہرو کی مذمت میں لاتعداد صفحے کالے کئے لیکن جب ایم۔ این رائے گرفتار ہوئے تو جواہر لال نہرو نے امکانی امداد دی اور اپنی عادت کے بالکل خلاف اس کمیٹی میں شریک ہو گئے۔ جو ان کی طرف سے پیروی کر رہی تھی لیکن سنہ ۱۹۳۱ء میں حکومت نے ایم۔ این رائے کو سزا دیدی اور نہیں کئی برس تک قید تنہائی میں رکھا۔

زمانہ جنگ کی ہندوستانی کمیٹی

برلن میں بہت سے ایسے لوگ ملے۔ جنہوں نے جنگ کے زمانہ میں وہاں ایک ہندوستانی کمیٹی قائم کر لی تھی اس کے اکثر اراکین وہ ہندوستانی طالب علم تھے۔ جو سنہ ۱۹۱۴ء کے ہنگامہ رستخیز کے موقعہ پر جرمن یونیورسٹی میں تعلیم پا رہے تھے۔ انمیں برطانیہ کی دشمنی کا جذبہ کار فرما تھا۔ اور ان کی وطن پرستی نے انہیں برطانیہ کا دشمن بنا دیا تھا۔

جنگ چھڑتے ہی وہ ہندوستانی بھی جو کھلے ہوئے انقلابی تھے سوئٹزرلینڈ کی راہ سے جرمن پہنچکر اس کمیٹی میں شامل ہو گئے۔

جرمن حکومت ...... چونکہ برطانیہ کی ہر مخالف تحریک سے فائدہ اُٹھانا چاہتی تھی اسلئے اس نے اس کمیٹی کو بہت اہمیت دیدی۔

کمیٹی کے اراکین یہ سمجھنے لگے کہ ہمارے پاس کوئی ایسی چیز ہے جسے حاصل

کرنے کیلئے یہ حکومت بے چین ہے۔ اسلئے انہوں نے سودا کرنا شروع کیا۔ اور اس پر اصرار کیا کہ ہندوستان کی آزادی کا اقرار کیا جائے۔

شاید جرمنی کے دفتر خارجہ نے انسے باضابطہ معاہدہ کو بھی لیا تھا کہ اگر جنگ میں جرمنی کی فتح ہوئی۔ تو وہ ہندوستان کو آزاد ملک تسلیم کرلیگا۔ اس وعدہ پر اور بعض اور ضروری شرائط پر ہندوستانی کمیٹی نے جنگ میں جرمنی کی مدد کا اقرار کرلیا تھا۔ چنانچہ اس کمیٹی کے اراکین کا سرکاری طور پر اعزاز و اکرام ہونے لگا تھا اور اسکے نمائندوں کو مختلف سفیروں کے برابر جگہ دی جاتی تھی۔

کمیٹی کے اراکین میں سے اکثر کو عجیب عجیب حادثات پیش آئے اور بڑے بڑے خطرات سے بال بال بچے۔ جنگ ختم ہوتے ہی یہ کمیٹی بھی ختم ہوگئی۔ اور چونکہ جرمنی کو جنگ میں شکست ہوئی تھی۔ اس لئے تمام امیدوں کے خاک میں ملجانے سے ان ہندوستانیوں کی زندگی دوبھر ہو گئی۔ یہ بہت ہی اونچی بازی لگاکر ہارے تھے۔

اب ان کی حیثیت عجیب وغریب ہوگئی تھی کوئی حکومت انہیں اپنی رعیت تسلیم نہیں کرتی تھی اور چونکہ ان کے پاس باضابطہ پاسپورٹ بھی نہیں تھے اسلئے جرمنی سے باہر قدم رکھنا بھی محال تھا۔

انمیں سے بعض لوگوں کو حکومت برطانیہ نے ہندوستان واپس آنے کی اجازت دے دی۔ لیکن جو لوگ وہاں سے نکل سکتے تھے انکی زندگی مصیبت سے پُر تھی اور سنہ ۱۹۳۲ء کے آغاز میں جب نازی دور شروع ہوا تو یہ مصیبت اور زیادہ بڑھ گئی۔ کیونکہ اس وقت ہٹلر برطانیہ کی خوشنودی حاصل کرنا چاہتا تھا اسلئے اس نے اعلان کیا تھا کہ میں ہندوستان میں برطانوی شہنشاہیت کا حامی ہوں۔

البتہ نازی اصولوں کو حرف بحرف تسلیم کر لینے اور حکومت کی مرضی پر چلنے سے ان کا وجود گوارا کیا جا سکتا تھا۔ چنانچہ اس طرح چند ہندوستانیوں نے نازیوں سے میزان پٹا لی تھی۔

لالہ ہردیال

برلن میں ہندوستانی کمیٹی بنائی گئی۔ تو لالہ ہردیال کو بھی جو اس وقت امریکہ کے مغربی ساحل پر تھے۔ برلن بلایا گیا۔ لیکن ان میں اور کمیٹی کے اراکین میں بنبھ نہ سکی۔ حکومت جرمنی اور ہندوستانی کمیٹی انہیں ناقابل اعتماد شخص سمجھنے لگیں۔ اسلئے رفتہ رفتہ انکی علیحدگی ہو گئی۔

جس وقت جواہر لال نہرو جرمنی گئے۔ اس وقت ہردیال سوئیڈن میں مقیم تھے۔ اس لئے اس مرتبہ ملاقات نہ ہو سکی۔

اب کچھ دن ہوئے فلاڈیلفیا امریکہ میں ان کا انتقال ہو گیا۔ لیکن غیر ملکی خبر رساں کمپنیوں نے جنہیں اپنے بہترین ذریعہ رسل و رسائل کا دعوی ہے سر بورے ایک ماہ بعد انکے انتقال کی خبر ہندوستان میں پہنچائی۔

روحانی دق

جواہر لال نہرو یورپ میں جن انقلاب پسند اور جلا وطن ہندوستانیوں سے ملے۔ ان سب میں اتنی مدت گذر جانے کے بعد اور اس جہاں گردی کے باوجود بھی وطن کی کشش باقی ہے۔ یہ ایک روحانی دق ہے۔ جو سب جلاوطنوں میں عام ہے مذکورہ جلاوطنوں کے علاوہ اور بھی بہت سے لوگ ہیں جو دنیا کے مختلف حصوں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اور ان کے ہموطن جن کی خاطر انہوں نے بے اندازہ مصیبتیں

جھیلیں انہیں بھول گئے ہیں۔

یورپ کے مشاہیر

یورپ کے اس سفر میں جواہر لال نہرو بہت سے یورپینوں، امریکنوں اور دیگر مشہور آدمیوں سے بھی ملے۔ ان میں رومین رولان اور جرمن زبان کے نوجوان شاعر اور ڈرامہ نویس۔ آرٹسٹ ٹولر اور نیو یارک، سول لبرٹیز یونین کے بانی روجر بالڈون اور مشہور مصنف دھن گوپال مکرجی اور آکسفورڈ کی تحریک کے علمبردار فرینک بچمین وغیرہ شامل ہیں۔

یورپ کے مزدوروں کی ہڑتال

جواہر لال نہرو سوئٹزرلینڈ پہنچے ہی تھے کہ انگلستان کے کانوں کے مزدوروں میں ہڑتال ہوگئی۔ یہ سن کر وہ جوش سے بیتاب ہو گئے۔ انہیں فطرتاً ہڑتالیوں سے ہمدردی تھی چند مہینہ بعد جب کچھ روز کے لئے انہیں انگلستان جانے کا اتفاق ہوا۔ تو کان کنوں کی اس جنگ کے سبب لندن میں نیم تاریکی کا عالم رہتا تھا۔

جواہر لال نہرو خود کانوں کے علاقوں میں گئے۔ وہاں انہوں نے مردوں عورتوں اور بچوں کے فلاکت زدہ اور اترے ہوئے چہرے دیکھے۔ اس سے زیادہ انہیں یہ دیکھکر حیرت ہوئی کہ جن مقامی عدالتوں میں ہڑتالیوں اور انکی بیویوں پر جو مقدمے چل رہے تھے وہاں کانوں کے ڈائریکٹر یا منیجر خود ہی مجسٹریٹ تھے۔ اور وہ چھوٹے سے جرموں پر بھی ہنگامی قوانین کے ماتحت کان کنوں کو سخت سزائیں دیتے تھے۔

مزدوروں پر ظلم روا رکھنے کی مثالیں ہندوستان میں تو عام ہیں لیکن انہیں یہ توقع نہ تھی کہ انگلستان میں بھی ایسی کھلی مثالیں نظر آئیں گی۔ اسی لئے انہیں سخت حیرت ہوئی اور ایک دھچکا سا لگا۔

نیشنلسٹ پارٹی کی بنیاد

ہندوستان میں اس سال اسمبلی اور کونسلوں کے سہ سالہ انتخابات ہونے والے تھے۔ جواہر لال نہرو کو ان سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ لیکن ہندوستان کے اخبارات جو ان کے پاس وہاں پہنچے تھے۔ ان سے معلوم ہوا کہ اس سلسلہ میں بڑی ہنگامہ خیز بحثیں چھڑی ہوئی ہیں فرقہ پرستی کے فروغ سے پنڈت مدن موہن مالویہ اور لالہ لاجپت رائے نے سوراج پارٹی کے مقابلہ میں ایک نئی پارٹی نیشنلسٹ پارٹی کے نام سے بنالی تھی۔ جسکا رجحان حکومت کیطرف بہت زیادہ تھا۔ اس کے علاوہ یہ خالص ہندو پارٹی تھی اور ہندو مہاسبھا کے ساتھ ملکر کام کر رہی تھی۔ مالویہ جی کی خواہش تھی کہ کوئی ایسی پارٹی بنے جو بہت زیادہ اعتدال پسند ہو۔ اور فرقہ وارانہ مسائل میں ان پر کوئی پابندی عائد نہ کرے اور چونکہ یہ سب صفات خود ان کی اپنی بنائی ہوئی اس پارٹی میں موجود تھے۔ اسلئے سوراج پارٹی کے مقابلہ میں ان کا اپنی پارٹی کو میدان میں لانا تعجب کا باعث نہ تھا۔ لیکن لالہ لاجپت رائے کے متعلق جواہر لال نہرو کو واقعی حیرت تھی کہ وہ کیوں اسمیں شامل ہوئے۔ اسمیں شک نہیں کہ لالہ لاجپت رائے بھی کسی حد تک اعتدال پسند اور فرقہ پرستی کی طرف مائل تھے لیکن اسی سال موسم گرما میں جنیوا میں جب ان دونوں کی ملاقات ہوئی اسوقت لالہ لاجپت رائے کی گفتگو سے انکے اس ارادہ کا اظہار قطعاً نہیں ہوتا تھا لیکن اسمبلی اور کونسلوں

کے انتخاب درحقیقت انسان کے مزاج کا توازن بگاڑ دیتے ہیں اور انکا اخلاقی معیار بہت زیادہ بدل جاتا ہے۔ چنانچہ دوران انتخاب میں لالہ لاجپت رائے نے کانگریس کے لیڈروں پر یہ الزام لگایا کہ وہ بیرون ہند کے لوگوں سے ساز باز رکھتے ہیں۔ باوجودیکہ ان سے بار بار اصرار کیا گیا۔ لیکن وہ نہ کبھی اس الزام کی تفصیلات بتا سکے اور نہ کوئی ثبوت پیش کر سکے۔

کابل میں کانگریس کی شاخ

لالہ دیش بندھو داس کی خواہش تھی کہ برٹش امپائر سے باہر بھی کانگریس کی شاخیں قائم کیجائیں تاکہ کانگریس کا اثر ورسوخ عالمگیر حیثیت اختیار کرلے چنانچہ کانگریس کے باقاعدہ اجلاس کی منظوری کے بعد سب سے پہلے کابل میں کانگریس کی شاخ قائم کی گئی۔

جواہر لال نہرو سکرٹری کی حیثیت سے کانگریس کے تمام معاملات سے اچھی طرح واقف تھے اور خود ان کی موجودگی میں کانگریس کمیٹی کابل کا الحاق منظور کیا گیا تھا۔ لیکن جب سوئزرلینڈ میں انہیں علم ہوا کہ لالہ لاجپت رائے کانگریس کی کابل والی شاخ قائم کرنے کا مقصد بھی یہ بتاتے ہیں کہ غیر ملکی لوگوں سے ساز باز رکھا جائے تو انہیں لالہ جی کے اس الزام پر بہت حیرت ہوئی انکا دعویٰ ہے کہ جہانتک کانگریس کا تعلق ہے وہ الزامات بے بنیاد تھے

سیاسی معجون مرکب

کانگریس یا سوراج پارٹی کی طرف سے الکشن لڑانے کا سارا بوجھ پنڈت موتی لال نہرو پر تھا۔ لیکن فرقہ پرستی کے بڑھتے ہوئے سیلاب کے سبب مخالف پارٹی

کی قوت بہت بڑھی ہوئی تھی۔ پھر بھی پنڈت موتی لال نہرو نے پورا زور لگایا دونوں طرف سے ایک دوسرے پر خوب چوٹیں ہوئیں دونوں فریقوں نے کسی قسم کی مروت یا رعایت نہیں برتی۔ چنانچہ انتخاب کے بعد بھی یہ تلخیاں عرصہ تک لوگوں کے دلوں میں باقی رہیں۔

فرقہ پرستی کی شدت کے سبب نیشنلسٹ پارٹی کو خاصی کامیابی ہوئی لیکن چونکہ قوت بڑھانے کے خیال سے اسمیں خطاب یافتوں۔ بڑے بڑے زمینداروں کارخانوں کے مالکوں اور دوسرے غیر سیاسی لوگوں کو شامل کر کے ایک عجیب معجون مرکب بنا لیا گیا تھا اسلئے اسمبلی کی سیاسی حیثیت بہت گر گئی۔

دنیا بھر کے مظلوموں کی کانفرنس

جواہر لال نہرو ۱۹۲۶ء کے آخر میں برلن گئے۔ اس موقع پر برلن میں دوسرے ملکوں کے جلاوطن اور انتہا پسند اور اشتمالی (کمیونسٹ) وغیرہ بکثرت جمع تھے۔ اور انمیں یہ خیال عام تھا کہ تمام مظلوم قوموں میں اتحاد عمل ہونا ضروری ہے۔ اور یہ کہ مزدوروں کی انتہا پسند جماعتوں کے ساتھ ملکر کام کرنا چاہیئے اسکے علاوہ یہ احساس بہت ترقی پر تھا کہ سب قوموں کا صرف وہی ایک دشمن ہے جسے سامراج کہتے ہیں۔ اور سب کو جنگ آزادی میں اسی سے مقابلہ کرنا ہے۔

انگلستان۔ فرانس۔ اطالیہ وغیرہ وہ سلطنتیں جو نوآبادیوں پر قابض ہیں۔ اس قسم کی کوششوں کی سخت مخالف تھیں۔ لیکن جرمنی جو جنگ عظیم کے بعد سے اسوقت تک نوآبادیوں سے محروم تھا دوسری سلطنتوں کے ماتحت ملکوں کی تحریک آزادی کو روا داری اور ہمدردی کی نظر سے دیکھتا تھا چنانچہ اسی وجہ سے برلن اسوقت دوسرے ملکوں کے ترقی پسندوں اور حکومت کے

مخالفوں کا مرکز بن گیا تھا۔ ان میں سب سے نمایاں چین کے لوگ تھے جو کومن ٹانگ کی انتہا پسند پارٹی سے تعلق رکھتے تھے۔ اس پارٹی کا چین میں بڑا زور تھا۔ اور اپنی نئی قوت سے شہنشاہیت پسند حکومتیں بھی دبتی تھیں۔

اشتراکِ عمل کے خیال سے مظلوم قوموں کے ان نمائندوں نے بروسیلز میں اپنی ایک مشترکہ کانفرنس کا انتظام کیا۔

ہندوستان کی نمائندگی

جب جواہر لال نہرو کو ان تمام حالات کا علم ہوا۔ تو کانفرنس میں شرکت کا خیال ہونا قدرتی امر تھا۔ چنانچہ انہوں نے تمام حالات کانگریس کمیٹی کو ہندوستان لکھ بھیجے اور خواہش ظاہر کی کہ اگر ہماری کانگریس مظلوموں کی اس کانفرنس میں باضابطہ شرکت کرے تو بہت اچھا ہو۔

یہاں کانگریس کمیٹی میں اس تجویز کو بہت پسند کیا گیا اور جواہر لال نہرو کو اس کام کے لئے انڈین نیشنل کانگریس کا نمائندہ مقرر کیا گیا۔ چنانچہ جب شروع فروری ۱۹۲۷ء میں یہ کانفرنس برسیلز میں ہوئی تو اس میں جواہر لال نہرو نے ہندوستان کی نمائندگی کی۔

دنیا کے اور مظلوم

امریکہ کی لاطینی ملکوں میں سے میکسیکو وغیرہ نے بھی عملی امداد دی۔ کیونکہ وہ اُن دنوں ریاستہائے متحدہ امریکہ کی معاشی شہنشاہی سے تنگ آگئی تھیں میکسیکو جسکا صدر ایک انتہا پسند شخص تھا۔ ریاستہائے متحدہ امریکہ کے خلاف لاطینی امریکن قوموں کا ایک جتھا بنانا چاہتا تھا اس لئے اس نے برسیلز

کانفرنس سے بڑی دلچسپی کا اظہار کیا۔ لیکن باضابطہ طور پر حکومت اسمیں شرکت نہیں کر سکتی تھی۔ اس لئے اس نے اپنے ایک ممتاز ماہر سفارت کو بھیجا۔ کہ وہ ایک ہمدرد تماشائی کی حیثیت سے کانفرنس میں شریک ہو۔

اسکے علاوہ جاوا۔ چینی ہند۔ فلسطین۔ شام۔ مصر عرب۔ شمالی افریقہ اور افریقی حبشیوں کی قومی انجمنوں کے نمائندے بھی آئے تھے اور مزدور جماعتوں کی انتہاپسند پارٹیوں نے بھی اپنے آدمی بھیجے تھے۔

مظلوموں کے سرپرست

بروسیلز کانفرنس کسقدر پر اثر تھی۔ اس کا ادنی ثبوت یہ ہے کہ مسٹر جارج لینسبری اس کے صدر رہے۔ اجلاس میں انہوں نے جو تقریر کی وہ بھی یادگار چیز ہے۔ اسکے علاوہ انہوں نے اس مستقل ادارے کا صدر ہونا بھی منظور کر لیا تھا جو انجمن مخالف سامراج کے نام سے قائم کیا گیا تھا۔

علاوہ ازیں اس کے اور بھی بڑے بڑے سرپرست موجود تھے جنمیں آئنسٹین میڈن سن یاٹ سین اور غالباً رومین رولان بھی شامل تھے۔

شہنشاہ پسندوں میں زلزلہ

شہنشاہی سلطنتوں کی نوآبادیات اور امور خارجہ کی وزارتیں بروسیلز کانفرنس سے بہت گھبرائیں برطانوی وزارت خارجہ کے مشہور مصنف اینگر نے اپنی ایک کتاب میں ہیجان خیز طریقہ پر اس کا ذکر کیا ہے اور کہیں کہیں اس کی ہنسی بھی اڑائی ہے۔

خفیہ پولس کے شعبدے

اس بات کا پورا یقین ہے کہ بروسیلز کانفرنس میں مختلف سلطنتوں کے جاسوس موجود تھے۔ بلکہ بعض نمائندے بھی خفیہ پولس سے تعلق رکھتے تھے۔ اس کی ایک مثال پیرس میں ملی۔

جواہرلال نہرو کے ایک امریکن دوست پیرس گئے ہوئے تھے وہاں ان کو ایک فرانسیسی ملنے آیا جو وہاں کی خفیہ پولس میں ملازم تھا۔ یہ محض یونہی ملاقات تھی اور ان سے بعض واقعات کے متعلق کچھ پوچھنے آیا تھا۔ جب گفتگو ختم ہوگئی تو اس نے کہا میں آپ سے پہلے بھی مل چکا ہوں۔ کیا آپ نے مجھے پہچانا۔ امریکن نے بغور اسے دیکھا۔ مگر بالکل نہ پہچان سکا۔ خفیہ پولس والے نے بتایا۔ کہ بروسیلز کانفرنس میں آپ سے ملاقات ہوئی تھی۔ جہاں میں چہرے اور ہاتھوں وغیرہ پر سیاہ روغن مل کر حبشی نمائندے کی حیثیت سے شریک ہوا تھا

انگریز صدر کا عذر لنگ

انجمن مخالف شہنشاہی کے صدر مسٹر لینسبری نے بہت جلد رنگ بدل لیا کیونکہ ان کی مزدور پارٹی ان دنوں پارلیمنٹ میں باضابطہ مخالف حکومت پارٹی تھی اور چونکہ وہ بہت جلد وزارت کے منصب پر فائز ہونے والی تھی۔ اس لئے صاف ظاہر ہے کہ جو لوگ کچھ دنوں بعد وزیر بننے والے ہوں وہ خطرناک انقلابی سیاست میں پھنسنا کب پسند کریں گے چنانچہ مسٹر لینسبری مصروفیت کا عذر کر کے نہ صرف انجمن کی صدارت سے علیحدہ ہوگئے بلکہ انہوں نے ممبری سے بھی استعفےٰ دے دیا۔

جس شخص کی تقریر نے دو تین مہینے پہلے جواہرلال نہرو کے دل کو لبھایا تھا یکایک اسکا رنگ بدلتا دیکھکر انہیں کیوں نہ رنج ہوتا

فلسطینی عربوں کی حمایت کا جرم

چند ماہ بعد آئنسٹین نے بھی اس ادارے سے استعفےٰ دیدیا۔ وہ انجمن کی اس پالیسی سے سخت ناراض تھے کہ وہ فلسطین کے عربوں اور یہودیوں کے جھگڑے میں عربوں کی حمایت کیوں کرتی ہے۔

غیر ملکی پولس کی حراست میں

انجمن مخالف شہنشاہی کا ایک اجلاس کولون میں ہوا۔ اسمیں جواہرلال نہرو نے بھی شرکت کی۔ اس کے بعد ڈسل ڈروف میں جو کولون کے بہت قریب ہے ایک جلسہ ہوا۔ اسمیں بھی انہوں نے شرکت کی واپسی میں پولس نے ٹوکا اور پاسپورٹ دیکھنا چاہا اکثر لوگوں کے پاس پاسپورٹ موجود تھے۔ لیکن وہ اپنا پاسپورٹ کولون کے ہوٹل میں چھوڑ آئے تھے کیونکہ ڈسل ڈروف میں صرف چند ہی گھنٹے قیام کا ارادہ تھا۔

پاسپورٹ ہمراہ موجود نہونے کے سبب انہیں حراست میں پولس اسٹیشن پہنچایا گیا۔ اتفاقاً ایک انگریز اور اسکی بیوی اس مصیبت میں ان کے شریک تھے تقریباً ایک گھنٹہ وہاں ٹھیرنا پڑا۔ اس دوران میں غالباً پولس نے ٹیلیفون کرکے اطمینان کرلیا۔ پھر جانے کی اجازت دیدی گئی۔

انجمن مخالف شہنشاہی کی خفگی

جواہرلال نہرو کے ہندوستان واپس آجانے کے بعد بھی اس انجمن سے

ذریعہ خط و کتابت انکا تعلق باقی تھا لیکن جب ۱۹۳۱ء میں حکومت ہند اور
اور کانگریس کے درمیان عارضی صلح ہوئی تو انجمن سخت ناراض ہوئی اور اس
نے ایک ریزولیوشن کے ذریعہ انکا نام خارج کر دیا۔ گو انجمن کیلئے اشتعال
کی وجہ موجود تھی مگر افسوس یہ ہے کہ اس نے صفائی کا موقع نہیں دیا۔

روس کی کشش

۱۹۲۷ء کے موسم گرما میں پنڈت موتی لال نہرو یورپ گئے۔ اور
رو ینس میں جواہر لال نہرو سے ملے۔ پھر سوویٹ روس کی دسویں سالگرہ کے
جشن میں شریک ہونے کیلئے نومبر میں چند روز کیلئے یہ سب خاندان روس روانہ ہوا۔

پولینڈ کے مناظر

جرمن سے روس جاتے ہوئے اس قافلہ کو پولینڈ سے گذرنا پڑا اور ریل
میں سے جو مناظر دیکھے جاسکے۔ ان سے عیاں ہوتا تھا کہ پولینڈ اسوقت تک
ایک ویران اور غیر ترقی یافتہ ملک کی حیثیت رکھتا تھا کیونکہ صنعتی ترقی کی علامتیں
وہاں بہت کم دکھائی دیتی تھیں۔ نہرو خاندان کے ساتھ ایک جرمن رہبر تھا اُسے
پولینڈ اور وہاں کے ذرہ ذرہ سے نفرت تھی اور وہ وہاں کے باشندوں کو وحشی
سمجھتا تھا اسکا خیال تھا کہ تہذیب و تمدن جرمن کی سرحد پر ختم ہو گئے۔

روسی حکومت کی مہمان نوازی

برلن سے روانگی کے ۲۰ گھنٹے کے بعد ۷ نومبر کی شب کو یہ قافلہ سوویٹ
روس کے سرحدی مقام نیگرو لوجی پہنچا۔ ان معزز مہمانوں کے خیر مقدم کیلئے

ایک روسی افسر اسٹیشن پر پہلے سے موجود تھا۔ جشن کی تقریب میں اسٹیشن جھنڈیوں سے خوب آراستہ تھا۔ جابجا لیڈروں کی تصویریں آویزاں تھیں۔ اور بڑے بڑے سُرخ جھنڈے پر ہتھوڑے اور درانتی کی تصویریں بنی ہوئی تھیں جو سوویٹ روس کا قومی نشان ہے۔

اسٹیشن کے اسٹاف نے اپنے ان ہندوستانی مہمانوں کو ایک پرتکلف دعوت دی اور ہندوستانیوں کی طرح بہت زیادہ اصرار کیساتھ کھانا کھلایا پھر ایک ایڈریس پیش کیا گیا جسکے جواب میں جواہرلال نہرو نے ایک مختصر تقریر کی روسیوں نے اس جلسے کی کارروائی میں بڑی دلچسپی سے حصّہ لیا۔

نیگورولوجی سے یہ قافلہ روسی ریل میں سوار ہوا۔ وہاں ریلوے ٹرینوں میں پہلے دوسرے یا تیسرے درجہ کی تخصیص نہیں ہوتی۔ صرف ایک ہی درجہ ہوتا ہے البتہ سونے کیلئے خاص گاڑیاں ہوتی ہیں۔ روسی میزبانوں نے اپنے معزز مہمانوں کے لئے اسی قسم کی گاڑیوں کا انتظام کیا اور یہ لوگ تمام رات اور دوسرے دن مسلسل سفر کرتے ہوئے سہ پہر کو ماسکو پہنچے۔ راستہ میں جتنے اسٹیشن پڑے سب آراستہ و پیراستہ تھے اور لوگ صاف ستھرے لباس میں ملبوس تھے۔ کیونکہ یہ روسیوں کا بہت بڑا قومی تہوار تھا۔ اور اس فتح کی یادگار تھا جو دس سال قبل بالشویکوں نے حاصل کی تھی۔ ماسکو کے سٹیشن پر کلچرل سوسائٹی کے نمائندوں اور مسٹر ایس جے سکلتولہ نیز بہت سے ہندوستانی نوجوانوں نے اس ہندوستانی قافلہ کو خوش آمدید کہا۔ اور قیام کیلئے ہوٹل ڈی ماسکو میں انتظام کیا گیا جو بہت شاندار عمارت ہے اور جسمیں شاہان سلف کے عظمت و جلال کی علامتیں اب بھی موجود ہیں۔ لیکن چونکہ شان و شوکت موجودہ نظام حکومت کے اصولوں کے منافی ہے۔ اسلئے اس قسم کی نمائشی چیزوں کو ڈھانک دیا گیا تھا۔

جواہرلال نہرو کو یہ سنکر افسوس ہوا کہ بڑا جشن ان کے پہنچنے سے ایک روز قبل منایا جاچکا تھا اس روز روس کے طول و عرض سے آئے ہوئے مزدوروں فوجیوں اور شہریوں نے جن کی تعداد دس لاکھ تھی بین الاقوامی گیت کے ترانوں کے ساتھ جو مزدوروں کا قومی راگ ہے لینن کے مقبرے کو سلامی دیتے ہوئے مارچ کیا تھا۔ کارخانوں، کالجوں، مدرسوں، قصبوں، اور دیہاتوں کے نمائندے اس جلوس میں شامل تھے۔ علاوہ ازیں مزدوروں اور کسانوں مردوں، عورتوں اور بچوں نے جو چالیس قطاروں میں تھے اور فوجی پھریرے لئے ہوئے تھے۔ نہایت جوش و خروش کیساتھ سلامی دی گئی۔ یہ جلوس کتنا لمبا تھا اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ یہ مارچ صبح سویرے سے رات گئے تک مسلسل جاری رہا تھا۔

ماسکو کی سیر

ماسکو میں نہرو خاندان کا قیام بہت قلیل عرصہ رہا۔ اور پورے طور پر سیر سیاحت نہو سکی۔ پھر بھی جواہرلال نہرو نے اس خوبصورت شہر کے خوشنما مناظر سے کافی حظ حاصل کیا۔

انھوں نے ماسکو کے بازاروں اور گلی کوچوں میں کافی بھیڑ بھاڑ دیکھی اور وہاں زیادہ تر لوگ پیدل چلتے ہوئے دیکھے گئے اور ہر مقام پر ہجوم در ہجوم نظر آئے۔ لیکن وہ اتنی باقاعدگی کے ساتھ آہستہ چلتے تھے اور ٹریفک کے ضابطوں کا اتنا لحاظ رکھتے تھے کہ آمد و رفت کے انتظام میں کوئی خلل نہیں پڑتا تھا۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ وہاں بگھیوں اور موٹروں کی آمد و رفت بہت کم ہوتی ہے۔ کیونکہ موٹریں یا تو گورنمنٹ کی ہیں یا سوویٹوں کی۔

ٹریڈ یونینوں۔کوآپریٹو بنکوں۔فیکٹریوں یا بڑی بڑی فرموں کی ملکیت ہیں۔اسکے علاوہ بہت بڑی تعداد کرائے کی ٹیکسیوں کی ہے۔یہاں کسی ذات خاص کی کوئی موٹر نہیں دکھائی دیتی۔اگرچہ موٹر بسوں اور ٹیکسیوں کے علاوہ وہاں بجلی کی ٹریم بھی چلتی ہے۔لیکن لندن۔پیرس۔برلن وغیرہ کے مقابلے میں ان سب چیزوں کا تناسب بہت کم ہے۔

جشن کی تقریب کے سلسلہ میں تمام شہر دلہن کی طرح سجا ہوا تھا۔قومی جھنڈوں کے علاوہ اکثر مقامات پر لینن کی تصویریں بھی لگی ہوئی تھیں۔اور دس کا ہندسہ بھی اکثر جگہ پر دیکھنے میں آیا جو آزادی کے دسویں سال کو ظاہر کرتا تھا ماسکو میں امیری غریبی کا فرق نہیں دکھائی دیتا ہر شخص کو خواہ وہ ریلوے سٹیشن کا قلی ہو یا کسی ہوٹل کا بوائے ہو رفیق۔(کامریڈ) کے نام سے خطاب کیا جاتا ہے۔وہاں کسی شخص کی حیثیت کا اندازہ اسکی آمدنی سے نہیں کیا جا سکتا۔کیونکہ کمیونسٹ پارٹی کے ممبروں کو جو حکومت کے تمام بڑے عہدوں پر فائز ہیں زیادہ سے زیادہ سوا دو سو روبل مہینہ ملتا ہے جو ہندوستان کے تین سو روپے کے برابر ہے روسی یونین کے پریزیڈنٹ کی تنخواہ بھی یہی ہے۔اور لطف یہ ہے کہ اس کی اور اس کے کلرک کی تنخواہ میں کوئی نمایاں فرق نہیں ہے۔بلکہ اتنا سا فرق ہے کہ پریزیڈنٹ کو رہنے کے لئے کچھ کمرے ایک کار چند معمولی رعائتیں حاصل ہیں۔جو کلرک کو حاصل نہیں ہیں۔گانوں کا کوئی کسان یا کارخانے کا کوئی مزدور جب پریزیڈنٹ سے ملنے آتا ہے تو وہ اس طرح ملتا ہے۔جیسے ان دونوں کی حیثیت بالکل یکساں ہے۔

دوسرے بڑے بڑے شہروں کی طرح ماسکو میں بھی بڑی بڑی دکانیں اور اسٹور ہیں۔لیکن وہ سب گورنمنٹ کی ملکیت ہیں۔البتہ چھوٹی چھوٹی دکانیں

عام افراد کی ہیں۔ ان تمام بڑی چھوٹی دکانوں کے مال میں سادگی پائی جاتی ہے۔ اور لندن یا پیرس کی طرح فیشن کی جھلک کہیں نظر نہیں آتی۔ وہاں کے باغوں گذرگاہوں اور تماشوں میں کوئی بھی آدمی فاخرہ لباس اور قیمتی کپڑے پہنے ہوئے نہیں دکھائی دیتا۔ جب جواہر لال نہرو کلینن پریزیڈنٹ یونین سے ملنے گئے تو انھوں نے دیکھا کہ اسے رہنے کے لئے تین کمرے ملے ہوئے تھے اس کا فرنیچر بھی بالکل سادہ تھا اور شان و شوکت کے کوئی آثار نہیں تھے۔

جواہر لال نہرو نے ماسکو کو مغربی ممالک کے شہروں سے بالکل نرالا پایا وہاں بہت سے سنہری کلس والے مقبرے۔ وسیع چوک اور فراغ سڑکیں ہیں۔ اسلئے وہ مغربی دنیا کے دوسرے شہروں کی بہ نسبت بالکل نئی قسم کی بستی دکھائی دیتی ہے۔ وہاں انواع و اقسام کی جیتی مختلف پوشاکیں نظر آتی ہیں مغرب کے کسی ملک میں نہیں دکھائی دیتیں۔

نہرو خاندان کو زار کے زمانے کا عالیشان دارالامرا بھی دیکھنے کا اتفاق ہوا جس کو ٹریڈ یونین حال میں بدل دیا گیا ہے۔ جواہر لال نہرو نے اس عمارت کی نفاست کو بیحد پسند کیا۔ انہوں نے قصر کریملین بھی دیکھا جس میں نہایت عالیشان عمارتیں اور بڑے بڑے گنبد ہیں۔

قصر کریملین کے قریب ہی سرخ چوک میں ایک سادہ مقبرے کے اندر لینن کی ممی کی ہوئی لاش رکھی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ اپنی زندگی میں کوئی خوبصورت آدمی نہیں تھا۔ لیکن اس کا مردہ نہایت حسین ہے۔ اسکے ہونٹوں پر مسکراہٹ اور اسکی صورت پر اطمینان اور سکون کی جھلک ہے۔ اسکا جسم وردی مین ملبوس ہے۔ اور ایک ہاتھ کی مٹھی قدرے بند ہے۔ مردہ حالت میں بھی وہ ڈکیٹر معلوم ہوتا ہے۔ اور یہ یقین نہیں آتا کہ وہ مر گیا ہے۔ بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے

کہ وہ آرام کی نیند سو رہا ہے

ماسکو کے بازاروں میں جواہرلال نہرو نے ایک رنجدہ نظارہ بھی دیکھا ہندوستان کی طرح وہاں بھی نوجوان عورتیں جنمیں سے بعض کی گود میں بچے بھی ہوتے ہیں عام گذرگاہوں پر بھیک مانگتی ہوئی دکھائی دیتی ہیں۔ گو دورِ گذشتہ کی بہ نسبت گداگروں کی تعداد میں بہت بڑی کمی ہوگئی ہے۔ لیکن بھکاریوں کی دیرینہ عادت کو بالکل چھوڑا دینا مشکل ہے۔ انقلاب بھی ان گداگروں کا انتظام نہ کرسکا

روس میں خدا پرستی

ماسکو میں بہت زیادہ گرجا ہیں۔ ان کی تعداد کا اندازہ سولہ سو تک کیا جاتا ہے انمیں سے بہت سے بڑے بڑے گرجاؤں کو عجائب خانوں میں تبدیل کر دیا گیا ہے۔ سوویٹ گورنمنٹ مذہب کی حوصلہ افزائی نہیں کرتی۔ چنانچہ مدرسوں اور کالجوں میں جو تعلیم دی جاتی ہے اسمیں مذہب کا ذکر تک نہیں ہوتا۔ بلکہ وہاں بہت سی انجمنیں ایسی بھی ہیں۔ جو مذہب کے خلاف زبردست پروپیگنڈا کرتی ہیں۔ لیکن ان کے باوجود جو خدا پرست لوگ ہیں۔ انہیں عبادت سے روکا نہیں جاتا مذہب کے شیدائی نہایت آزادی کیساتھ گرجاؤں میں جاتے ہیں۔ چنانچہ قصر کریملین کے دائیں طرف حضرت مریم کے گرجا میں جس کے تقدس کا وہاں بڑا شہرہ ہے۔ جواہرلال نہرو نے خود بہت بڑے ہجوم کو عبادت کیلئے جاتے ہوئے دیکھا۔

روسی جیل خانے کا معائنہ

روس میں جرم کو جہالت یا نادانی یا گردوپیش کے خراب حالات کا نتیجہ قرار دیا جاتا ہے۔ اس لئے جیل جانے میں مجرم کو سخت سزائیں دیکر وحشی بنانیکے

بجائے وہاں اُسے اچھا شہری بنانیکی کوشش کی جاتی ہے۔

جواہر لال نہرو کو ایک روسی جیل خانے کے معائنہ کا موقعہ بھی ملا۔ وہاں قیدیوں کو کوئی نمبر نہیں دیا جاتا۔ ان کے لئے کسی قسم کی وردی کو بھی مخصوص نہیں کیا گیا۔ لباس کے لحاظ سے وہ کسی طرح بھی قیدی نہیں معلوم ہوتے۔ جیل خانے کے اندر ان کے لئے کھیلوں کا انتظام ہے اور انسے اتنے ہی گھنٹے کام لیا جاتا ہے جتنا کہ عام طور پر کارخانوں میں مزدوروں سے کام لیا جاتا ہے ان کے کام کی اجرت بھی دی جاتی ہے جسمیں سے وہ ایک مقررہ رقم وہاں خرچ بھی کرسکتے ہیں۔ بقایا روپیہ ریزرو فنڈ میں جمع رہتا ہے جو رہائی کے وقت ادا کیا جاتا ہے۔ تاکہ نئی زندگی شروع کرنے کیواسطے قیدی کے پاس کچھ سرمایہ موجود ہو جیل میں اسٹور کا انتظام بھی ہے جہاں سے قیدی کھانے پینے کی چیزیں۔ صابن۔ لیونڈر اور سگریٹ وغیرہ حسب مرضی خرید سکتے ہیں۔ قیدی کے رشتہ دار اور دوست بھی باہر سے اسکے لئے چیزیں یا روپیہ بھیج سکتے ہیں جیل کے اندر حجام کی دکان بھی ہوتی ہے۔ جواہر لال نہرو نے وہاں ایک قیدی کو خط بنواتے ہوئے دیکھا۔ حجامت کے اختتام پر حجام نے فوارے سے اسکے منہ پر یوڈی کلون کے چھینٹے دیئے

جیل خانے کی بعض بعض کوٹھڑیوں میں ریڈیو سیٹ بھی دیکھے گئے جنکے متعلق بتایا گیا کہ وہ قیدیوں نے اپنے خرچ سے لگائے ہیں۔ بیڑیاں اور ہتھکڑیاں وہاں کے جیلوں کی بجائے عجائب خانو میں نمائش کیلئے رکھدی گئی ہیں۔ قیدیوں کو گھر جانے کی چھٹی بھی دی جاتی ہے۔ وہ مچلکے لکھکر چند روز کے لئے اپنے گھر جاسکتے ہیں۔ کسانوں کو فصل کاٹنے کے وقت یہ رخصت دی جاتی ہے تاکہ ان کا نقصان نہ ہو

بعض جیلوں میں سوت کاتنے اور کپڑا بننے کے کارخانہ بھی قائم ہیں جہاں

بلورے زور شور سے مشینیں کام کرتی ہیں اور ان تمام مشینوں سے قیدیوں کا کام لیا جاتا ہے۔ اس طرح قیدیوں میں سے شرافت اور انسانیت کا جذبہ پائمال نہیں ہونے پاتا۔ کیونکہ وہاں قیدیوں کو سزا نہیں ملتی بلکہ ان کی اصلاح ہوتی ہے

ماسکو میں نہرو خاندان کا قیام بہت مختصر تھا۔ اتنے قلیل عرصہ میں جدید روس کے متعلق گو کچھ زیادہ معلومات حاصل ہو سکیں لیکن یہ ذراسی جھلک بھی ان لوگوں کے لئے بے حد مسرت کا باعث ہوتی ہے۔

جواہر لال نہرو نے روس کے متعلق جو کچھ پڑھا تھا وہیں جا کر اسے قریب سے دیکھا اور سمجھا۔ ان کے والد کے لئے بھی یہ اجتماعی اصول بالکل انوکھے تھے انھوں نے بھی ماسکو میں جو کچھ دیکھا اسکا بہت اثر لیا اور ارماں بھرے دل کے ساتھ اس تمنا کو لئے ہوئے واپس آئے کہ اس کے کلسوں کو دھوپ میں چمکتے ہوئے اور اس کے بازاروں کو جو مشرق اور مغرب کے لاتعداد آدمیوں سے بھرے رہتے ہیں ایک مرتبہ پھر دیکھیں۔

سر جان سائمن سے دوستی

ابھی نہرو خاندان ماسکو میں ہی تھا۔ کہ سائمن کمیشن کے تقرر کا پہلی بار اعلان ہوا۔ چند روز بیشتر پنڈت موتی لال نہرو نے پریوی کونسل میں زمینداری کے ایک پرانے مقدمہ کی پیروی کی تھی سر جاں سائمن اس مقدمہ میں ان کے رفیق تھے۔ اس مقدمہ کی ابتدائی منزلوں میں جواہر لال نہرو بھی اس کی پیروی کر چکے تھے۔ مگر اب انہیں ان کاموں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ مگر سر جان سائمن نے خاص طور پر انہیں بلوایا۔ چنانچہ وہ ایک بار ان کے دفتر میں گئے اور مشورے میں شریک ہوئے۔

ترکی اور مصر کی سیاحی کی حسرت

۱۹۲۷ء ختم ہو رہا تھا اور جواہر لال نہرو کا یورپ کا قیام بہت طویل ہو چکا تھا۔ اس لئے شروع دسمبر میں وہ اپنی بیوی بہن اور بیٹی کے ساتھ مارسیلز سے کولمبو روانہ ہو گئے۔ ان کی زبردست خواہش تھی کہ واپسی میں جنوبی مشرقی یورپ ترکی اور مصر کی بھی سیاحت کریں۔ لیکن وقت کی تنگی کے سبب وہاں جانا نہ ہو سکا۔ کیونکہ کانگریس کے اجلاس میں جو کرسمس کے دنوں میں مدراس میں ہونے والا تھا۔ ان کا شریک ہونا بہت ضروری تھا۔

البتہ ان کے والدین نے انکے بعد بھی یورپ میں تین مہینہ اور قیام کیا

دنیا کے لئے امید کا پیام

جواہر لال نہرو کی بیوی کملا یورپ سے بالکل صحتیاب ہو کر تو واپس نہیں آئیں لیکن اسمیں شک نہیں۔ کہ ان کی حالت پہلے کی بہ نسبت اسقدر بہتر تھی کہ جواہر لال نہرو ان کی طرف سے مطمئن تھے۔ وہ خود بھی یورپ سے جسمانی اور دماغی حیثیت سے تازہ دم ہو کر لوٹے تھے۔ اور انکا نظریہ حالانکہ اب بہت وسیع ہو چکا تھا۔ انہیں صرف قومیت کے عقیدے محدود اور ناکافی معلوم ہوتے تھے انکا خیال تھا کہ بغیر سماجی آزادی اور حکومت اور معاشرت کی تنظیم کے فرد کچھ زیادہ ترقی نہیں کر سکتا۔ یورپ اور امریکہ میں جو عظیم الشان سیاسی۔ معاشی اور تمدنی تغیرات ہو رہے تھے۔ انکے مطالعہ میں انھیں بڑا لطف آتا تھا۔

روس کے متعلق ایک جگہ انھوں نے لکھا ہے کہ سوویٹ روس بعض ناگوار پہلوؤں کے باوجود مجھے پسند تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ دنیا کیلئے امید کا پیام

ذہنی انقلاب کی تیاریاں

وہ زبردست کساد بازاری جو بعد میں تمام دنیا پر چھا گئی گو اس وقت تک رونما نہیں ہوئی تھی۔ اور یورپ اس زمانہ میں ایک حد تک امن وامان کی زندگی بسر کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ لیکن جواہر لال نہرو کو یقین تھا کہ یہ امن و سکون محض عارضی ہے اور بہت جلد ساری دنیا میں زبردست تغیر ہونیوالا ہے۔ اس لئے وہ سمجھتے تھے کہ ان کے لئے سب سے زیادہ ضروری کام یہ ہے کہ اپنے ملک کو ان عالمگیر واقعات کی خبر دی جائے تاکہ حتی الامکان وہ اسکے لئے تیار رہیں۔ انکا خیال تھا کہ یہ تیاریاں زیادہ تر ذہنی حیثیت سے ہونی چاہئیں۔

آزادی کامل کا اعلان

ان کا خیال تھا کہ یہ قطعی طور پر طے ہو جانا چاہیئے۔ کہ کامل آزادی ہمارا مقصد ہے۔ اور اس میں اور درجہ نوآبادیات کے مبہم اور الجھے ہوئے فقرے میں زمین اور آسمان کا فرق ہے اسی کے ساتھ ساتھ سماجی آزادی اور معاشرت کی تنظیم کا تعین بھی ضروری تھا۔ لیکن انہیں یہ توقع تھی کہ کانگریس اس معاملہ میں زیادہ دور تک قدم نہ بڑھائیگی کیونکہ وہ ایک خالص سیاسی قومی جماعت ہے اور قومیت کے سوال کے سوا کسی اور طرز خیال سے آشنا نہیں۔ اسلئے ان کی خواہش تھی کہ وہ کانگریس میں کوئی عہدہ قبول نہ کریں بلکہ کانگریس کے باہر مزدوروں اور نوجوانوں کے حلقوں میں یہ چیز آگے بڑھائیں۔ لیکن مدراس پہنچتے ہی کانگریس کی مصروفیت میں مشغول ہونا پڑا اور انہوں نے ورکنگ کمیٹی میں کامل آزادی رزولیوشن پیش کر دیا۔ اور وہ منظور کر لیا گیا۔

خطرۂ جنگ

کامل آزادی کی تحریک کے ساتھ انہوں نے ورکنگ کمیٹی میں انجمن مخالف شہنشاہی سے اتحاد عمل اور خطرۂ جنگ کے متعلق بھی تحریکیں پیش کیں اور یہ سب منظور کرالی گئیں اور پھر جب کانگریس کے کھلے اجلاس میں بھی ان کی تمام تجویزیں متفقہ طور پر پاس ہوگئیں تو انہیں بڑی مسرت ہوئی۔

پرزور اور اہم مطالبہ

ان کی تحریکوں کے متفقہ پاس ہونے میں ہر طرف سے مدد ملی یہ انکے لئے بڑی خوشی کی بات تھی۔ لیکن اسکے باوجود ان کے دلمیں کھٹکا تھا کہ لوگوں نے ان تجویزوں کو اچھی طرح سمجھا نہیں یا شاید انہیں توڑ مروڑ کر کچھ اور معنی پہنا لئے ہیں چنانچہ جب کانگریس کے اسی اجلاس میں سائمن کمیشن کی مخالفت اور اس کے بائیکاٹ کا اعلان ہوا۔ اور یہ تجویز کیگئی کہ ہندوستان کا دستور اساسی مرتب کرنے کے لئے ایک آل پارٹیز کانفرنس منعقد کی جائے تو کامل آزادی کی تجویز بے اثر ہوکر رہ گئی۔ اور اس تجویز کی عجیب عجیب تاویلیں کی جانے لگیں۔

لیکن کامل آزادی کی تجویز جو اس وقت تک محض ایک عام جذبہ کا اظہار تھا۔ روز بروز بڑھتا گیا۔ اور دو تین سال بعد ہی اس نے کانگریس کے اہم اور پرزور مطالبے کی حیثیت اختیار کرلی۔

ڈاکٹر انصاری کا مشورہ

کانگریس میں وہ کوئی عہدہ لینے کیلئے تیار نہ تھے۔ لیکن انکے شخصی اثر

اور ان کے پرانے اور عزیز دوست ڈاکٹر انصاری صدر کانگریس کے اصرار نے انہیں دوبارہ کانگریس کا سیکرٹری بنا دیا۔ اس کے علاوہ انہیں یہ بھی خیال تھا کہ کہیں کانگریس آل پارٹیز کے ذریعہ یا کسی اور اثر سے اعتدال اور سمجھوتے کی پالیسی اختیار نہ کرے۔ اس لحاظ سے اور بھی انہوں نے یہ عہدہ قبول کر لیا۔ کہ خود ہی ان تجویزوں کو عمل میں لانے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ کیونکہ ان کی زبردست خواہش تھی۔ کہ کانگریس کو جوان دلنوں پالیسی کے معاملہ میں کچھ ڈگمگا رہی تھی۔ اعتدال پسندی کی طرف نہ لوٹنے دیں اور کامل آزادی کے مقصد کو برقرار رکھیں۔

حکیم اجمل خاں کا وصال

ابھی کانگریس کا اجلاس ختم نہیں ہوا تھا۔ کہ دہلی سے کانگریس کے سرگرم اور نمایاں لیڈر حکیم اجمل خاں صاحب کے انتقال کی خبر آئی۔ اس روح فرسا سانحہ سے ملک بھر میں ماتم کی صف بچھ گئی۔ ہندوستان کا ہر شخص انکے تدبر کا مداح تھا۔ اور کانگریس کے سب لیڈران کی عظمت کو تسلیم کرتے تھے۔ انکے انتقال سے کانگریس میں جو جگہ خالی ہوئی۔ وہ اب تک پر نہیں ہو سکی

جواہر لال نہرو نے ان کو اپنی ایک تحریر میں اسطرح خراج تحسین پیش کیا۔

وہ کانگریس کے سابق صدر تھے اور اس کے بوڑھے مدبروں میں انکا شمار تھا مگر انمیں ایک نمایاں بات یہ اور تھی جس سے وہ کانگریس کے تمام لیڈروں میں خاص امتیاز رکھتے تھے کہ انہوں نے بالکل قدیم طرز کی تعلیم و تربیت پائی تھی جسمیں جدید رنگ کو ذرا بھی دخل نہ تھا۔ وہ سر سے پیر تک دلی کے شاہی زمانے کی تہذیب میں رنگے ہوئے تھے۔ انکے شستہ اور پاکیزہ اخلاق دیکھکر اور انہیں ٹھیر ٹھیر کر دھیمی آواز سے گفتگو کرتے ہوئے اور سوکھے منہ سے مذاق کے

جملہ سنکر دل خوش ہو جاتا تھا۔ وہ اپنے اخلاق و آداب کے لحاظ سے پرانی طرز کے رئیس تھے ان کی وضع قطع اور طرز رہائش میں شاہانہ وقار کی شان تھی اور ان کا چہرہ بھی مغل بادشاہوں کی تصاویر سے بہت مشابہت رکھتا تھا۔ اس طرز کے لوگ عموماً سیاست کی چپقلش میں نہیں پڑتے اور ہندوستان میں انگریز جب نئی نسل کے شورش پسندوں سے پریشان ہوتے ہیں۔ تو ایسے بزرگونکو یاد کرتے ہیں۔ حکیم صاحب کو بھی شروع میں سیاست سے کوئی سروکار نہ تھا۔ وہ حکیمونکے ایک شہرۂ آفاق خاندان کے سردار تھے اور انہیں اپنے عظیم الشان مطب سے فرصت نہیں ملتی تھی۔ مگر آخر میں جنگ کے حادثات اور انکے پرانے دوست اور رفیق کار ڈاکٹر مختار احمد انصاری کے اثر نے انہیں سیاست کی طرف مائل کر دیا اس کے بعد کے واقعات خصوصاً پنجاب کے مارشل لا اور تحریک خلافت نے ان کے دل پر بہت برا اثر ڈالا اور انہیں گاندھی جی کا نیا طریقہ کار ترک موالات پسند آیا۔ انہوں نے اپنی قابل قدر صفات اور نایاب جوہر سے کانگریس کو مالا مال کر دیا۔ ان کی ذات پرانی اور نئی روشنی کے لوگوں کے درمیان رابطہ کا کام دینے لگی۔ ایسے اثر سے قدیم رنگ کے بزرگ بھی قومی تحریک کے حامی بن گئے اور ان کی بدولت قدیم اور جدید محاصر گھل مل گئے اور قومیت کے رہنماؤں میں ضبط اور متانت کی شان پیدا ہو گئی۔ انہوں نے ہندوؤں اور مسلمانوں کو ایک دوسرے کے قریب تر کر دیا۔ کیونکہ دونوں ہی انکی عزت کرتے تھے اور انکی مثال سے متاثر تھے۔ گاندھی جی انہیں اپنا سچا دوست مانتے تھے۔ انپر دلی اعتماد رکھتے تھے۔ اور ہندو مسلم تعلقات کے بارے میں انکی رائے کو قولِ فیصل سمجھتے ہیں پنڈت نہرو کے والد اور حکیم صاحب کو ایک دوسرے سے فطری طور پر انس تھا۔

جواہر لال نہرو نے حکیم اجمل خاںؒ اور گاندھی کے علاوہ دنیا کی کسی اور

ہستی کو غالباً اتنا نہیں سراہا۔ اور یہ ایک صحیح حقیقت ہے کہ ان بزرگوں نے کانگریس میں رہ کر ملک کی بہت اہم خدمات ادا کیں۔

حکیم اجمل خاںؒ کے انتقال سے کانگریس کو جو عظیم الشان نقصان پہنچا۔ اور جواہرلال نہرو کو جو ذاتی صدمہ ہوا اُس کی ہلکی سی تصویر جواہرلال نہرو کی ایک اور تحریر سے دیکھی جا سکتی ہے۔

حکیم صاحب کے انتقال سے کانگریس کو بہت سخت صدمہ پہنچا۔ اور اس کا ایک بڑا زبردست حامی اُٹھ گیا۔ اسکے بعد سے ہم سب جب دلّی جاتے ہیں تو یہ محسوس ہوتا ہے کہ اس شہر میں وہ بات نہیں رہی۔ کیونکہ دلّی کے نام کے ساتھ ہمارے ذہن میں حکیم صاحب اور ان کے بلیماروں والے مکان کی تصویر بسی ہوئی ہے۔"

تازہ دم سپاہی

۱۹۲۶ء کے شروع تک گو ہندوستان کی سیاست میں سناٹا چھایا ہوا تھا۔ لیکن حالات آہستہ آہستہ تبدیل ہوتے رہے اور ۱۹۲۸ء میں سارے ملک میں ایک ہل چل سی ہو گئی۔ سیاسی اعتبار سے یہ بڑی مصروفیت کا سال تھا۔ لوگوں کے دلوں میں ایک نئی امنگ پیدا ہو گئی تھی۔ جو انہیں آگے بڑھانے لئے جا رہی تھی اور ترقی کی ایک لہر تھی جو تمام مختلف جماعتوں میں دوڑی ہوئی تھی۔ معلوم ہوتا تھا کہ ناامیدی کی شب ختم ہو چکی ہے۔ اور امید کی صبح نے ملک میں اجالا کر دیا ہے۔

مزدوروں کاشتکاروں۔ اوسط طبقہ کے نوجوانوں اور عموماً تعلیمیافتہ لوگوں میں مستعدی تھی۔ اور تمام ملک تازہ دم اور جوش سے بھرا ہوا معلوم ہوتا تھا۔

ٹریڈ یونین

آل انڈیا ٹریڈ یونین کانگریس جسے قائم ہوئے سات آٹھ سال ہوئے تھے۔ اب بہت قوت حاصل کر چکی تھی اور اس کے خیالات میں انتہا پسندی اور جنگجوئی پیدا ہو گئی تھی۔ ہڑتالیں اکثر ہو رہی تھیں اور مزدوروں میں اپنے طبقہ کا احساس روز بروز بڑھتا جا رہا تھا۔ کپڑے کی صنعت اور ریلوے مزدوروں میں سب سے عمدہ تنظیم تھی۔ ان میں سب سے زیادہ قوی اور ترقی یافتہ بمبئی کی گرنی کامگار یونین اور جی۔ آئی۔ پی۔ ریلوے یونین تھیں۔

بردولی ستیہ گرہ

کسانوں میں بھی بیداری کے آثار نمایاں تھے صوبہ جات متحدہ خصوصاً اودھ میں نئے قانون لگان سے جس میں کسانوں کو حین حیاتی لگان داری کا حق دیا گیا تھا۔ ان کی زبوں حالی میں فرق نہیں پڑا۔ اس لئے آئے دن جابجا کسانوں کے احتجاجی جلسے ہوا کرتے تھے۔

گجرات میں بھی جہاں رعیت داری طریقہ جاری تھا۔ اور حکومت کو براہ راست کاشتکاروں سے سابقہ پڑتا تھا۔ مال گذاری بڑھانے کے سبب حکومت اور کسانوں میں بہت بڑے پیمانے پر لڑائی چھڑی ہوئی تھی سردار ولبھ بھائی پٹیل اسکے رہنما تھے۔ بردولی ستیاگرہ کے نام سے جس آن بان سے یہ تحریک چلائی گئی۔ ہندوستان کی تاریخ میں ایک یادگار چیز ہے۔ بردولی کے کسانوں کو اسمیں بڑی حد تک کامیابی ہوئی۔ مگر سب سے بڑی شاندار کامیابی یہ تھی کہ اس معرکہ کا اثر تمام ہندوستان کے کسانوں پر پڑا اور بردولی کا نام ان کے لئے تقویت

کا نشان اور فتح کا شگون بن گیا۔

انقلابی خیالات

۱۹۲۸ء کی ایک اور نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ اسی سال نوجوانوں کی تحریک نے ہر جگہ نشو و نما پائی چنانچہ جابجا نوجوانوں کی انجمنیں قائم ہوئیں اور انکی کانفرنسیں بھی ہوتی رہیں۔

ان میں مختلف قسم کی جماعتیں تھیں جنمیں نیم مذہبی انجمنوں سے لیکر اشتراکی انجمنیں تک شامل تھیں۔ انمیں ہر جگہ انقلابی خیالات اور طریقہ کار پر بحث و تمحیص ہوا کرتی تھی۔

ان انجمنوں کے اغراض و مقاصد علیحدہ علیحدہ خواہ کچھ بھی کیوں نہ ہوں۔ جب نوجوان انمیں جمع ہوتے تھے۔ تو خود بخود زمانہ کے اہم سماجی اور معاشی مسائل کی گفتگو چھڑ جاتی تھی اور ان کا رجحان عموماً یہی ہوتا تھا۔ کہ سارا انتظام ایک سرے سے یکسر بدل دیا جائے۔

نہرو رپورٹ

اسی سال آل پارٹیز کانفرنس ہوئی۔ اس میں کٹر فرقہ پرست انجمنوں کے نمائندے بھی موجود تھے۔ اسلئے فرقہ وارانہ مسئلہ یا اقلیتوں کے مسئلہ کا حل اور بھی مشکل ہو گیا۔

پنڈت موتی لال نہرو نے جو انگلستان سے واپس آچکے تھے اس کانفرنس میں بہت نمایاں حصہ لیا۔ لیکن جب سمجھوتہ کی کوئی صورت پیدا نہیں ہوئی تو دستور اساسی مرتب کرنے اور فرقہ وارانہ مسئلے کے متعلق مفصل رپورٹ پیش

کرنے کیلئے پنڈت موتی لال نہرو کی صدارت میں ایک چھوٹی سی کمیٹی بنا دی گئی یہ کمیٹی نہرو کمیٹی مشہور ہوئی۔ اور وہ رپورٹ جو اس نے مرتب کی نہرو رپورٹ کے نام سے مشہور ہوئی۔

نئی کشمکش

نہرو کمیٹی کی حقیقی اہمیت جواہر لال نہرو کے خیال میں یہ تھی کہ اسکے ذریعہ فرقہ وارانہ گتھی شاید سلجھ جائے۔ کیونکہ ایک ایسے عارضی معاہدہ کے ہو جانیکا امکان تھا جسے لوگوں کی ایک معقول تعداد تسلیم کرے۔ لیکن اس کے ساتھ ایک مشکل یہ تھی کہ یہ کمیٹی کامل آزادی کے مقصد کو محدود کر دینے پر تلی ہوئی تھی۔ اس نے جو مقصد قرار دیا تھا وہ نوآبادیات کا درجہ کہلاتا تھا۔ لیکن درحقیقت اس کی بھی کم تھا

آل پارٹیز کانفرنس کا اجلاس جب نہرو رپورٹ پر غور کرنے کیلئے لکھنؤ میں منعقد ہوا۔ تو جواہر لال نہرو اور ان کے ہمخیال عجیب مشکل میں پڑ گئے۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ فرقہ وارانہ تصفیہ ہوتا ہو تو اس میں روڑے اٹکائیں۔ لیکن کامل آزادی کے مقصد کو چھوڑنا بھی انہیں گوارا نہ تھا۔

انجمن آزادی ہند

آل پارٹیز کانفرنس نے اور بھی غضب کیا کہ دستور اساسی کے بنیادی حقوق کے سلسلہ میں ایک دفعہ بڑھا دی کہ اودھ کے تعلقہ داروں کے حقوق اپنے اپنے تعلقہ میں محفوظ رہیں گے۔ بڑی بڑی نیم جاگیرداری ریاستوں کے حقوق دستور کی اٹل بنیادوں میں داخل کر کے جب کانگریس کے لیڈر اور ان سے زیادہ غیر کانگریسی لوگ بڑے بڑے زمینداروں کا ساتھ دینے کے لئے تیار ہو گئے۔ تو یہ صاف ظاہر

تھا۔ کہ جواہرلال نہرو اور ان کے درمیان بہت بڑی خلیج حائل تھی۔ ایسی صورت میں کانگریس کا جنرل سکرٹری رہنا جواہرلال نہرو کو جہل سا معلوم ہوا۔ چنانچہ اسی بنا پر انہوں نے استعفٰے پیش کر دیا۔ اور اسی روز انجمن آزادی ہند کی بنا ڈالی۔ سبھاش چندر بوس نے بھی اسی بنا پر اپنا استعفٰے دیا تھا مگر ورکنگ کمیٹی نے آخر کار یوں ان حضرات کو استعفٰے واپس لے لینے پر آمادہ کر لیا۔ کہ کانگریس تو کامل آزادی کی حمایت کا اعلان کر چکی ہے۔

عجیب الجھن

پنڈت موتی لال نہرو۔ ہر وقت اسی فکر میں مبتلا رہتے تھے کہ جس طرح بھی ہو سکے آل پارٹیز کانفرنس کے فیصلوں اور نہرو رپورٹ کو کانگریس میں منظور کرائیں انہیں یہ معلوم تھا کہ میرا لڑکا ان فیصلوں اور اس رپورٹ کا مخالف ہے اور وہ آزادی کے معاملے میں کسی قسم کا سمجھوتہ کرنے کیلئے تیار نہیں ہے۔ اسلئے انہیں یہ بات سخت ناگوار تھی۔ وہ آپس میں اس معاملہ پر کچھ زیادہ بحث نہیں کرتے تھے مگر دونوں میں ذہنی نزاع اور مخالفت ضرور تھی۔

خیالات کا اختلاف ان دونوں میں پہلے بھی رہ چکا تھا اور وہ اسقدر اہم تھا کہ دونوں کی سیاسی راہیں الگ ہو گئیں تھی۔ مگر جواہرلال نہرو کے خیال میں اتنی کشیدگی پہلے کبھی نہیں ہوئی۔ ان دونوں کو اسکا رنج تھا۔

۱۹۲۸ء کے خاتمہ پر کلکتہ کانگریس کا اجلاس جب قریب آیا تو اس کی صدارت کے لئے پنڈت موتی لال نہرو منتخب ہوئے لیکن انہوں نے صاف کہدیا کہ اگر ان کی آل پارٹیز کانفرنس کی رپورٹ کثرت رائے سے منظور نہ ہوئی تو وہ صدارت نہیں کریں گے۔ آئینی حیثیت سے یہ بالکل معقول بات تھی مگر انکے مخالفین مخالفت کو اس حد تک آگے بڑھانے کیلئے تیار نہ تھے۔ اسلئے بڑی مشکل پڑ گئی

سمجھوتے کی راہ نکالنے کیلئے فریقین میں گفت وشنید ہوتی رہی۔ مگر کامیابی نہ ہوسکی اس سے بڑی الجھن اور ابتری پھیل گئی۔

حکومت کو چیلنج

کانگریس میں جو تجویز پاس ہوئی اسمیں آل پارٹیز کانفرنس کی رپورٹ مشروط طور پر منظور کی گئی کہ اگر حکومت برطانیہ نے ایک سال کے اندر مجوزہ دستور اساسی کو قبول نہ کیا تو کانگریس دوبارہ کامل آزادی کو اپنا مقصد قرار دے لیگی

یہ تجویز کامل آزادی کے نصب العین سے بہت زیادہ پست تھی۔ لیکن ایک لحاظ سے دانشمندی پر مبنی تھی کہ اس کی وجہ سے آپس کی تفریق رک گئی۔

اور پھر یہ بالکل ظاہر تھا کہ حکومت برطانیہ اس دستور اساسی کو سال بھر میں منظور نہیں کر سکتی۔ اس لئے لڑائی کا ہونا یقینی تھا۔

لالہ لاجپت رائے کا انتقال

لالہ لاجپت رائے عرصہ سے دل کی بیماری میں مبتلا تھے۔ انکے سینہ پر جو لاٹھی چارج کیا گیا۔ وہ چوٹ کچھ کم نہ تھی۔ اسکے چند ہی ہفتہ بعد انکا انتقال ہوگیا یقینی طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ لالہ جی کو جو جسمانی ضرر پہنچا تھا۔ وہ کہانتک ان کی موت کا ذمہ دار تھا۔ لیکن ڈاکٹروں کی رائے تھی کہ اسی وجہ سے وہ اتنی جلدی ہم سے جدا ہو گئے۔

لالہ جی کی وفات کو ہر جگہ اسی حملہ کی وجہ قرار دیا گیا اور اس قومی ذلت کا احساس ہندوستان کے دل و دماغ پر چھا گیا۔ غصہ کا جذبہ اسقدر شدت سے اٹھا کہ رنج پر غالب آگیا۔

شہید وطن بھگت سنگھ

ہندوستان میں تخویف پسند تقریباً تیس سال سے کام کر رہے تھے۔ لیکن انہیں سوائے بنگال ایجی ٹیشن کے ابتدائی زمانے کے کبھی بھگت سنگھ کے برابر ہر دلعزیزی حاصل نہیں ہوئی۔

گو تخویف پسندی کی بجھی ہوئی راکھ میں سے کبھی کبھی دبی ہوئی چنگاریاں نکلتی رہی ہیں۔ مگر اب یہ چیز ہندوستان کے نوجوانوں میں مقبول نہیں ہے کانگریس کی بیس برس کی عدم تشدد کی تلقین نے ہندوستان کے طرز خیال کو بدل دیا ہے۔ وہ جان گئے ہیں کہ یہ ایک فرسودہ اور بے کار طریقہ ہے جو انقلابی عمل میں الٹا رکاوٹ ڈالتا ہے بھگت سنگھ کو جو ہر دلعزیزی حاصل ہوئی۔ وہ اس کے تخویفی فعل کی کیوجہ سے نہ تھی۔ بلکہ محض اس کی وجہ یہ تھی۔ کہ عام طور پر لوگوں کا خیال تھا کہ اس نے لالہ لاجپت رائے اور تمام ہندوستان کی لاج رکھ لی۔ چنانچہ اس کی ذات قومی حمیت کا نشان بن گئی۔ دنیا فعل کو بھول گئی۔ لیکن نشانی باقی رہ گئی۔ چند مہینہ میں سارا ہندوستان اسکے نام سے گونج اٹھا اور اس کی شان میں بیشمار گیت گائے جانے لگے۔

طیش کا جذبہ

تخویف پسندوں کی دوسری کاروائیوں سے بہت ضرر پہنچا۔ چنانچہ ایک نوجوان انگریز افسر جسکی نسبت یہ خیال تھا کہ اس نے لالہ لاجپت رائے کو مارا تھا۔ لاہور میں گولی سے ہلاک کر دیا گیا۔

لاٹھیوں کی بوچھاڑیں

لالہ لاجپت رائے کے زخمی ہونے اور وفات پانے کے بعد سائمن کمیشن جہاں

بھی گیا۔ اس کے خلاف پہلے کی بہ نسبت اور زیادہ زور شور سے مظاہرے کئے گئے۔
اس کے لکھنؤ جانے سے پہلے وہاں کی کانگریس کمیٹی نے بہت بڑے پیمانہ پر بائیکاٹ
کے انتظامات کئے چنانچہ وہاں کئی دن پہلے سے بڑے بڑے جلوس نکالے جارہے تھے
اور جلسے ہو رہے تھے۔ تاکہ پروپیگنڈہ اور کام کی مشق ہو جائے۔

جواہرلال نہرو بھی لکھنؤ گئے۔ اور انہوں نے بعض چیزوں میں شرکت کی۔ لیکن حکومت
نے انکی راہ میں روڑے اٹکانے کیلئے بعض بعض سڑکیں جلوس کے لئے ممنوع قرار
دیدیں۔ اور وجہ یہ بتائی کہ ٹریفک کی آمدورفت میں حرج ہوتا ہے

اسکے بعد کانگریس نے چھوٹے چھوٹے جتھے بناکر علیحدہ علیحدہ بھیجے کہ جلسہ میں
جاکر ملجائیں۔ لیکن اس جتھہ کا جھنڈا لیکر چلنا بھی جلوس کی تعریف میں داخل تھا۔
اس لئے ظاہر ہے کہ یہ قانون کی خلاف ورزی تھی۔

ایک جتھہ کے رہنما جواہرلال نہرو تھے۔ اور دوسرا جتھہ جو کچھ پیچھے تھا۔ اس کے
رہنمائی پنڈت گووند بلبھ پنتھ کررہے تھے پہلے جتھہ نے تقریباً دوسو گز راستہ طے
کیا ہوگا۔ کہ پیچھے گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز آئی۔ دو تین درجن پولس کے سوار
چڑھے چلے آرہے تھے۔ چنانچہ گھوڑوں کے دھکوں سے یہ چھوٹا سا جتھہ منتشر ہوگیا
اور پولس نے والنٹیروں کو بڑے بڑے ڈنڈوں سے مارنا شروع کیا اور انہیں بھاگ
کر گلیوں اور دوکانوں میں پناہ لینی پڑی۔ لیکن سواروں نے وہاں بھی انکا تعاقب
کیا اور انہیں خوب پیٹا۔

پہلے حملے میں پولس صرف والنٹیروں سے ہی ٹکرانے پائی تھی لیکن اب
جواہرلال نہرو سڑک کے بیچ میں بالکل اکیلے کھڑے تھے۔ اور ان سے چند گز کے
فاصلہ پر پولس والے والنٹیروں کو بری طرح پیٹ رہے تھے۔

ہو سکتا تھا کہ جواہرلال نہرو وہاں سے ہٹ جاتے۔ لیکن وہاں سے ہٹنا

ان کے دل نے کسی طرح بھی گوارا نہیں کیا۔ چنانچہ بہت جلد ایک سوار اپنی لاٹھی ہلاتا ہوا ان کی طرف آیا اور اس نے ان کی پیٹھ پر بہت کس کر دو لاٹھیاں ایسی جمائیں کہ اُنہیں چکر آگیا۔ اور سارا بدن کانپ اٹھا۔ لیکن اس کے باوجود انہوں نے اپنی جگہ سے قدم نہیں اٹھایا۔ ان کے جسم نے پولس کے ڈنڈوں اور لاٹھیوں کا مزہ اس سے پہلے کبھی نہ چکھا تھا۔ اس لئے ان کے لئے یہ بالکل نیا تجربہ تھا۔ مگر وہ بہت دلیری سے ثابت قدم رہے۔

دشمن باڈی گارڈ

پولس اپنا کام کر کے وہاں سے چلی گئی اور آگے جاکر اس نے راستہ روک لیا منتشر والنیٹر پھر جمع ہوگئے۔ ان میں سے اکثر کا سر پھٹ گیا تھا اور خون بہہ رہا تھا۔ پنڈت گووند بلبھ پنتھ اور ان کے ہمراہیوں کی بھی یہی درگت ہوئی تھی۔ آخر کار یہ سب لوگ پولس کے روبرو سڑک پر بیٹھ گئے۔ اسی طرح شام ہوگئی۔ یہ خبر پاکر لوگوں کا مجمع اکٹھا ہونے لگا۔ پھر بڑے بڑے حکام آئے اور وہ اس بات پر رضامند ہوگئے کہ جتھے جس راستہ سے جانا چاہتے تھے اسی سے جائیں۔

جب یہ جتھے روانہ ہوئے تو وہی سوار جنھوں نے قومی کارکنوں کو زدوکوب کیا تھا محافظ دستے کے طور پر ان کے ساتھ تھے۔

حملہ کی خبر

پنڈت موتی لال نہرو اس وقت الہ آباد میں تھے۔ جواہر لال نہرو کو یہ یقین تھا کہ ان پر جو حملہ کیا گیا ہے۔ اس کی خبر اخبار میں پڑھکر والد اور گھر میں سب لوگ پریشان ہوں گے۔ اسلئے انہوں نے گھر ٹیلیفون پر خیریت بھیجی اور کہا کہ آپ لوگ

بالکل نہ گھبرائیں۔
مگر اس کے باوجود ان کے والد بجید پریشان ہوئے۔ اور انہیں رات کو نیند نہیں آئی۔ آخر کار آدھی رات کو انہوں نے خود لکھنؤ جانے کا فیصلہ کیا آخری گاڑی جاچکی تھی۔ اسلئے وہ موٹر سے روانہ ہوئے۔ راستہ میں کچھ گڑ بڑ ہوئی آخر صبح پانچ بجے تھکے ہارے وہ لکھنؤ پہنچے۔

میدان جنگ

گذشتہ شام کے واقعات سے لکھنؤ میں اسقدر جوش پیدا ہوگیا تھا کہ قومی کارکنوں کی کوشش سے بھی نہ ہوتا۔ ہزار ہا آدمی سٹیشن جا رہے تھے اور لاتعداد چھوٹے چھوٹے جلوس شہر کے مختلف حصوں سے امڈے چلے آتے تھے۔ کانگریس کے دفتر سے جو جلوس روانہ ہوا اسمیں ہزاروں آدمیوں نے شرکت کی لیکن جب یہ جلوس سٹیشن کے قریب پہنچا۔ تو پولس نے اسے روکا سٹیشن کے سامنے جو آدھ میل مربع میدان تھا جس پر بعد ریلوے اسٹیشن بنا دیا گیا جلوس کو اس سے آگے نہیں بڑھنے دیا گیا۔

جلوس صفیں باندھ کر خاموش کھڑا رہا اور اس نے آگے بڑھنے کی کوشش نہیں کی۔ ہر طرف پیدل اور سوار پولس کا ہجوم تھا۔ اور ہمدرد تماشائیوں کا مجمع بڑھتا جا رہا تھا۔ یکایک فوج کے رسالے اور سوار پولس کی دو تین لمبی صفیں بے قصور تماشائیوں کی طرف بڑھیں۔ اور گھوڑوں کی ٹاپوں کے نیچے انہیں کچلتی چلی گئیں۔ وہ جگہ جہاں کچھ دیر پہلے تماشائیوں کا مجمع پھیلا ہوا تھا۔ وہاں میدان جنگ کا نقشہ تھا۔ بہت سے زخمی سواروں کی بڑھتی ہوئی صفوں کے پیچھے زمین پر پڑے ہوئے تھے۔ جن میں سے بعض ہل بھی نہیں سکتے تھے۔ اور بعض درد سے تڑپ رہے تھے۔

جان لینے کی فکر

تماشائیوں کے ہجوم کو چشم زدن میں خاک و خون میں تڑپا کر سوار جلوس کے پاس پہنچے۔ اور ان کی پہلی صف پوری رفتار سے جلوس سے ٹکرائی۔ مگر پھر بھی جلوس اپنی جگہ جما رہا۔ یہ دیکھکر سواروں نے گھوڑوں کی باگیں کھینچ لیں۔ اور گھوڑے پچھلے پیروں پر کھڑے ہو گئے۔ اور ان کے پیر قومی کارکنوں کے سروں کے بالکل قریب تھر تھرانے لگے پھر سواروں اور پیدلوں نے جلوس پر لاٹھیاں اور ڈنڈے برسانے شروع کئے۔ یہ بہت ہی سخت حملہ تھا مگر پھر بھی جواہر لال نہرو نے یہ ٹھان لی تھی کہ وہ اپنی جگہ سے نہ ہٹیں گے۔ چنانچہ لاٹھیوں کی سخت بوچھاڑ میں وہ اپنی جگہ پر قائم رہے۔ کبھی کبھی غصہ سے بیتاب ہو کر چاہتے تھے کہ وہ بھی ہاتھ چلائیں۔ انہیں یقین تھا کہ وہ نہایت آسانی سے سامنے والے پولس افسر کو کھینچ کر گرا سکتے ہیں اور انکی جگہ خود سوار ہو سکتے ہیں۔ مگر ساتھ ہی وہ یہ بھی جانتے تھے کہ اگر ہماری طرف سے ذرا بھی جواب دیا گیا تو نہایت ہولناک مصیبت پیش آجائے گی اور ہم میں سے ہزاروں آدمی گولیوں سے ہلاک کر دیئے جائینگے۔

کچھ دیر بعد جلوس کی صفیں بغیر ٹوٹے ہوئے آہستہ آہستہ پیچھے ہٹنے لگیں۔ اور جواہر لال تنہا وہیں کھڑے رہ گئے۔ کئی لاٹھیاں اور ان پر پڑیں اور پھر یکایک کسی نے پیچھے سے پکڑ کر انہیں اٹھا لیا۔

دراصل ان کے بعض نوجوان ساتھیوں نے یہ سمجھکر کہ ان کی جان لینے کی فکر کی جا رہی ہے۔ زبردستی انہیں ہٹا لیا تھا۔

بن بلائے مہمان

جلوس تقریباً سو فٹ سرک کر پھر جم گیا۔ پولس بھی پیچھے ہٹ گئی اور جلوس

سے پچاس فٹ دور پرا باندھکر کھڑی ہوگئی۔ اس اثنا میں سٹیشن سے جو جلوس کی نصف میل دور تھا ہمارے بن بلائے مہمان سائمن کمیشن چپکے سے رخصت ہوئے لیکن اسکے باوجود وہ کالے جھنڈے اور مظاہرہ کرنے والوں سے محفوظ نہ رہ سکے۔

سائمن کمیشن کی سوغات

جلوس کانگریس کے دفتر جاکر منتشر ہوا۔ اور جواہرلال نہرو سیدھے والد کے پاس گئے۔ جو بے چینی سے ان کا انتظار کر رہے تھے۔

سائمن کمیشن کے آنے پر حکومت نے جو ہندوستانیونکو سوغات بانٹی تھی اس سے جواہرلال نہرو کے تمام جسم میں درد تھا وہ تھک کر شل ہو گئے تھے رگ رگ میں درد ہو رہا تھا اور تمام بدن پر زخموں اور لاٹھیوں کے نشان تھے مگر خوش قسمتی سے جسم کے کسی ایسے حصہ میں چوٹ نہیں آئی تھی جس سے جان کا خطرہ ہو۔

پنڈت گووند ولبھ پنتھ حملہ کے وقت جواہرلال نہرو کے قریب ہی کھڑے تھے۔ اُنکا قد چھ فٹ سے اونچا ہے۔ اس لئے خاص طور پر لاٹھیوں کا نشانہ بنے اور ان چوٹوں سے وہ اسقدر تکلیف دہ بیماری میں مبتلا ہو گئے کہ عرصہ دراز تک اپنی پیٹھ سیدھی کرنے اور چلنے پھرنے کے قابل نہ رہے۔

اپنے و پرائے

یہ امر خاص طور پر مشاہدہ میں آیا کہ حملہ کے دوران میں ہندوستانی سپاہیوں نے کسیقدر نرمی سے کام لیا تھا۔ لیکن یوروپین سارجنٹوں نے بہت زیادہ بے دردی سے مارا تھا۔

صبح سفر شام سفر

سنہ ۱۹۲۸ء سیاسی سرگرمیوں کا سال تھا۔ اور اسوقت ملک کی سیاست پر خصوصیت سے سائمن کمیشن کا بائیکاٹ اور آل پارٹیز کانفرنس حاوی تھی۔ مگر کانگریس کے جنرل سکرٹری کی حیثیت سے جواہرلال نہرو کی سرگرمی کا رخ دوسرا تھا۔ وہ اس کی تنظیم کو قوت پہنچانے میں مصروف تھے۔

کانگریس نے کامل آزادی کی جو تحریک پاس کی تھی آل پارٹیز کانفرنس ملک کو اس مقصد سے پیچھے ہٹانا چاہتی تھی۔ اور جواہرلال نہرو کو یہ کسی طرح منظور نہیں تھا۔ اس غرض سے انہوں نے بہت دور دور کا سفر کیا۔ اور پنجاب۔ مالابار۔ دہلی اور صوبہ متحدہ کی کانفرنسوں میں اور بنگال اور بمبئی کے نوجوانوں اور طالب علموں کی انجمنوں میں صدارت کے فرائض انجام دیئے علاوہ ازیں وقتاً فوقتاً صوبہ متحدہ کا دورہ کیا اور مزدوروں کے مجمعوں میں تقریریں کیں۔

سب جگہ ان کی تقریر کا موضوع سیاسی آزادی اور سماجی آزادی ہوتا تھا اور وہ سماجی آزادی کو سیاسی آزادی کا ذریعہ ثابت کرتے تھے۔ اور انہوں نے اشتراکیت کے خیالات کو خاص طور پر کانگریس کے کارکنوں اور تعلیمیافتہ طبقہ میں پھیلانے کی کوشش کی۔

نیا بوجھ

جھریا میں جو کوئلے کی کانوں کے علاقہ کا مرکز ہے آل انڈیا ٹریڈ یونین کانگریس کا اجلاس ہوا۔ جواہرلال نہرو نے اس کے دو جلسوں میں شرکت کی اس کے بعد کانگریس کے سالانہ اجلاس میں شرکت کیلئے کلکتہ روانہ ہو گئے۔

کلکتہ میں وہ پھر کانگریس کے جنرل سکرٹری منتخب کئے گئے۔ ادھر یا سے ان کے چلے آنے کے بعد جب ٹریڈ یونین کانگریس کے سالانہ انتخاب ہوئے۔ تو وہاں انہیں آئندہ سال کے اجلاس کا صدر منتخب کیا گیا۔

مزدوروں کی بےچینی

سنہ ۱۹۲۸ء اور سنہ ۱۹۲۹ء میں صنعتی حلقوںمیں سخت بے چینی رہی مزدوروں کے جھگڑوں اور ہڑتالوں نے بڑا زور پکڑا۔ بمبئی کے پارچہ بافی کے خستہ حال اور جنگجو مزدور اس میں پیش پیش تھے۔ بنگالی جوٹ مل میں بھی بہت بڑی عام ہڑتال ہوئی۔ جمشید پور کے لوہے کے کارخانے اور ریلوے میں بھی ہڑتالیں ہوتی رہیں۔ جمشید پور کے ٹین کی چادروں کے کارخانوں میں بڑا سخت مقابلہ ہوا اور غریب مزدور کئی مہینہ تک مسلسل لڑتے رہے۔ پبلک نے ان سے انتہائی ہمدردی کا اظہار کیا مگر اس کے باوجود اس طاقتور کمپنی نے جو اس کارخانے کی مالک تھی اور برما آئیل کمپنی سے وابستہ تھی انہیں کچل کر رکھدیا۔

زبردست ہڑتالیں

صنعتی حلقوں میں بے چینی اور شورش بڑھتی چلی گئی اور بمبئی میں اتنی زبردست ہڑتالیں ہوئیں کہ کارخانوں کے مالکان اور حکومت دونوں ڈر گئے مزدوروں کی تحریک خیالات اور تنظیم دونوں کے لحاظ سے جنگ جو اور خطرناک ہوتی جاتی تھی سیاسی تحریک بھی تیزی کے ساتھ بڑھ رہی تھی اور اگرچہ ان دونوں میں کوئی تعلق نہ تھا۔ مگر پھر بھی حکومت کی بے چینی بڑھ رہی تھی۔
چنانچہ مارچ سنہ ۱۹۲۹ء میں حکومت نے یکایک مزدوروں کی تنظیم پر دھاوا کیا

اور چند سر برآوردہ کارکن گرفتار کرلئے گئے۔ بمبئی کی گرنی کامگار یونین کے لیڈر بھی پکڑے گئے۔ اس طرح میرٹھ کا مشہور مقدمہ شروع ہوا جو ساڑھے چار برس تک چلتا رہا۔

میرٹھ کا مقدمہ

میرٹھ کے ملزموں کی پیروی کے لئے پنڈت موتی لال نہرو کی صدارت میں ایک کمیٹی بنائی گئی۔ اس کے ممبروں میں ڈاکٹر انصاری۔ جواہر لال نہرو اور دیگر حضرات شامل تھے۔ مگر یہ بڑا مشکل کام تھا۔ روپیہ فراہم کرنیمیں بڑی بڑی دقتیں ہوئیں کیونکہ سرمایہ داروں کو شورش کرنیوالے مزدوروں سے کچھ ہمدردی نہیں تھی۔ اور وکیل صاحبان بھی بھاری بھاری معاوضے لئے بغیر کام کرنیکیلئے تیار نہ تھے مقدمہ کی پیروی کے لئے جو کمیٹی بنائی گئی تھی اسمیں پنڈت موتی لال نہرو اور کئی ممتاز وکیل شامل تھے۔ اور مشورہ دینے اور عام نگرانی کے لئے ہمہ تن تیار تھے۔ اور انہیں معاوضہ دینے کا کوئی سوال ہی نہ تھا۔ لیکن دقت یہ تھی کہ وہ برسوں جم کر میرٹھ نہیں رہ سکتے تھے۔

علاوہ ازیں خود ان ملزمونکی وجہ سے بڑی بڑی دقتیں پیش آئیں۔ انمیں مختلف قسم کے لوگ تھے۔ جنکی طرف سے مختلف قسم کی صفائیاں پیش کرنی تھیں اور اکثر انمیں آپس ہی میں اختلاف رہتا تھا۔ اس لئے چند مہینہ کے بعد باضابطہ کمیٹی کو توڑنا پڑا۔ لیکن انفرادی حیثیت سے انکی مدد کی جاتی رہی۔

ایم۔ این رائے کا مقدمہ

میرٹھ کے مقدمہ کے علاوہ جواہر لال نہرو کا تعلق بعض اور کمیٹیوں سے

بھی رہا۔ جوایم۔ این۔ رائے اور دوسرے سیاسی ملزمونکی پیروی کیلئے قائم کی گئی تھیں مگر ہر موقع پر انہیں اپنے ہم پیشہ حضرات کی حرص دیکھ کر دھچکا لگتا تھا۔

وائسرائے کی بازی گری

اسمبلی اور صوبوں کی کونسلوں سے لوگوں کی دلچسپی روز بروز گھٹ رہی تھی۔ لیکن اسمبلی نے ۱۹۲۸ء کے رزولیوشن میں سائمن کمیشن سے اتحاد عمل سے انکار کرکے لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی آخری کوشش کی اسکے بعد کچھ عرصہ تک حکومت اور اسمبلی کے سوراجی صدر وٹھل بھائی پٹیل کے درمیان کشمکش ہوتی رہی وہ اپنی آزادیٔ رائے کی بناپر حکومت کی نظروں میں ہمیشہ کھٹکتے تھے۔

پنڈت موتی لال نہرو بھی کونسل سے بالکل مایوس ہوگئے تھے۔

ایک شخص یا چند لوگوں کی مرضی سے آرڈیننس وغیرہ کی شکل میں اسطرح یکایک قانون نافذ ہوجانے کے سبب جیسے بازی گر کی ٹوپی میں سے خرگوش نکل پڑے وہ کہتے تھے کہ ہندوستان میں نہ کوئی آئین ہے اور نہ قانونی حکومت ہے۔

اسمبلی میں بم

اسمبلی بالکل اونگھتی ہوئی جماعت ہوکررہ گئی۔ اور اسکی روکھی پھیکی کارروائیوں سے کسی کو کوئی دلچسپی نہیں رہی تھی کہ ایک دن بھگت سنگھ اور ایل۔ کے دت نے اسے جھنجھوڑ کر جگادیا۔ وہ دونوں تماشائیوں کے گیلری میں بیٹھے تھے۔ وہیں سے انہوں نے دو بم پھینکے لیکن کسی کے زیادہ چوٹ نہیں آئی اور غالباً جیساکہ ان ملزموں نے آگے چل کر بیان کیا۔ انکا مقصد بھی یہی تھا۔ کہ کسی کو نقصان نہ پہنچے۔ وہ اس ساری کارروائی سے ایک ہلچل پیدا کرنا چاہتے تھے۔

مہینوں لمبی بھوک ہڑتال

اسمبلی میں بمب پھینکنے سے واقعی سارے ملک میں ہل چل مچ گئی اور ملک میں تخویف پسندی پھر کچھ چمک گئی۔ بنگال وغیرہ میں بھی تخویف پسندوں کا اچھا خاصا زور ہو گیا۔

حکومت کی طرف سے سازش کے کئی مقدمے چل رہے تھے اور نظربندوں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔

لاہور سازش کے قیدیوں نے اس ناقابل برداشت برتاؤ کے خلاف جو ان سے عدالت اور جیل میں روا رکھا جاتا تھا۔ اور سیاسی قیدیوں کے ساتھ جو نازیبا سلوک کیا جاتا تھا۔ بھوک ہڑتال کر دی اور یہ بھوک ہڑتال مہینوں جاری رہی۔ ملزم اسقدر کمزور ہو گئے۔ کہ انہیں عدالت میں لیجانا ناممکن ہو گیا۔ ان حالات سے ملک میں ایک عام بے چینی پھیل گئی۔

بھگت سنگھ سے ملاقات

بھوک ہڑتال شروع ہوئے ایک مہینہ گذرا تھا۔ کہ جواہر لال نہرو کو جیلخانہ میں بعض قیدیوں سے ملنے کی اجازت دی گئی۔ انہوں نے بھگت سنگھ کو عمر میں پہلی مرتبہ دیکھا۔ اور جتندر ناتھ داس اور دوسرے قیدیوں سے بھی ملے۔ یہ سب بہت کمزور اور صاحب فراش تھے اور ان سے زیادہ بات چیت کرنی ناممکن تھی۔

بھگت سنگھ کا چہرہ بہت دلکش تھا۔ اسکے چہرہ سے ذہانت اور عجیب سکون و اطمینان کی کیفیت عیاں تھی۔ غصہ اسمیں نام کو نہ تھا بلکہ اس کی گفتگو اور انداز سے ایک خاص نرمی ٹپکتی تھی۔ اس کی وجہ شاید یہ ہو۔ کہ ایک مہینہ کے فاقے

سے ہر شخص میں روحانیت اور نرمی پیدا ہو جاتی ہے۔
بھگت سنگھ کو اپنے چچا سردار جیت سنگھ سے جو لالہ لاجپت رائے کیساتھ ۱۹۰۷ء میں جلاوطن کئے گئے تھے ملنے اور ان کی خبر معلوم کرنے کی بڑی تمنا تھی۔
افواہ تھی کہ انہوں نے جنوبی افریقہ میں سکونت اختیار کر لی ہے۔ مگر کوئی یقینی بات معلوم نہ ہو سکی۔

اکسٹھ دن کے فاقہ سے موت

جتن داس اور بھی زیادہ حلیم معلوم ہوتا تھا۔ اس کی لڑکیوں کی سی بھولی صورت تھی۔ جس وقت جواہر لال نہرو نے اسے دیکھا وہ سخت تکلیف میں مبتلا تھا۔ آخر کار وہ اکسٹھ دن کے فاقہ کے بعد دنیا سے گذر گیا۔

جتن داس کی موت سے سارے ہندوستان میں تہلکہ مچ گیا اور سیاسی قیدیوں سے بدسلوکی کا مسئلہ اس قدر زور شور سے چھڑ گیا کہ حکومت کو اس کی تحقیقات کے لئے ایک کمیٹی مقرر کرنی پڑی۔

اسی تحقیقات کا یہ نتیجہ ہے کہ نئے قواعد بنائے گئے جن کی رو سے قیدیوں کے تین درجے اے۔ بی۔ سی۔ قرار دئے گئے ہیں۔

کھدّر کا جادو

جب سے سوراج پارٹی کا عروج ہوا گاندھی جی نے یہ طریقہ اختیار کر لیا تھا کہ وہ کانگریس کے جلسوں میں شرکت نہیں کرتے تھے۔ مگر ان سے ہر معاملہ میں مشورہ ضرور لیا جاتا تھا۔ اور کوئی اہم کارروائی بغیر ان سے دریافت کئے نہیں کی جاتی تھی اس طرح سیاسیات سے الگ ہونے کے باوجود وہ واقعات کی رفتار

سے پوری طرح باخبر تھے۔

چند سال سے انکا وقت زیادہ تر کھدر کو رواج دینے میں صرف ہوتا تھا انہوں نے اسی غرض سے ہندوستان بھر میں لمبے لمبے دورے کئے۔ کوئی صوبہ کوئی ضلع۔ کوئی قصبہ بلکہ دور افتادہ دیہات میں سے بھی کوئی جگہ شاید ایسی بچی ہو جہاں وہ نہ پہنچے ہوں۔ اس طرح شمال سے لیکر جنوب کے سرے تک اور مشرقی پہاڑوں سے مغربی سمندر تک اس وسیع ملک کا چپہ چپہ انہوں نے چھان ڈالا اس طرح انہیں ہندوستان اور اس کے باشندوں کے متعلق وہ معلومات حاصل ہو گئیں۔ جو کسی کو نصیب نہیں۔ جہاں وہ جاتے۔ لوگوں کا بیشمار مجمع انہیں دیکھنے اور ان کا پیغام سننے جمع ہو جاتا۔ چنانچہ کروڑوں آدمیوں کو انہیں دیکھنے اور ان سے ملنے کا موقع ملا۔

۱۹۲۹ء میں وہ اسی کھدر کے دورے کے سلسلہ میں چندے کے لئے صوبہ متحدہ میں آئے اور شدید گرمی کے موسم میں کئی ہفتہ دیہات میں دورے کرتے رہے۔ کبھی کبھی جواہر لال نہرو بھی چند روز کے لئے انکے ہمراہ چلے جاتے تھے پچھلے تجربوں کے باوجود انہیں یہ دیکھکر سخت حیرت ہوتی تھی کہ ان کی کشش سے لوگوں کا کتنا زبردست مجمع اکٹھا ہو جاتا ہے۔

جب وہ کسی دیہات سے گذرتے تو دس ہزار سے لیکر پچیس ہزار تک مجمع ہو جاتا۔ ان بڑے جلسوں میں جو روزانہ کسی نہ کسی دیہات میں ہوتے تھے۔ لوگوں کی تعداد ایک لاکھ سے تجاوز کر جاتی تھی۔ اور ہجوم پر ٹڈی دل کا گمان ہوتا تھا۔

مقابلہ کی دعوت

لیکن جواہر لال نہرو کو گاندھی جی کی یہ غیر سیاسی مصروفیتیں ایک حد تک

ناگوار تھیں۔ گاندھی جی ان دوروں میں یہ کہتے تھے کہ مجھے غریبوں کے خدا کے لئے چندہ چاہیئے۔ غالباً اس کا منشا یہ تھا کہ وہ گھریلو صنعتوں کے ذریعہ غریبوں کے لئے کام مہیا کرنا چاہتے ہیں۔ مگر جواہرلال کہتے تھے کہ ان الفاظ کی تہہ میں مفلسی کی عظمت کا خیال پوشیدہ ہے۔ اس کے معنی ہیں کہ خدا خاص طور پر غریبوں کا خدا ہے اور صرف وہی اسکے برگزیدہ بندے ہیں۔ لیکن وہ ان خیالات کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہ تھے۔ وہ کہتے تھے کہ مفلسی قابل نفرت چیز ہے۔ اسکی تعریف کبھی نہ کرنی چاہیئے بلکہ اس کا مقابلہ کرکے اُسے جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دینا ضروری ہے۔

لڑائی کے آثار

۱۹۲۹ء میں کانگریس کا سالانہ اجلاس لاہور میں ہونے والا تھا۔ دس سال کے بعد کانگریس کا اجلاس پھر پنجاب میں ہو رہا تھا۔ لوگوں کے ذہن میں پچھلے دس سال کے واقعات تازہ ہو گئے۔ جلیانوالہ باغ کا حادثہ، مارشل لا اور اس کی ذلتیں امرتسر کانگریس کا اجلاس اور ترک موالات کی تحریک کا آغاز غرض اس دس سال میں ہندوستان کا نقشہ بالکل بدل گیا تھا۔

سیاسی کشمکش بڑھتی جاتی تھی۔ لڑائی کی فضا بہت تیزی سے چھا رہی تھی۔ اور مستقبل قریب میں ہونے والی لڑائی کے آثار سارے ملک میں نظر آ رہے تھے۔

سیاسی واقعات کی رفتار روز بروز رہنماؤں کی توجہ کو اپنی طرف کھینچ رہی تھی۔ اور اخباروں کی خبروں اور نجی اطلاعوں میں ان سب کی گرفتاریوں کی خبر گرم تھی۔ اور ہر وقت یہ خیال رہتا تھا کہ جیل سے بلاوا آیا ہی چاہتا ہے۔

کانگریس کی صدارت کا اعزاز

گرمی اور برسات گذر گئی۔ صوبہ کی کانگریس کمیٹیاں لاہور کانگریس کے صدر کے انتخاب میں مصروف تھیں۔ یہ کام اگست میں شروع ہو کر اکتوبر میں ختم ہوا کرتا تھا ۱۹۲۹ء میں سب کو یہ یقین تھا کہ ملک میں جو لڑائی چھڑنے والی ہے اسکے حقیقی رہنما یقیناً گاندھی جی ہوں گے۔ اس لئے کوشش یہ کی جا رہی تھی کہ اگر باقاعدہ کانگریس کے صدر بھی وہی بنا دیے جائیں تو اچھا ہو۔

چنانچہ صوبوں کی کمیٹیوں نے گاندھی جی کا نام صدارت کیلئے پیش کیا۔ لیکن انہوں نے صاف انکار کر دیا۔ مگر اسکے باوجود لوگوں کو امید تھی کہ وہ اپنے فیصلہ پر دوبارہ غور کریں گے۔ چنانچہ آخری فیصلہ کے لئے آل انڈیا کانگریس کمیٹی کا جلسہ لکھنؤ میں منعقد ہوا۔ گاندھی جی کو رضامند کرنیکی کوشش کیگئی لیکن گاندھی جی نے اپنے بجائے جواہر لال نہرو کا نام پیش کیا اور انہیں صدر منتخب کرا دیا۔ گاندھی جی کے اس فیصلہ کو ملک بھر نے بیحد پسند کیا اور ہر جگہ مسرت کا اظہار کیا گیا۔

کانگریسی تاریخ میں پہلی مثال

اس فیصلہ سے سب سے زیادہ خوشی پنڈت موتی لال نہرو کو ہوئی گو انہیں بیٹے کے سیاسی خیالات ناپسند تھے۔ مگر وہ انہیں بیحد چاہتے تھے اور انکی ہر کامیابی سے خوش ہوتے تھے کبھی کبھی ان پر نکتہ چینی بھی کرتے تھے اور جھڑک بھی دیتے تھے مگر کسی اور کی مجال نہ تھی کہ ان کے سامنے انکے بیٹے کو برا کہے۔

ہندوستانیوں کے پاس یہ سب سے بڑا اعزاز تھا۔ جو انہوں نے اپنے عزیز ترین لیڈر کو دیا۔ اور کانگریس کی تاریخ میں یہ پہلی مثال تھی کہ باپ کے بعد ہی بیٹا صدارت کی کرسی پر بٹھایا گیا ہو۔

ایک اور غیر معمولی اعزاز

لاہور کانگریس سے چند ہفتہ قبل جواہر لال نہرو نے ناگپور میں آل انڈیا ٹریڈ یونین کے اجلاس کے صدارت کے فرائض انجام دئے یہ بھی ایک غیر معمولی بات تھی کہ ایک ہی شخص چند ہفتوں کے اندر نیشنل کانگریس اور ٹریڈ یونین کی صدارت کرے

گول میز کانفرنس کا اعلان

لاہور کانگریس کا وقت قریب آرہا تھا۔ اور واقعات کی رفتار تیز سے تیز تر ہوتی چلی جارہی تھی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مشین کا ہر پرزہ پوری قوت سے چل رہا ہے غالباً اس تیزی سے متاثر ہوکر حکومت نے کروٹ بدلی اور وائسرائے ہند لارڈ ارون نے گول میز کانفرنس کا اعلان کیا۔ اس اعلان میں بڑی ہوشیاری کی ایسے الفاظ رکھے گئے تھے۔ جن کے معنی بہت کچھ تھے اور کچھ بھی نہ تھے۔ بہرصورت اگر مان بھی لیا جائے کہ اس کے معنی کچھ نہ کچھ ضرور تھے تب بھی کانگریس جو چاہتی تھی اس سے بہت کم تھے۔

کانگریس کی چار شرطیں

گول میز کانفرنس میں شرکت کی صورت پر غور کرنے کے لئے دہلی میں لیڈروں کی ایک کانفرنس منعقد کی گئی۔ گاندھی جی۔ پنڈت موتی لال نہرو۔ وٹھل بھائی پٹیل صدر اسمبلی اور اعتدال پسند لیڈروں میں سرتیج بہادر سپرو وغیرہ وہاں موجود تھے اس کانفرنس میں متفقہ ریزولیوشن سے ذیل کی چار شرطیں پیش کی گئیں۔

(۱) گول میز کانفرنس میں تمام بحثیں اس بنیاد پر ہوں کہ ہندوستان کو نو آبادیات

کا درجہ دیا جائے۔

(۲) گول میز کانفرنس میں کانگریس کے نمائندوں کی تعداد غالب ہو۔

(۳) سیاسی قیدیوں کو عام معافی دیجائے۔

(۴) ہندوستان کی حکومت جہاں تک موجودہ حالات میں ممکن ہو اسی وقت سے نوآبادیات کی حکومت کے اصول پر چلائی جائے۔

اوپر کی چار شرطیں وائسرائے کے سامنے پیش کی گئیں کہ اگر حکومت ان شرطوں کو منظور کرلے تو ہم اس کے ساتھ اتحاد عمل کر سکتے ہیں۔

گاندھی جی کا تسکین دہ خط

دہلی کانفرنس کی چاروں شرطیں کانگریس کے نصب العین سے بہت پست تھیں۔ اسلئے جواہرلال نہرو اور دوسرے بعض رہنماؤں کو یہ فیصلہ سخت ناپسند تھا۔ کامل آزادی کے مطالبے کو چھوڑ کر خواہ عرضی طور پر اور تھوڑی ہی مدت کے لئے کیوں نہ ہو انہیں کسی طرح منظور نہ تھا۔ اس لئے جواہرلال نہرو کو اس اعلان پر دستخط کرنے میں تامل تھا اور سوبھاس چندر بوس نے تو قطعی انکار کر دیا تھا۔

لیکن چونکہ ایک بہت بڑی لڑائی شروع ہونے والی تھی اس لئے آپس میں تفرقہ کا پیدا ہونا مناسب نہ تھا اس لئے جواہرلال نہرو کو بھی دستخط کرنے پڑے مگر پھر بھی انہیں سخت صدمہ رہا اور انہوں نے دوسرے ہی دن کانگریس کی صدارت سے استعفیٰ دینے کا ارادہ کرلیا۔ جب گاندھی جی کو خبر ہوئی تو انہوں نے ایک تسکین دہ خط لکھا اور جواہرلال نہرو کو اپنا ارادہ بدلنے پر مجبور ہونا پڑا۔ ......

ہمارے بھی ہیں قدرداں کیسے کیسے

گول میز کانفرنس کی شرکت کے لئے متفقہ طور پر جو چار شرطیں پیش کی گئی تھیں کانگریسی نقطہ نگاہ سے یہ واقعی ناگزیر چیز تھی۔ جس کے بغیر اتحاد ممکن نہ تھا۔ کانگریس کی طرف سے یہ کم سے کم مطالبہ تھا۔ اور یہ بات کانگریس ورکنگ کمیٹی کے اجلاس میں بھی جو اس کے بعد منعقد ہوا صاف کر دی گئی تھی۔ اور ساتھ ہی یہ بھی ظاہر کر دیا گیا تھا کہ ان شرطوں کی میعاد کانگریس کے آئندہ اجلاس تک ہے

مگر اعتدال پسندوں نے اس میں عجیب منطق نکالی۔ ان کے خیال میں یہ زیادہ سے زیادہ مطالبہ تھا۔ اور اس پر اس حد تک زور دینے کی چنداں ضرورت نہ تھی کہ اتحاد عمل سے انکار کر دیا جائے۔ گویا جن شرطوں کو وہ ریزولیوشن میں اہم قرار دے چکے تھے اور مطالبہ کر چکے تھے کہ انہیں منظور کیا جائے۔ اب سرے سے انہیں شرطیں ہی نہیں سمجھتے تھے۔

اس امر کے باوجود کہ ان میں سے کوئی شرط پوری نہیں کی گئی اور اکثر قومی رہنما اور ہزاروں قومی کارکن قید کر دئے گئے۔ اعتدال پسند اور مصالحت پسند حضرات جو اس اعلان پر دستخط کرنے میں قوم کے ساتھ تھے حکومت کے ساتھ پورا اتحاد عمل کرتے رہے۔

گاندھی اروِن ملاقات

لاہور کانگریس سے کچھ دن پہلے کانگریس اور حکومت کے درمیان سمجھوتے کی ایک آخری کوشش کی گئی۔ لارڈ اروِن سے ملاقات کا انتظام کیا گیا۔ گاندھی جی اور پنڈت موتی لال نہرو نے کانگریس کی نمائندگی کی مسٹر جناح۔ سر تیج بہادر سپرو

اور وٹھل بھائی پٹیل صدر اسمبلی بھی موجود تھے۔ لیکن چونکہ حکومت اور کانگریس کے خیالات میں زمین و آسمان کا فرق تھا اس لیئے یہ ملاقات بھی بے نتیجہ ثابت ہوئی۔

عقیدت کا سیلاب

لاہور کانگریس کے موقع پر جواہرلال نہرو صدر کانگریس کا استقبال بہت شاندار طریقہ پر اور بہت گرمجوشی سے کیا گیا ہزارہا آدمیوں کے مجمع میں سب کی نظریں اس قومی ہیرو کی طرف تھیں۔ ہندوستان کے دل میں اس کی محبت کا ایک دریا بہہ رہا تھا۔ یہ ہندوستانیوں کا وہ ہیرو تھا جس نے ریاست اور امارت پر لات مار کر بدنصیب ہندوستان اور اس کے مصیبت زدوں کے لیئے اپنے آپکو جسمانی اور روحانی تکلیف کے لیئے دعوت دی اور لندن کے عالیشان ہوٹلوں اور سربفلک عمارتوں کو چھوڑ کر لاٹھیوں کی بوچھاڑوں اور جیل خانہ کی تاریک کوٹھڑیوں میں رہنا پسند کیا۔ وہ ہندوستانیوں کا بے تاج بادشاہ ہے۔ لوگوں کے دل اسکی عقیدت سے معمور ہیں وہ اسے اپنی کشتی کا ناخدا سمجھتے ہیں اور انہیں یقین ہے کہ وہ ان کی بھنور میں پھنسی ہوئی جس کشتی کو کھہ رہا ہے وہ ایک نہ ایک روز ساحل مراد سے ضرور لگے گی اور آخر کار وہ سب کامیابی کی دیوی سے ہم آغوش ہونگے۔

لڑائی کی تیاری

لاہور کے اجلاس میں کامل آزادی کا اصل ریزولیوشن اور آزادی کی عملی تجویز تقریباً متفقہ طور پر پاس ہو گئی۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ لڑائے تیاری کے نتیجے اور اصل ریزولیوشن کی منظوری کا اعلان ۳۱ دسمبر کی رات کو ٹھیک بارہ بجے ہوا جبکہ پرانا سال جا رہا تھا اور نیا سال آ رہا تھا یعنی عین اسوقت جبکہ کلکتہ کانگریس کی

مقرر کی ہوئی ایک سال کی میعاد ختم ہوئی۔ نئی پالیسی کا فیصلہ کیا گیا اور لڑائی کی تیاری شروع ہو گئی قافلہ روانگی کے لئے تیار ہو چکا تھا۔ لیکن ابھی یہ معلوم نہ تھا کہ وہ کب چلے گا اور کس طرح چلے گا۔ آل انڈیا کانگریس کمیٹی کو اختیار دے دیا گیا تھا کہ جنگ کا نقشہ تیار کرے اور اس پر عمل کرے۔ اس کے باوجود سب جانتے تھے کہ در اصل حقیقی فیصلہ گاندھی جی کے ہاتھ میں ہے

سرحد کے سرخپوش جانباز

کانگریس کے ہر سالانہ اجلاس میں صوبہ سرحد کے نمائندے شریک ہوا کرتے تھے۔ اس مرتبہ لاہور میں پہلی مرتبہ سرحد کے پرجوش نوجوانوں کی ایک بڑی جماعت کو سارے ہندوستان کی سیاسی تحریک سے واقف ہونے کا موقع ملا اور وہ جنگ آزادی میں شریک ہونے کے لئے جوش میں بھرے ہوئے لوٹے اور انہوں نے خان عبدالغفار خاں کی قیادت میں فوراً اپنی تنظیم اور نئے خیالات کی اشاعت شروع کر دی۔ یہ اسی کامیاب کوشش کا نتیجہ تھا کہ سرحد کے مردوں اور عورتوں نے جنہیں ہندوستان کی جنگ آزادی میں سب سے آخر میں شریک ہونے کا موقع ملا تھا۔ ۱۹۳۰ء میں اور اس کے بعد ہر موقعہ پر بہت نمایاں اور حیرت انگیز حصہ لیا۔

لڑائی کا آغاز

لڑائی کا بگل بج چکا تھا۔ اور حکومت سے کسی قسم کے تعاون کی گنجائش نہ تھی اس لئے کانگریس کے حکم سے پنڈت موتی لال نہرو نے اسمبلی اور کونسلوں کے ممبروں کو ہدایت کی کہ وہ سب استعفے دیدیں۔ لیکن چند لوگ ایسے بھی تھے جنہوں نے

حکومت کے دربار میں اپنی خاکساری کو برقرار رکھا۔ حالانکہ یہ صریحاً اس وعدہ کے خلاف تھا جو انہوں نے انتخاب کے وقت کیا تھا۔

پہلا یوم آزادی

اس جوش و خروش کے باوجود جسکا اظہار لاہور کانگریس میں ہوا تھا۔ قومی رہنماؤں کو اپنے پروگرام کی کامیابی میں کچھ شبہ سا تھا۔ مگر خود ان کے جوش کا تقاضہ یہی تھا کہ واپسی کی سب راہیں بند کر کے آگے بڑھیں اور پیچھے ہٹنے کا خیال بھی نہ لائیں چنانچہ اپنی تحریک کا افتتاح کرنے اور ملک کے مزاج کا اندازہ کرنے کیلئے ۲۶ جنوری کو یوم آزادی قرار دیا گیا۔

۲۶ جنوری ۱۹۳۰ء کو یوم آزادی منانے میں ملک کے اندر جس جوش اور خلوص کا اظہار کیا گیا۔ اس سے قومی رہنماؤں کا نہ صرف شبہ زائل ہو گیا۔ بلکہ نئے سرے سے انمیں قوت عمل بیدار ہو گئی۔

ہندوستان کے ہر حصہ میں بڑے مجمعوں نے پُر امن اور پر اثر طریقہ سے آزادی کا عہد کیا۔

یوم آزادی کا حلف

۳۰ جنوری ۱۹۳۰ء کو ہندوستان کے طول و عرض میں کروڑوں آدمیوں نے جو حلف اٹھایا وہ یہ ہے۔

ہم عقیدہ رکھتے ہیں کہ اور قوموں کی طرح ہندوستانی قوم کا لازمی حق ہے کہ وہ آزاد ہو۔ اس کی محنت کا پھل اس کے پاس رہے اور اسے وہ چیزیں میسر ہوں جو زندگی کے لئے ضروری ہیں۔ تاکہ اسے پنپنے اور بڑھنے کا پورا پورا موقع ملے۔

ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ اگر کوئی حکومت کسی قوم کو ان کے حقوق سے محروم کرے اور اس پر ظلم کرے تو قوم کو حق ہے کہ اس حکومت کو بدل دے یا ختم کر دے ہندوستان میں برطانوی حکومت نے ہندوستانی قوم کو نہ صرف آزادی سے محروم کر دیا ہے۔ بلکہ اس نے اپنی بنا اسپر قائم کی ہے کہ عام لوگوں سے ناجائز فائدہ اٹھائے اس نے ہندوستان کو معاشی۔ سیاسی۔ تمدنی اور روحانی حیثیت سے برباد کر دیا ہے۔ اس لئے ہم یہ ضروری سمجھتے ہیں کہ ہندوستان برطانیہ سے قطع تعلق کرے اور کامل آزادی حاصل کرے۔

معاشی حیثیت سے ہندوستان تباہ کر دیا گیا ہے۔ ہم سے جو محصول وصول کئے جاتے ہیں وہ ہماری آمدنی کی بہ نسبت کہیں زیادہ ہیں۔ ہماری اوسط آمدنی سات پیسے روز ہے اور جو بھاری محصول ہم کو ادا کرنے پڑتے ہیں۔ انمیں سے بیس فیصدی لگان کی صورت میں کسانوں سے وصول کئے جاتے ہیں۔ اور تین فیصدی نمک کے محصول سے جسکا بوجھ سب سے زیادہ غریبوں پر پڑتا ہے۔

ایسی صنعتیں مثلاً ہاتھ سے سوت کا تنا مٹا دی گئی ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے۔ کہ ہمارے کسان کم سے کم سال میں چار مہینے بےکار رہتے ہیں اور دستکاری کا شغل نہونے کی وجہ سے ان کے ذہن کند ہو جاتے ہیں۔ برخلاف دوسرے ملکوں کے یہاں ان برباد شدہ صنعتوں کی کسی صورت سے تلافی نہیں کی گئی۔ چنگی کی شرح اور روپے کی قیمت اس ترکیب سے مقرر کی گئی ہے کہ کسانوں پر اور زیادہ بوجھ پڑے ہماری درآمد کا بہت بڑا حصہ برطانیہ کے کارخانوں کا بنا ہوا مال ہے جن کی شرح سے برطانوی کارخانہ داروں کے ساتھ کھلم کھلا رعایت ظاہر ہوتی ہے اور اس سے جو آمدنی ہوتی ہے وہ غریبوں کا بوجھ کم کرنے کے لئے استعمال نہیں کی جاتی بلکہ مسرفانہ حکومت کے چلانے میں استعمال ہوتی ہے۔ اس سے بھی زیادہ اندھیر یہ کہ شرح تبادلہ

میں اس ڈھب سے مداخلت کی گئی ہے کہ کروڑوں روپیہ ملک سے کھینچ کر باہر جاتا ہے۔
سیاسی اعتبار سے ہندوستان کا درجہ اتنا پست کبھی نہیں تھا جتنا برطانوی حکومت میں ہے۔ اصلاحات کے ذریعہ لوگوں کو کوئی حقیقی سیاسی اختیارات حاصل نہیں ہوئے ہمارے بڑے سے بڑے آدمی کو بدیسی حکومت کے آگے سر جھکانا پڑتا ہے۔ ہم رائے کی آزادی کے حق سے محروم رکھے گئے۔ اور ہمارے بہت سے بھائی جلا وطن کر دئے گئے ہیں۔ اور انہیں اپنے گھر آنے کی اجازت نہیں ہے۔

ہماری انتظامی قابلیت فنا کر دی گئی اور یہ نوبت پہنچ گئی کہ ہم معمولی طور پر چوکیداری اور محرری پر قناعت کرنے لگے۔

تہذیب و تمدن کے لحاظ سے موجودہ نظام تعلیم نے ہمیں اپنے لنگر سے چھڑا کر ڈانواں ڈول کر دیا اور ہمیں یہ سکھایا کہ غلامی میں مگن رہیں۔

روحانی اعتبار سے ہتھیار چھین کر ہمیں نامرد بنا دیا گیا۔ بیرونی فوج کی موجودگی نے بڑی بے دردی سے ہماری دفاعی قوت کو کچل دیا۔ اور ہمارے دل میں یہ خیال پیدا کر دیا۔ کہ ہم خود اپنی حفاظت اور بیرونی حملے کی مدافعت نہیں کر سکتے۔ بلکہ اپنے گھر بار کو چوروں۔ ڈاکوؤں۔ اور معاشوں کے حملے سے بھی نہیں بچا سکتے۔

ہمارا عقیدہ ہے کہ جس حکومت نے ان طریقوں سے ہمارے ملک کو برباد کیا اس کی اطاعت کرنا انسانیت کی ذلت اور خدا کی نافرمانی ہے۔

مگر ہم یہ جانتے ہیں کہ تشدد ہمارے لئے آزادی حاصل کرنے کا سب سے موثر ذریعہ نہیں ہے۔ اس لئے ہم یہ طریقہ اختیار کریں گے کہ جہاں تک ممکن ہو برطانوی حکومت سے بالارادہ کوئی تعلق نہ رکھیں اور سول نافرمانی کی تیاری کریں جس میں محصول ادا نہ کرنا بھی شامل ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ اگر ہم حکومت کو بالارادہ کسی قسم کی مدد نہ دیں۔ محصول دینا بند کر دیں۔ اور خواہ کتنا ہی اشتعال ہو تشدد

سے ہرگز کام نہ لیں تو اس ظالمانہ حکومت کا خاتمہ ہو جائے گا۔ اسلئے ہم صدق دل سے عہد کرتے ہیں کہ کانگریس وقتاً فوقتاً یوں سوراج قائم کرنے لئے جو ہدایت جاری کرے گی ان پر عمل کریں گے۔

نمک کا جادو

ملک کے ہر گوشے اور ہر حصے میں کروڑوں لوگوں کا آزادی کا حلف لینا بڑا شاندار منظر تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ملک میں کسقدر جوش اور خلوص ہے گاندھی جی نے جنھیں لوگوں کی نبضیں پہچاننے میں بڑی مہارت ہے یہ اندازہ لگا لیا کہ اب کام کرنے کا وقت آ گیا ہے۔

گاندھی جی کے نقطۂ نظر سے لوگ زیادہ اچھی طرح واقف ہو چکے تھے سنہ ۲۲-۲۱ء کے واقعات اور چورا چوری کے ہنگامے کے بعد تحریک کے یکایک ملتوی کئے جانے سے انہیں پورا پورا اندازہ ہو گیا تھا۔ کہ گاندھی جی سختی سے عدم تشدد پر عمل کرنا چاہتے ہیں۔

گاندھی جی نے وائسرائے سے خط و کتابت کرنے کے بعد سابرمتی آشرم سے ڈانڈی کی طرف نمک کا دھاوا شروع کر دیا ان کی رائے تھی کہ نمک کا محصول ادا نہ کیا جائے اور نمک سازی کے قوانین کی خلاف ورزی کی جائے۔ دوسرے قومی رہنما سن کر حیرت زدہ رہ گئے۔ کہ کہاں قومی جنگ اور کہاں نمک لیکن یہ دیکھ کر ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ نمک کا لفظ یکایک جادو کا ایک منتر بن گیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کسی نے کھٹکا دے کر ایک مشین چلا دی ہے ملک بھر میں ہر طرف نمک بنانے ہی کا چرچا تھا۔ اور لوگ اس قومی فوج کے کوچ کے حالات کو روز بروز دیکھ رہے تھے۔ جو گاندھی جی کی رہنمائی میں نمک بنانے کیلئے دھاوا کر رہی تھی

کانگریس میں ڈکٹیٹروں کا سلسلہ

لڑائی جو بالکل سر پر آگئی تھی اس کی مکمل تیاریوں کے لئے کانگریس کمیٹی کا ایک جلسہ احمد آباد میں کیا گیا۔ اسمیں گاندھی جی کی شرکت کو بہت ضروری سمجھا جارہا تھا لیکن وہ اس وقت پاپیادہ اپنی چھوٹی سی فوج کو لئے ہوئے سمندر کی طرف بڑھ رہے تھے۔ محاذ جنگ سے واپس ہونا انہوں نے منظور نہیں کیا اور واپس آنیسے انکار کردیا

آل انڈیا کانگریس کے سامنے سوال یہ تھا کہ جب ہم لوگ گرفتار ہو جائیں تو ہماری عدم موجودگی میں اسی جوش و خروش سے کام کے جاری رہنے کی صورت کیا ہو کانگریس کو اسوقت ایک ایسے موقع کا سامنا تھا جس میں معمولی طریقے سے کام کرنا غیر ممکن تھا۔ اسے یہ صحیح اندیشہ تھا کہ وہ خلاف قانون جماعت قرار دے دی جائے گی اور مرکزی جماعت اور مقامی کمیٹیوں کے تمام لیڈر گرفتار ہو جائینگے خفیہ کارروائیوں سے نہ کام چل سکتا تھا اور نہ اسے قومی رہنما پسند کرتے تھے۔ اس لئے وہ اپنی تحریک کو علانیہ چلانے کے خواہشمند تھے تاکہ کانگریس کا وقار اور اثر لوگوں پر قائم رہے۔

آخر کار صدر کو وسیع اختیار دیئے گئے کہ اگر بمبئی کا اجلاس نہو سکے تو وہ اس کی طرف سے ورکنگ کمیٹی کے گرفتار شدہ ممبروں کی جگہ دوسرے ممبر نامزد کردے اور اگر خود گرفتار ہو جائے تو اپنا جانشین نامزد کرکے اپنے اختیارات اسکے سپرد کردے یہی اختیارات ہر صوبہ وار اور مقامی کمیٹی نے بھی اپنے اپنے صدر کو دیدیئے۔

اس طرح ڈکٹیٹروں کا وہ سلسلہ شروع ہوا جو کانگریس کی طرف سے اس تحریک کو چلاتا رہا۔ وزیر ہند وائسرائے اور گورنروں نے اس طریقہ کار پر ہنسی اڑائی کہ کانگریس بڑی ذلیل ہے کہ وہ ڈکٹیٹری کی قائل ہے۔ لیکن ہنسی اڑانے

والے بھی وہ لوگ تھے۔ جو استبداد اور مطلق العنانی کے لئے وقت بے وقت آرڈیننس بنا بنا کر لوگوں کی قانونی آزادی سلب کر رہے تھے اور بڑی دینداری اور پرہیز گاری سے فرماتے تھے کہ ہم ہندوستان پر جمہوریت سے حکومت کر رہے ہیں۔

کانگریس کے لئے اسکے سوا اور کوئی صورت نہیں رہی تھی کہ لڑنے والی فوج کا ایسا انتظام کر دیا جائے کہ جب پرانے سپہ سالار نہ رہیں تو نئے آدمی فوراً ان کی جگہ لے لیں کیونکہ یہ تو ممکن ہی نہ تھا کہ قومی رہنما میدان جنگ میں بیٹھکر کبڈیاں کرتے اور کبھی کبھی ایسا کیا بھی تو ساری کی ساری کمیٹی ایک ساتھ گرفتار کرلی گئی۔

کانگریس کو یہ آسانی بھی نہیں تھی کہ اس کی فوج کا جنرل سٹاف اطمینان کیساتھ محاذ جنگ کے پیچھے بیٹھا رہے اور غیر فوجی مجلس وزرا اور بھی زیادہ محفوظ مقام پر اپنا اجلاس کرے۔ کیونکہ یہ لڑائی اس قسم کی تھی کہ کانگریس کے جنرل سٹاف اور مجلس وزرا کو میدان جنگ میں سب سے آگے رہنا پڑتا تھا اور وہ سب شروع ہی میں گرفتار ہو جاتے تھے۔

علاوہ ازیں کانگریس نے اپنے ڈکٹیٹروں کو اختیارات ہی کیا دئے تھے۔ انہیں یہ عزت ضرور حاصل تھی کہ قومی عزم جنگ کے مظہر بن کر آگے بڑھیں۔ لیکن ان کا اختیار فقط یہیں تک محدود تھا کہ خود اپنے حکم سے جیل چلے جائیں۔

ان کا حکم صرف اسی وقت تک چلتا تھا۔ جب تک کہ وہ کمیٹی جس کے وہ نمائندے ہیں انتہائی مجبوری کے سبب اپنا اجلاس نہ کر سکے۔ لیکن جہاں کہیں بھی کمیٹی کا اجلاس ہو سکتا تھا۔ ڈکٹیٹر کے یہ تھوڑے بہت اختیارات بھی ختم ہو جاتے تھے کوئی ڈکٹیٹر کسی بنیادی معاملے یا مسئلے میں دخل اندازی نہیں کر سکتا تھا بلکہ اسکے اختیارات صرف تحریک کے جزوی پہلوؤں تک محدود تھے۔ درحقیقت

کانگریس کی ڈکٹیٹری جیل جانے کی ایک منزل تھی۔ انمیں سے جو لوگ گرفتار ہو جاتے تھے ان کی جگہ نئے آدمی آجاتے تھے۔

جیل جانیکیلئے ایک دوسرے کو خدا حافظ

احمد آباد میں آل انڈیا کانگریس کمیٹی نے اپنی تیاریوں کی تکمیل کی اور قومی رہنماؤں نے ایک دوسرے کو خدا حافظ کہا۔ کیونکہ کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ سب پھر کبھی جمع ہو سکیں گے۔ یا نہیں۔ اسکے بعد وہ سب اپنی اپنی جگہ پہنچ گئے۔ تاکہ مقامی انتظامات کی تکمیل کریں یا دوسرے الفاظ میں آل انڈیا کانگریس کمیٹی کی نئی ہدایات کے مطابق جیل جانے کے لئے بستر باندھ لیں۔

سوراج بھون کی پیشکش

احمد آباد سے واپسی میں پنڈت موتی لال نہرو اور جواہر لال نہرو گاندھی جی سے ملنے گئے وہ اس وقت اپنی فوج کے ساتھ جمبو سر کے مقام پر ٹھہرے ہوئے تھے۔

پنڈت موتی لال نہرو نے گاندھی جی کے مشورے سے یہ فیصلہ کیا کہ وہ الہ آباد والے گھر کا نام سوراج بھون رکھیں اور اسے قوم کی خدمت میں پیش کر دیں چنانچہ الہ آباد پہنچکر انہوں نے وہ مکان کانگریس کے حوالے کر دیا جس کے ایک حصہ میں ہسپتال بنا دیا گیا۔

پنڈت موتی لال نہرو اس وقت قانونی ضابطوں کی تکمیل نہیں کر سکے تھے۔ ان کی وفات کے بعد جواہر لال نہرو نے ان کی وصیت کے مطابق باقاعدہ وقف قایم کر دیا۔

بڑا پر اثر منظر

جمبوسر میں پنڈت موتی لال نہرو اور جواہر لال نہرو سے چند گھنٹہ گفتگو کرنے کے بعد گاندھی جی ان کے سامنے ہی نمک کے قانون کی خلاف ورزی کے لئے سمندر کی طرف روانہ ہو گئے

آخری منظر کسقدر اثر انگیز تھا۔ اسکا نقشہ جواہر لال نہرو نے اپنی ایک تحریر میں اتارا ہے وہ لکھتے ہیں :۔

آخری منظر جو میں نے دیکھا وہ یہ تھا۔ کہ وہ ہاتھ میں لاٹھی لئے ہوئے اپنے پیرووں کے آگے مضبوطی سے قدم رکھتے چلے جا رہے ہیں اور ان کے چہرے سے امن اور سکون مگر اسی کے ساتھ استقلال اور بے خوفی ظاہر ہو رہی ہے بڑا ہی پر اثر منظر تھا۔

عورتوں کی حب الوطنی

نمک سازی کے قوانین کی خلاف ورزی کے لئے کئی مہینہ سے والنٹیروں کو اس مقصد سے قواعد سکھائے جا رہے تھے۔ کہ وہ اپنے کام میں مشاق ہو جائیں اور بڑے بڑے مجمعوں کا انتظام کر سکیں۔

یہ وہ وقت تھا کہ عورتیں بھی آزادی کی جنگ میں کٹ مرنے لئے مردانہ وار میدان میں نکل آئی تھیں اور ہر محاذ پر مردوں کے پہلو بہ پہلو داد شجاعت دے رہی تھیں۔ چنانچہ الہ آباد میں جواہر لال نہرو کی بیوی کملا اور بہن کرشنا بھی والنٹیروں میں داخل تھیں اور مردانے کپڑے پہن کر قواعد میں برابر شریک ہوتی تھیں۔

گانگریس کا بنایا ہوا نمک

اپریل کا مہینہ آگیا۔ اسی ہفتہ میں قومی ہفتہ منایا جاتا ہے جو ۱۹۱۹ء کے واقعات ستیہ گرہ کے دن سے لیکر جلیانوالہ باغ کے دن تک کی یادگار ہے۔

گاندھی جی سمندر کے قریب پہنچ گئے تھے انہوں نے ڈانڈی کے ساحل پر نمک سازی کے قانون کی خلاف ورزی شروع کی اور تین چار دن کے بعد کانگریس کی شاخوں کو اجازت دیدی گئی کہ وہ اپنے اپنے حلقوں میں سول نافرمانی شروع کریں۔

سول نافرمانی کی اجازت ملتے ہی تمام ملک میں ایک ایسے جوش وخروش کی آگ پھیلی کہ اس سے پہلے اس کی نظیر نہیں ملتی۔ سارے ہندوستان کے ایک ایک شہر اور ایک ایک گاؤں میں نمک کا چرچا تھا اور اس کی تیاری میں عجیب وغریب طریقے اختیار کئے جاتے تھے۔

عوام تو ایک طرف قومی رہنماؤں کو بھی معلوم نہ تھا کہ نمک کس طرح بنایا جاتا ہے۔ آخر کار معلومات حاصل کرنے کیلئے کتابیں دیکھی گئیں اور اشتہارات کے ذریعہ لوگوں کو ہدایات دی گئیں۔ ہر جگہ کڑھاؤ وغیرہ جمع کئے جاتے اور کسی نہ کسی طرح ایک کڑوی سی چیز تیار کرلی جاتی۔ جسے لوگ بعض اوقات بڑی بڑی قیمتوں پر خرید کر فخر کرتے تھے۔ کیونکہ بنانے والوں یا خریدنے والوں میں سے کسی کا بھی مطلب یہ نہ تھا کہ نمک اچھا ہے یا برا ہے بلکہ اصل مقصد تو یہ تھا کہ نمک کے تکلیف دہ قانون کی خلاف ورزی کی جائے۔

صدر کانگریس کی گرفتاری

۱۴ اپریل کو جواہر لال نہرو رائے پور صوبہ متوسط کی کانفرنس میں شریک ہونے جارہے تھے۔ کہ ریل سے اترتے ہی گرفتار کر لئے گئے اسی روز جیلخانے کے اندر انکے مقدمہ کی تحقیقات ہوئی اور نمک سازی کے جرم میں چھ مہینہ کی سزا دیدی گئی

انہیں ہر وقت اپنے گرفتار ہو جانے کی پوری توقع تھی اسلئے انہوں نے کانگریس کے نئے قانون کے ماتحت گاندھی جی کو اپنا قایم مقام بنایا تھا لیکن یہ بھی اندیشہ تھا کہ وہ شاید رضامند نہ ہوں اسلئے دوسرا نام انہوں نے اپنے والد پنڈت موتی لال نہرو کا نام نامزد کیا تھا۔ چنانچہ گاندھی جی کے رضامند نہو نیکے سبب پنڈت موتی لال نہرو قائم مقام صدر ہوئے

قید تنہائی کی تصویر

جواہر لال نہرو اس مرتبہ تقریباً سات سال کے بعد قید ہوئے تھے اور انہیں نینی سنٹرل جیل میں بھیجا گیا تھا اور مجسٹریٹ نے اپنے فیصلہ میں جو تحریر کی تھی۔ وہ قید محض تھی۔ لیکن انہیں جسطرح اور جس بارک میں رکھا گیا وہ قید تنہائی کی تعریف میں آتا ہے جس کے صاف معنی یہ ہیں کہ جیل کا محکمہ بغیر کسی وجہ کے عدالت کی دی ہوئی سزا میں اپنی طرف سے بھی اضافہ کرنے کا مجاز ہے

وہ بارک جس میں ہندوستان کے کروڑوں باشندوں کا یہ بے تاج بادشاہ حکومت کا مہمان ہوا۔ ابتدا میں غالباً اُن خطرناک مجرموں کے لئے بنائی گئی تھی جنھیں قید تنہائی کی سزا ملتی تھی۔ لیکن بعد میں یہ سیاسی قیدیوں اور نظربندوں کیلئے استعمال ہونے لگی۔ تاکہ یہ خطرناک لوگ جیل کے اور حصوں سے الگ رہیں۔ یہ بارک سارے جیل میں کتا گھر کے نام سے مشہور تھی۔

نینی سنٹرل جیل کی بڑی بارک ہے جس میں تقریباً بائیس تیئس سو قیدی رہتے تھے۔ کتّا گھر کی بارک کا احاطہ الگ تھا۔ یہ تقریباً سو فٹ قطر کا ایک چھوٹا سا گول احاطہ تھا جسکی دیواریں اندازاً پندرہ فٹ اونچی تھیں اور اسکے درمیان میں چار کوٹھریوں پر مشتمل ایک بہت ہی بھدی اور بدنما عمارت تھی جسمیں سے ایک کوٹھری ان کے رہنے کے لئے مخصوص تھی۔ باقی دو کوٹھریاں خالی پڑی ہوئی کسی اور مہمان کے آنے کی منتظر تھیں۔ اور ایک ایسے زمانے میں جبکہ ملک میں سرفروشی کی آگ پھیلی ہوئی تھی ایسے مہمانوں کی کمی نہ تھی۔

پلنگ جو ازراہِ عنایت معزز مہمان کو آرام کرنے کے لئے عطا کیا گیا تھا زنجیروں سے جکڑ دیا گیا تھا۔ شاید اسلئے کہ اسے سیڑھی بنا کر دیوار تک نہ پہنچا جا سکے۔ یا مہمان اگر چلا جائے تو کہیں پلنگ کو اپنے ساتھ نہ لیجائے۔

بیحد کشمکش اور انتہائی مصروف زندگی کے بعد یکایک اس سنسان بارک میں پہنچکر تنہائی اور اداسی نے انہیں بری طرح ستایا۔ باہر کی مصروفیت کے سبب انہیں بیحد تکان تھی اسلئے تین چار روز تک خوب نیند بھر کر سوئے۔

موسم گرما شروع ہو گیا تھا اس لئے رات کو انہیں بارک اور احاطہ کے درمیان صحن میں سونے کی اجازت دیدی گئی تھی۔ لیکن رات کو بھیانک آوازیں نیند اُچاٹ کر دیتی تھیں۔ قیدی چوکیدار جو ان کی بارک سے دور بڑے احاطہ کے پاس پہرے کے فرائض انجام دیتے تھے۔ ایک دوسرے کو عجیب سروں میں آوازیں دیا کرتے اور کبھی کبھی ایسی ناقابل فہم تانیں لگاتے تھے جیسے کہیں دور آندھی چل رہی ہو۔

بارک کی گول دیوار انہیں قید کی تکلیف کا زیادہ احساس کراتی تھی۔ کیونکہ چوکور دیوار کے کونوں اور زاویئے نہ ہونے سے اور بھی دم گھٹتا تھا۔ اور پھر رات

کو تو معلوم ہوتا تھا کہ کسی کنوئیں میں ڈال دئے گئے ہیں کیونکہ ان دیواروں کے سبب آسمان بھی پورا نہیں دکھائی دیتا تھا۔ اور صرف اس کے ایک ذرا سے ٹکڑے کی جھلک نظر آتی تھی۔

جیل خانہ میں صبح کی سیر

جواہرلال نہرو کی بارک میں جو روشنی دی جاتی تھی وہ اس قدر ناکافی تھی کہ کچھ پڑھنا غیر ممکن تھا۔ اس لئے وہ اکثر تاروں کو دیکھا کرتے تھے قطب نما تارہ ہر وقت انہیں نظر آتا تھا۔ اور گھومتے ہوئے آسمان پر استقلال کے ساتھ اس کا ایک جگہ کھڑے مسکرانا ان کے لئے تسکین کا باعث تھا۔

وہ رات کو جلد سو جاتے تھے۔ اور صبح سویرے ساڑھے تین بجے اُٹھ جایا کرتے تھے۔ شروع میں ورزش وغیرہ کے لئے بھی انہیں اپنی بارک سے نکلنے کی ممانعت تھی لیکن بعد میں صبح جھٹپٹے وقت صرف آدھے گھنٹہ کیلئے باہر ٹہلنے کی اجازت مل گئی۔ اتنے سویرے کی شرط اسلئے رکھی کہ دوسرے قیدی ان سے نہ مل سکیں اور نہ انہیں دیکھ سکیں۔

سیر کی اس اجازت سے انہوں نے پورا پورا فائدہ اٹھایا اس قلیل ترین وقت میں وہ زیادہ سے زیادہ ورزش کرتے اور روزانہ دو میل سے زیادہ دوڑتے تھے۔

سزا کے وحشیانہ طریقے

جواہرلال نہرو کی بارک سے دور ایک عجیب قسم کی چیز تھی۔ جسکی ایک جھلک انکی بارک سے دکھائی دیتی تھی۔ یہ پنجرے نما ایک بہت بڑی چیز تھی۔ جسمیں آدمیوں کو کولھو کے بیلوں کی طرح جوتا جاتا تھا۔ یہ پانی کی بہم رسانی کے لئے

ایک عجیب طرح کا پمپ تھا جس میں بیک وقت سولہ آدمی جتتے تھے۔ یہ انسانی قوت کے استعمال کا بہت ہی وحشیانہ طریقہ تھا۔ اور جب پہلے پہل جواہرلال نہرو نے اس کی جھلک دیکھی تو انہیں بڑا دھچکا لگا۔

۱۹۹۶ء تک کی قید کی سزا

جواہرلال نہرو کے احاطہ میں ایک وارڈ ایک باورچی اور چند نگراں بھی رکھے گئے تھے۔ وہ سب قیدی تھے اور کبھی کبھی دوسرے قیدی بھی کسی کام سے آجایا کرتے تھے۔ انمیں زیادہ تر وہ لوگ تھے جن کو بہت لمبی سزائیں ہوئی تھیں۔ یا جو عمر قیدی تھے۔ عام طور پر عمر قیدی کی سزا بیس سال سمجھی جاتی ہے۔ لیکن ان میں بہت سے ایسے قیدی تھے جنہیں یہاں آئے ہوئے بیس بیس سال سے زیادہ ہو چکے تھے۔

ہر قیدی کے کندھے پر تختی لگی ہوتی تھی جس میں سزا کی تفصیل اور رہائی کی تاریخ درج ہوتی تھی ایک مرتبہ جواہرلال نہرو ایک قیدی کی تختی دیکھکر حیرت زدہ رہ گئے۔ اس پر رہائی کی تاریخ ۱۹۹۶ء لکھی ہوئی تھی اور وہ ادھیڑ آدمی تھا۔ اور اس وقت ۱۹۳۰ء میں کئی سال کی سزا بھگت چکا تھا۔

بے جان پتلوں کا ناچ

دوسرے ملکوں میں قیدی کی اصلاح حال کیلئے کوئی کوشش فروگذاشت نہیں کی جاتی۔ وہاں اسے اپنے ہی جیسا ایک انسان سمجھکر معاشرت اور سماج کا پابند بنانے کی سعی کی جاتی ہے لیکن بدقسمتی سے ہمارے ہاں اس کے برعکس قیدی کو حیوان سے بدتر سمجھا جاتا ہے۔ اس کی طبیعت کو پہچاننے یا اس کی اصلاح

کرنے کی طرف بالکل غور نہیں کیا جاتا۔ بلکہ اس کو سخت سے سخت سزائیں دینی اس لئے نہایت ضروری سمجھی جاتی ہیں کہ اسکا کس بل نکل جائے۔ چنانچہ قیدی کا دل نفرت اور انتقام کے جذبہ سے بھر جاتا ہے اور جب اس طرح انکی طبیعت میں بدی کوٹ کوٹ کر بھر دی جاتی ہے تو اسے یاد نہیں رہتا کہ دنیا میں نیکی اور خوشی ہے بھی یا نہیں۔

یہاں کے عمر قیدیوں کو برسوں تک عورت یا بچے کی صورت تو ایک طرف جانور کی شکل تک دیکھنی نصیب نہیں ہوتی۔ اور وہ باہر کی دنیا سے بالکل بے تعلق سے ہو کر رہ جاتے ہیں۔ اور ان کی زندگی ایک بے روح مشین بنجاتی ہے۔ بے جان پتلوں کی طرح جیل کا عملہ انہیں جسطرح نچانا چاہتا نچایا کرتا ہے

ان کھلے غنچوں کی بربادی

بدقسمتی سے قیدیوں میں نو عمر لڑکے بھی ہوتے ہیں۔ انکا زیادہ حصہ ہونہار ہوتا ہے اور اگر ان کی اصلاح کی کوشش کی جائے اور انہیں شریف آدمیوں کی طرح زندگی بسر کرنے کا موقع دیا جائے۔ تو وہ یقیناً کام کے آدمی بن سکتے ہیں افسوس عرصہ دراز تک اس طرف توجہ نہیں کی گئی اور پھر عرصہ کے بعد اس کی ابتدائی کوشش کی بھی گئی تو اس کا انتظام بہت ناقص رہا اور انہیں کھیل تفریح کے موقعے بہت کم دیئے گئے۔

ایسی صورت میں ان غنچوں کے پھولنے پھلنے کی کیا امید کیجا سکتی ہے

جہنم کے عذاب

قیدیوں کو عزیزوں سے ملنے یا انہیں خط لکھنے کا موقعہ تین مہینے کے

طویل عرصہ میں صرف ایک بار ملتا ہے۔ اور اگر قیدی ان پڑھ ہوں۔ اور بد قسمتی سے ہندوستان میں بے پڑھے لوگوں کی تعداد حد سے زیادہ ہے تو وہ بیچارے تین مہینے کے بعد بھی اس اجازت سے فائدہ حاصل نہیں کر سکتے جیل کے عہدہ داروں سے خط لکھوانا پڑتا ہے۔ وہ اپنا مغز کیوں کھپائیں اس لئے ٹال مٹول کرتے رہتے ہیں۔

ملاقات کا معاملہ اس سے بھی زیادہ دشوار ہے جب تک جیل کے عملہ کی مٹھی نہ گرمائی جائے ملاقات نہیں ہو سکتی۔ اور خوش قسمتی سے اگر ملاقات ہو بھی جاتی ہے تو ملاقات کا ڈھنگ اس قدر عجیب ہوتا ہے کہ ایک بھلے آدمی کیلئے اچھی خاصی کوفت ہوتی ہے۔ ایک ساتھ بہت سے قیدی کٹھرے کے اس طرف اور ان کے ملاقاتی کٹھرے کی دوسری طرف آمنے سامنے کھڑے کر دئے جاتے ہیں اور یہ سب مجمع ایک ساتھ بولتا ہے۔ اس لئے ہر شخص کو چیخ چیخ کر باتیں کرنی پڑتی ہیں۔

اور جب قیدیوں کا تبادلہ دوسرے جیلوں ہو جاتا ہے۔ تو پھر ان کے عزیزوں کو ان کا پتہ بھی نہیں چلتا کہ وہ کہاں ہیں۔

الغرض حکومت کے انتظامی تشدد کی مہیب شکل جیل خانوں میں دیکھی جا سکتی ہے۔ وہاں کے قواعد خصوصیت کے ساتھ ایسے بنائے گئے ہیں کہ زود حس انسان کے لئے جہنم کے عذاب سے کم نہیں۔ یہ ایک ایسی مشین ہے جو انتہائی بیدردی اور بالکل لاپرواہی سے ہر وقت گھومتی رہتی ہے اور جو اسکی داب میں آجائے کچل کر رکھ دیتی ہے۔

اندھے قیدی کی عجیب داستان

مگر خود ان قیدیوں میں اکثر ایسی بے لوث محبت کے واقعات دیکھنے میں آتے

ہیں۔ ان کی نظیر باہر کی اس دنیا میں بھی شاید کم دکھائی دے گی۔
جواہر لال نہرو نے ایک اندھے قیدی کی بڑی عجیب داستان لکھی ہے کہ اس کے ساتھیوں نے اپنی کل کائنات کس طرح اس پر نثار کر دی۔ وہ لکھتے ہیں:۔
ایک اندھا قیدی تیرہ برس کے بعد جیل سے چھوڑا گیا۔ وہ اس طویل عرصہ کے بعد بالکل خالی ہاتھ باہر جا رہا تھا۔ جہاں اب اس کا کوئی نہ تھا۔ اس کے ساتھی قیدی اس کی بے بسی سے بہت متاثر تھے۔ اور اس کی امداد کے خواہشمند تھے۔ لیکن خود بھی بیچارے بالکل بے بس تھے۔ ان کے پاس تھا ہی کیا جو اس کی مدد کرتے ایک قیدی نے اپنا وہ کرتہ جو جیل کے دفتر میں امانت رکھا ہوا تھا اسے دے دیا۔ دوسرے نے بھی ایک اور کپڑا اسے دیا۔ تیسرے کو اسی دن صبح ایک نئی چپل ملی تھی جو اس نے بڑے فخر سے مجھے دکھائی تھی۔ حقیقتاً جیل میں یہ بہت بڑی دولت تھی جو کسی قیدی کے پاس ہو سکتی تھی۔ مگر جب اس نے اپنے اندھے ساتھی کو ننگے پاؤں جاتے ہوئے دیکھا تو اس نے بڑی خوشی سے اپنی نئی چپل اسے دے دی۔

بدیسی کپڑے کا بائیکاٹ

جواہر لال نہرو کو روزانہ اخبار پڑھنے کے لئے نہیں ملتے تھے۔ صرف ایک ہندی ہفتہ وار اخبار دیا جاتا تھا۔ جس سے کچھ نہ کچھ حال معلوم ہو جایا کرتا تھا۔ ان دنوں بڑی ہیجان انگیز خبریں آیا کرتی تھیں لاٹھیاں چلائی جاتی تھیں۔ گولیاں برسائی جاتی تھیں۔ شولاپور میں مارشل لا جاری کر دیا گیا تھا قومی جھنڈا اٹھانے والوں کو دس دس سال کی سزائیں دی گئیں تھیں مشہور لیڈروں کی گرفتاری کی رفتار تیز تر ہو گئی تھی۔ قوم ان کی گرفتاری پر ہڑتال کرتی تھی۔ جلوس نکالی تھی

بدیسی کپڑے اور برطانیہ کی تقریباً ہر چیز کا بائیکاٹ کر دیا گیا تھا۔ خاص خاص واقعات کی یاد میں بڑے شاندار دن منائے جاتے تھے۔

فوج میں بغاوت

ابتدائی زمانہ میں سب سے بری خبر جو جیلخانے میں پہنچی۔ وہ صوبہ سرحد میں پیش آنے والے واقعات اور خصوصاً پشاور کے ۲۳ اپریل کے واقعہ سے متعلق تھی۔ پٹھانوں کے بہادری کے واقعات تو سب ہی کو معلوم ہیں لیکن انکی امن پسندی دنیا کے لئے عجیب اور بالکل نئی چیز تھی۔

اسی صوبہ میں یہ مشہور واقعہ پیش آیا کہ گڑھوالی سپاہیوں نے اپنے افسر کے حکم کی تعمیل سے انکار کر دیا۔ اور شہر والوں پر گولیاں نہیں چلائیں۔

اخبارات کا قتل عام

قومی تحریک زوروں پر تھی اور لڑائی بڑے جوش وخروش سے جاری تھی۔ وائسرائے نے مختلف آرڈیننس جاری کئے۔ جس کی رو سے بہت سے کاموں کو ممنوع قرار دیا گیا۔ پریس آرڈیننس کی رو سے بہت سے اخبارات پر سخت پابندیاں عائد کر دی گئیں۔ اور آئندہ اشاعت کا سلسلہ جاری رکھنے کے لئے ضمانتیں طلب کی گئیں۔

ورکنگ کمیٹی نے اخباروں سے اپیل کی کہ وہ ضمانت داخل نہ کریں۔ بلکہ اخبار کی اشاعت موقوف کر دیں۔ اعتدال پسند اخباروں کو اس اپیل پر غور کرنے کی ضرورت ہی نہیں تھی لیکن بہت سے قوم پرست اخباروں نے عرصہ تک اپنی اشاعتیں بند رکھیں۔

قوم پرست اخبارات کے بند ہو جانے سے بہت دقتیں پیش آئیں خود کانگریس کے بعض اہم کاموں میں بھی رکاوٹ پیدا ہوئی۔ طرح طرح کی افواہیں پھیلنے لگیں اس کے علاوہ ان دنوں اخبارات کی مانگ بھی زیادہ بڑھ گئی تھی ان حالات کے ماتحت اور پھر اس خیال سے کہ کہیں اعتدال پسند اخبارات ان کے کاروبار پر قابض نہ ہو جائیں اکثر اخبارات نے اپنی اشاعت دوبارہ شروع کر دی۔

آرڈیننس بنانیکی مشین

کچھ ہی دن بعد نمک بنانے کے علاوہ سول نافرمانی کے اور طریقے بھی اختیار کئے جانے لگے نئے نئے احکام کے ماتحت جسقدر زیادہ کاموں کی ممانعت کی جاتی تھی۔ خلاف ورزی کے اتنے ہی نئے موقعہ ہاتھ آتے تھے۔ اور جب ایک آرڈیننس سے کام نہیں چلتا تھا تو وائسرائے دوسرا آرڈیننس جاری کرتے تھے۔ لیکن آرڈیننس بنانیکی مشین کو بیکار بنانے کے لئے ہر حکم کی خلاف ورزی کرنا عوام نے اپنا دستور بنا لیا تھا۔

عورتیں میدان عمل میں

کانگریس اور قوم کی جدوجہد روز بروز ترقی پکڑ رہی تھی لیکن ان خدمات میں سب سے زیادہ حیرت انگیز اور باعث مسرت وہ خدمت تھی جو ہندوستان کی بے زبان عورتوں نے قومی تحریک میں انجام دیں۔ ان کی بہت بڑی تعداد جو عرصہ سے گھر کی چار دیواریوں سے باہر نہ نکلی تھی ایک دم میدان کارزار میں کود پڑی انہیں اس سے پہلے قومی خدمت سے واسطہ نہ پڑا تھا۔ لیکن انہوں نے اس لڑائی میں جس جوش و خروش سے حصہ لیا وہ ہندوستان کی تاریخ میں یادگار چیز ہے

ولایتی کپڑے اور شراب کی دوکانوں کی پکٹنگ انہوں نے اپنے لئے مخصوص کر لی تھی۔ اور ان کے بڑے بڑے جلوس جن میں صرف عورتیں ہی عورتیں ہوتی تھیں قومی نظموں اور قومی نعروں کے ساتھ تمام شہروں میں نکلتے تھے۔

ملک کے اس سرے سے اس سرے تک انہوں نے جس بہادری سے قومی خدمت انجام دی اس پر ہم فخر کر سکتے ہیں انہوں نے مردوں سے زیادہ ثابت قدمی کا ثبوت دیا۔ اور ان میں سے اکثر صوبوں میں اور مقامی حلقوں میں ڈکٹیٹر بنائی گئیں۔

جواہر لال نہرو کی بوڑھی والدہ ان کی بیمار بیوی اور ان کی سگی بہنوں نے بہت اہم کام انجام دیے۔

جواہر لال نہرو کی بیوی کملا دیوی کا جوش عمل بیماری تک پر غالب آگیا تھا اور وہ چلچلاتی دھوپ میں دوڑتی پھرتی تھیں۔ اور یہ عجیب بات تھی کہ ایک عرصہ تک سخت محنت اور بے حد مصروفیت کے باوجود ان کی صحت بالکل اچھی رہی۔

پنڈت موتی لال نہرو نے کملا دیوی کی خدمات کو اور خصوصاً انکی قابلیت کو سراہا گیا۔

گاندھی جی کی گرفتاری

۵ مئی کو گاندھی جی گرفتار کر لئے گئے۔ لیکن ان کی گرفتاری کے بعد بھی نمک سازی کے مرکزوں پر بہت زور شور سے لگے ہوتے رہے پولس نے ان حملوں میں بہت ہی وحشیانہ بے رحمی کے ثبوت دیئے

سخت آزمائش کی رات

پنڈت موتی لال نہرو کی صحت پہلے ہی خراب تھی۔ قائم مقام پریسیڈنٹ ہونے کے بعد ان پر اور بھی زیادہ زور پڑا پھر بھی انہوں نے تحریک کو پوری قوت سے چلایا۔ اور ان کی زبردست رہنمائی سے تحریک کو بہت فائدہ پہنچا۔ اس طرح ان کی صحت پر بہت بار پڑا اور جو تھوڑی بہت صحت باقی تھی وہ بھی برباد ہوگئی

جون کے نصف آخر میں وہ اپنی بیوی اور اپنی بہو کملا کے ہمراہ بمبئی گئے بمبئی ان دنوں قومی تحریک کا خاص مرکز تھا وہاں بڑی زبردست ہڑتالیں ہوتی تھیں۔ شاندار جلوس نکلتے تھے اور روزمرہ لاٹھی چارج ہوا کرتے تھے۔

بمبئی نے اس دوران میں بہت شاندار خدمات انجام دیں لاٹھی چارج کے مجروحین کے لئے کئی ہنگامی ہسپتال قایم کر دیے گئے تھے۔

بمبئی میں پنڈت موتی لال نہرو کا بہت شاندار استقبال ہوا۔ انکے قیام کے دوران میں بھی پولس نے بہت زبردست لاٹھی چارج کئے۔ اور جب باپوجی اور ورکنگ کمیٹی کے ممبروں کی رہنمائی میں ایک بہت بڑا جلوس نکلا تو پولس نے ان کا راستہ روک دیا۔ اس رات کو بڑی سخت آزمائش کا سامنا تھا۔ مگر وہ رات بھر پولس کے مقابلے پر ڈٹے رہے۔

مصالحت کیلئے ایک انگریز کی کوشش

ڈیلی ہیرلڈ لندن کے نامہ نگار مسٹر سولوکوسب ہندوستان آئے ہوئے تھے انہوں نے بمبئی میں پنڈت موتی لال نہرو سے کانگریس اور حکومت میں مصالحت کے عنوان پر گفتگو کی اور یہ چاہا کہ کانگریس کچھ شرطیں منوا کر گول میز کانفرنس میں

شرکت کرے انہوں نے ۲۵ جون ۱۹۳۰ء کو ذیل کا ایک مختصر بیان ترتیب دیا۔

گو یہ ظاہر ہے کہ حکومت ہند اور حکومت برطانیہ کو یہ نہیں معلوم کہ گول میز کانفرنس جو اپنی رائے کے لحاظ سے بالکل آزاد انجمن ہے کیا کیا تجویزیں پیش کریگی اور یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ ان تجویزوں کے متعلق برطانوی پارلیمنٹ کا رد یہ کیا ہوگا۔ اس کے باوجود اگر یہ دونوں حکومتیں اپنی طرف سے یہ وعدہ کرلیں کہ ہم ہندوستان کو کامل خود اختیاری حکومت دئے جانے کی حمایت کرنے پر اسلئے تیار ہیں کہ ہندوستان کے مخصوص خیالات اور ضروریات اور ہندوستان اور برطانیہ کے قدیم تعلقات کے لحاظ سے انکے باہمی تصفیہ کے لیئے انتقال اختیارات کی شرائط موجود ہیں تو حکومت کے وعدہ یا کسی ذمہ دار ثالث کے اس اطمینان دہ بیان کی حکومت ایسا وعدہ کرنے والی ہے۔ پنڈت موتی لال نہرو خود جاکر گاندھی جی اور پنڈت جواہر لال نہرو کو اطلاع دیں گے۔

اگر یہ وعدہ کرلیا گیا اور فریق ثانی نے بھی اسے قبول کرلیا۔ تو حکومت اور کانگریس کے درمیان اس حد تک مصالحت ہوسکتی ہے کہ سول نافرمانی بند ہوجائے حکومت کی موجودہ تشدد کی پالیسی ختم ہو جائے اور سیاسی قیدیوں کو عام معافی مل جائے

اس کے بعد کانگریس ان شرائط کے ساتھ جنہیں فریقین منظور کرلیں گے گول میز کانفرنس میں شرکت کرے گی۔

پنڈت موتی لال نہرو نے اس بیان کو پسند کیا اور انکی منظوری کے بعد اسے شائع کرادیا گیا۔

سفر کی تیاریاں

بمبئی کے سفر اور وہاں صبح سویرے سے لیکر بڑی رات تک متواتر

مصروف رہنے سے پنڈت موتی لال نہرو کی صحت پر بہت ہی برا اثر پڑا۔ اور جب وہاں سے واپس آئے تو بہت ہی مضمحل ہو گئے تھے۔ ڈاکٹروں نے سخت تاکید کی کہ ان کو آرام کرنے کی سخت ضرورت ہے۔ چنانچہ آرام کرنے کے خیال سے انہوں نے منصوری جانے کا ارادہ کیا اور سفر کی تیاریوں میں مصروف ہو گئے۔

سختی کا مزہ چکھنے کی خواہش

جواہر لال نہرو جب جیل میں باہر کی اس ہلچل کو سنتے تھے تو انہیں بڑا دکھ ہوتا تھا کہ وہ میدان جنگ سے دور ہیں۔ انکا دل بے چین ہوتا تھا کہ کسی طرح میں بھی وہاں پہنچ جاؤں۔ جہاں لوگ اپنی جانوں کو خطرے میں ڈال رہے ہیں اور صدہا تکلیفیں برداشت کر رہے ہیں۔

اس خیال سے کچھ نہ کچھ تو سختی کا مزہ چکھوں۔ انہوں نے جیل میں اپنی مرضی سے زیادہ کام کرنا شروع کر دیا۔ وہ روزانہ تقریباً تین گھنٹے نواڑ بنتے کپڑے دھوتے اور جھاڑنے پوچھنے کے کام میں مصروف رہتے۔ اسکے علاوہ وہ کتابیں پڑھنے میں بھی بہت سا وقت خرچ کرتے تھے۔ ان کا وزن بیحد گھٹ گیا تھا۔

ایک مہینے تک وہ اپنی بارک میں تنہا رہے۔ اس کے بعد انکے ایک ساتھی نربدا پرشاد سنگھ قید کر کے اسی بارک میں بھیجے گئے۔ انکے آ جانے سے جواہر لال نہرو کو بڑی تسکین ہوئی۔

سرکاری مہمان کی صحت گاہ

پنڈت موتی لال نہرو ڈاکٹروں کے مشورے کے مطابق مکمل آرام کے لئے منصوری جانے کی تیاریوں میں مصروف تھے۔ روانگی سے ایک دن پہلے ۳۰ جون کو

جبکہ وہ اور ڈاکٹر سید محمود جو بعد میں کانگریس وزارت میں یو۔پی کے وزیر تعلیم بنے آنند بھون میں سو رہے تھے کہ صبح سویرے ان دونوں کو ایک دم گرفتار کر لیا گیا۔ اور نینی سنٹرل جیل کی اس بارک میں پہنچایا گیا جسمیں جواہر لال نہرو اور نربدا پرشاد سنگھ پہلے سے مقید تھے۔

ان دونوں کی گرفتاری کی وجہ یہ تھی۔ کہ ورکنگ کمیٹی خلاف قانون قرار دی جا چکی تھی۔ اور پنڈت موتی لال نہرو اس کے قائم مقام پریسیڈنٹ اور سید محمود اس کے سکرٹری تھے۔ حکومت کو پنڈت موتی لال نہرو کے ایک بیان پر بھی اعتراض تھا جو انہوں نے فوج اور پولس کے سپاہیوں کے نام شائع کیا تھا۔ ان دونوں کو چھ چھ مہینہ کی سزا دیدی گئی۔

پنڈت موتی لال نہرو کی صحت انتہا درجہ خراب ہو چکی تھی اور کتا بارک کی محدود چار دیواری میں جہاں یہ چار آدمی ٹھونس دیئے گئے۔ راحت کا سامان کہاں تھا۔ اس لیئے پنڈت موتی لال نہرو کو سخت تکلیف پہنچی۔

سپرنٹنڈنٹ جیل کی تجویز تھی کہ پنڈت جی کو جیل کے کسی اور حصہ میں رکھ دیا جائے جہاں جگہ ذرا کشادہ ہو۔ لیکن باقی تینوں حضرات نے ہمراہ ہی رہنا پسند کیا تاکہ وہ خود ان کی خدمت کر سکیں۔

برسات شروع ہو گئی تھی اور معزز مہمانوں کے اس سرکاری مہمان خانے کا حال یہ تھا کہ کوٹھری کے اندر بھی پانی سے محفوظ نہیں رہا جا سکتا تھا۔ چھت جگہ جگہ سے اسقدر ٹپکتی تھی کہ اسمیں رات گذارنی محال تھی۔

کوٹھری سے آگے دس فٹ لمبا اور پانچ فٹ چوڑا برامدہ تھا جہاں پانی کی بوچھاڑ بخوبی آتی تھی۔ اور سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ کہ پنڈت جی کا پلنگ کہاں بچھایا جائے کہ وہ بھیگنے سے محفوظ رہ سکیں۔

پنڈت جی کو اکثر بخار رہنے لگا تھا۔ اور وہ سخت مضمحل تھے آخر حکام کو کوٹھڑی کے متصل ایک اور وسیع برآمدہ بنوانا پڑا۔

کملا دیوی کا اعزاز

کانگریس کی ورکنگ کمیٹی کے خلاف قانون قرار دئے جانے سے یہ ایک نئی صورت۔ کہ جہاں کہیں کمیٹی کا اجلاس ہوتا تھا۔ اس کے تمام ممبر ایک ساتھ گرفتار کر لئے جاتے تھے آخر کار قائمقام ممبروں کے متعلق جو اختیارات حاصل تھے ان کی رو سے دوسرے ممبر منتخب ہو جاتے تھے اسطرح کئی عورتیں بھی ممبر ہوئیں۔ان میں کملا دیوی بھی شامل ہیں۔

غلط فہمی کا صحیح اندیشہ

نینی جیل میں پنڈت موتی لال نہرو نے جواہر لال نہرو کو بتایا کہ انہوں نے بمبئی میں عجلت میں ایک ایسا بیان شایع کرنے کی اجازت دے دی ہے کہ حکومت اگر چند شرائط مان لے تو کانگریس سول نافرمانی کی تحریک روک دے گی یہ بیان مبہم اور مشروط تھا۔ اور اس میں یہ شرط صاف کر دی گئی تھی کہ جبتک گاندھی جی اور جواہر لال نہرو صدر کانگریس سے مشورہ نہ کر لیا جائے۔ تب تک اس کا امکان نہیں ہے پھر بھی پنڈت جی کو اسلئے غلط فہمی کا اندیشہ تھا کہ جن لوگوں کا طرز خیال کانگریس سے مختلف ہے وہ کہیں غلط معنی نہ پیدا کر لیں۔

چنانچہ بہت جلد معلوم ہو گیا کہ واقعی اس بیان سے غلط فہمی ہوئی۔ اگر دیکھا جائے تو اسی بیان پر کیا منحصر ہے ہر بیان سے خواہ وہ کتنا ہی واضح کیوں نہ ہو غلط فہمی پیدا کی جا سکتی ہے

صلح کے پیامبر سر سپرو اور مسٹر جیکار

پنڈت موتی لال نہرو کے لئے جیل میں یہ خاص رعایت برتی گئی تھی کہ ان کے لئے ایک روزانہ اخبار بھیجا جایا کرتا تھا۔ جولائی کے آخر میں اس اخبار کے ذریعہ معلوم ہوا کہ سر تیج بہادر سپرو اور ایم۔ آر۔ جیکار حکومت اور کانگریس میں صلح کرانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اسی سلسلہ میں ان دونوں کی وائسرائے سے جو خط و کتابت ہوئی تھی۔ اسکی تفصیل بھی اسی اخبار سے معلوم ہوئی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ صلح کے پیامبر گاندھی جی سے ملنے یروڈا گئے تھے۔

اس وقت تو جیل میں کسی کی بھی سمجھ میں نہیں آیا کہ صلح کے ان دونوں پیامبروں نے پیش قدمی کس وجہ سے کی اور آخر ان کی خواہش کیا ہے۔

بعد میں ان ہی دونوں سے معلوم ہوا کہ پنڈت موتی لال نہرو کے اس مختصر بیان نے انہیں یہ جرأت دلائی تھی۔

جیل میں وائسرائے کا خط

۲۷۔ جولائی کو سر تیج بہادر سپرو اور ایم۔ آر جیکار، گاندھی جی کا خط لیکر کا یک نینی جیل میں کتا بارک کے مہمانوں سے ملے اور ۲۷، ۲۸ جولائی کو دونوں فریقین میں طویل بحث و تمحیص ہوتی رہی۔ جس کے سبب پنڈت موتی لال نہرو کو جنھیں ان دنوں حرارت رہا کرتی تھی بیحد تکان ہوئی۔

قومی لیڈروں کے خیال میں موجودہ حالات کی بنا پر حکومت اور کانگریس کے درمیان صلح کا بالکل امکان نہیں تھا۔ انہوں نے صاف بتایا کہ جب تک ہم اپنے رفیقوں اور خصوصاً گاندھی جی سے مشورہ نہ کرلیں کوئی تجویز پیش کرنے سے قاصر ہیں

۸ اگست کو سر سپرو وائسرائے کا جواب لیکر پھر ینی جیل پہنچے گاندھی جی سے ملنے کے لئے ان قومی رہنماؤں کو یرودا بھیجنے کی منظوری دیدی تھی مگر سردار ولبھ بھائی پٹیل۔ مولانا ابوالکلام آزاد ورکنگ کمیٹی کے دوسرے ممبروں سے جو جیل سے باہر حکومت کے خلاف عملی جدوجہد کر رہے تھے ملنے کی اجازت دینے سے انکار کر دیا تھا۔

جواباً قومی رہنماؤں نے بتایا۔ کہ جب تک ہم اپنے دوسرے رفیقوں سے نہ گفتگو کریں۔ ہم کوئی قطعی فیصلہ نہیں کریں گے۔ جہانتک گاندھی جی سے ملاقات کرنے کا سوال ہے اسکے لئے ہم ہر وقت تیار ہیں۔ اسکے ساتھ یہ نہایت ضروری ہے کہ ڈاکٹر سید محمود بھی جو کانگریس کے سکرٹری ہیں ہمارے ساتھ یرودا بھیج جائیں

پوری ورکنگ کمیٹی کی گرفتاری

اسی اثنا میں معلوم ہوا کہ بمبئی میں سخت لاٹھی چارج ہوا۔ اور ولبھ بھائی پٹیل مدن موہن مالویہ تصدق احمد خاں شیروانی اور ورکنگ کمیٹی کے تمام مستقل اور قائم مقام ممبر گرفتار کر لئے گئے۔

صلح کی گفتگو کے دوران میں حکومت کا یہ رویہ عجیب تھا۔

ینی جیل کے قیدیوں کی سپیشل ٹرین

۱۰ اگست کو پنڈت موتی لال نہرو اور سید محمود اسپیشل ٹرین سے پونہ روانہ کئے گئے۔ یہ اسپیشل بڑے بڑے اسٹیشنوں کو چھوڑتی چلی جاتی تھی اور صرف چھوٹے چھوٹے اسٹیشنوں پر ٹھیرائی جاتی تھی۔ لیکن جن اسٹیشنوں پر وہ ٹھیرائی گئی۔ وہاں بھی اور جہاں نہیں ٹھیرائی گئی وہاں بھی لوگوں کے بڑے بڑے مجمع موجود ہوتے تھے

قومی لیڈروں کی روانگی کی خبر ہر طرف پھیل چکی تھی۔

جیل میں لیڈروں کی خوراک

اا ر اگست کی رات کو پونہ کے قریب کرکی اسٹیشن پر یہ اسپیشل ٹھیرائی گئی۔
پنڈت موتی لال نہرو کی بیماری کے سبب حکومت بمبئی کی خواہش تھی کہ انہیں سفر اور دوران قیام یرودا میں آرام پہنچانا چاہیئے۔ جیسے ہی یہ لوگ یرودا جیل پہنچے کرنل مارٹن سپرنٹنڈنٹ جیل نے پنڈت جی سے پوچھا آپ کس قسم کا کھانا پسند کرتے ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ میں سادہ اور ہلکی غذاؤں کا عادی ہوں اور پھر صبح کے ناشتہ سے لیکر رات تک کے کھانے کی فہرست بتادی۔
نینی جیل میں اب تک ان لوگوں کا کھانا گھر سے آیا کرتا تھا۔ جو فہرست پنڈت جی نے بہت سادگی اور بھولے پن سے یرودا جیل میں بتائی۔ وہ اسمیں شک نہیں کہ ہر شاندار ہوٹل میں بہت معمولی سمجھی جاتی ہے اور یہ بات بھی صحیح تھی کہ تمام غذائیں سادہ تھیں۔ لیکن یرودا جیل کے لئے جہاں عرصہ مدید سے ہندوستان کا ایک شہرۂ آفاق لیڈر صرف بکری کے دودھ اور چند کھجوروں۔ ایک دو سنتروں کے رس پر گذر کرتا تھا یہ فہرست بہت طویل بھی تھی اور گراں بھی تھی۔
کرنل مارٹن جسوقت یہ طویل اور گراں فہرست سن رہے تھے انکے چہرے کی کیفیت قابل دید تھی۔ جواہر لال نہرو اور سید محمود اس سے بہت لطف اندوز ہوئے

حکومت کا ایک پوشیدہ راز

نینی جیل سے آنے والے ان قیدی مسافروں کو پوری توقع تھی کہ ہم گاندھی جی کے پاس ٹھیرائے جائینگے۔ یا اگر ایسا نہ بھی ہوا تو جلد سے جلد انسے ضرور مل سکیں گے

اور یرودا جیل کے سپرنٹنڈنٹ نے ایسا ہی انتظام کیا تھا۔ لیکن تینی حل ہے جو پولیس افسران لوگوں کے ساتھ آیا تھا۔ اس نے کچھ ایسی ہدایتیں دیں کہ اس رات کو اور دوسرے دن اور دوسری رات کو یہ سب الگ بارک میں رکھے گئے اور گاندھی جی سے ملنے کا موقع بھی نہیں دیا گیا۔

پنڈت موتی لال نہرو کو حکومت کے اس بے جا رویہ پر سخت غصہ آیا اور جواہر لال نہرو اور سید محمود کو بھی سخت تکلیف اور بے حد قلق ہوا کہ اتنی دور کا سفر گاندھی سے ملنے کے خاطر کیا گیا۔ لیکن ایک ہی عمارت میں رہنے کے باوجود انسے ملنے کا موقعہ نہیں دیا جاتا۔

لفٹننٹ کرنل مارٹن سپرنٹنڈنٹ جیل حکومت کے اس عجیب راز کو ظاہر کرنا نہیں چاہتے تھے۔ لیکن پنڈت موتی لال نہرو نے کسی نہ کسی طریقہ سے معلوم کر ہی لیا کہ حکومت کا منشا یہ ہے کہ یہ تینوں سر سپرو اور ایم۔ آر۔ جیکار کی عدم موجودگی میں گاندھی جی سے نہ ملنے پائیں۔ ورنہ اسے اندیشہ تھا کہ اگر یہ سب ان دونوں کی عدم موجودگی میں مل بیٹھے تو انکار دیہ اور زیادہ سخت ہو جائیگا یا ان کے خیالات میں اور پختگی ہو جائیگی

حکومت کی عذر و معذرت

۱۳؍ اگست کی شام کو ان تینوں حضرات کو سر سپرو اور ڈسٹر جے کار کے آنے کی اطلاع دی گئی۔ اور بتایا گیا کہ گاندھی جی اور وہ دونوں جیل کے دفتر میں آپ کے منتظر ہیں۔
پنڈت موتی لال نہرو کو حکومت کے اس رویہ پر سخت قلق تھا۔ ایک ہی عمارت میں ہونے کے باوجود تقریباً ۳۰ گھنٹہ تک ان لوگوں کو گاندھی جی سے ملنے سے روکا گیا۔ اس لئے انہوں نے وہاں جانے سے قطعی انکار کر دیا۔
جب ان سے بہت کچھ عذر و معذرت کی گئی تو انہوں نے بتایا کہ جب تک

ہمیں گاندھی جی سے تنہائی میں ملنے کی اجازت نہ دی جائے گی۔ تب تک ہم صلح کی بات چیت میں حصہ نہیں لے سکتے۔

ان لوگوں کی متفقہ درخواست پر ولبھ بھائی پٹیل اور جیرام داس دولت رام کو جو یرودا جیل میں لائے جا چکے تھے اور سروجنی نائیڈو کو بھی جو سامنے کی عمارت میں عورتوں کی جیل میں تھیں اس مشورہ میں شامل ہونے کی اجازت دی گئی اور اسی دن شام کو یہ سب لوگ گاندھی جی کے احاطہ میں منتقل کر دئے گئے اور یرودا کے مختصر قیام کے دوران میں وہیں رہے۔ تاکہ آپس میں مشورہ کی سہولت ہو۔

یرودا جیل کا تاریخی خط

۱۳ ر ۱۴ ر ۱۵ ر اگست کو یعنی تین روز تک متواتر جیل کے دفتر میں ان لوگوں نے سر سپرو اور مسٹر جیکار سے گفتگو کی۔ اور بالآخر ۱۵ ر اگست کو حسب ذیل خط میں جو سر سپرو اور مسٹر جیکار کے نام تھا۔ انہوں نے وہ کم سے کم شرطیں لکھدیں جن سے سول نافرمانی روکی جاسکتی تھی اور حکومت سے اتحاد عمل کیا جاسکتا تھا

یرودا سنٹرل جیل

۱۵ ر اگست سنہ ۱۹۳۰ء

صاحبان کرمفرما

ہم دل سے آپ حضرات کے شکرگذار ہیں۔ کہ آپ نے حکومت اور کانگریس میں صلح کرانے کی کوشش کی اس خط وکتابت کو پڑھ کر جو آپ میں اور وائسرائے کے درمیان اس بارے میں ہوئی اور آپ سے مفصل گفتگو کرکے اور آپس میں مشورہ کرنے کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ ہمارے ملک کی عزت اور وقار کی شان شایاں صلح کا ابھی کوئی امکان نہیں ہے اور اگرچہ گذشتہ پانچ مہینے میں عوام میں حیرت انگیز بیداری

پیدا ہوگئی ہے اور ہر طبقہ اور ہر جماعت اور ہر مذہب و ملت کے لوگوں نے شدید ترین تکالیف برداشت کی ہیں۔ لیکن ہمارے خیال میں ابھی تک یہ تکالیف نہ اس قدر مسلسل ہیں اور نہ اتنی زیادہ ہیں کہ ہمارے مقصد کے حاصل کرنے کیلئے کافی ہوں۔

آپکے اور وائسرائے کے اس خیال سے کہ سول نافرمانی کے سبب ملک کو نقصان پہنچا۔ یا یہ کہ تحریک بے وقت اور غیر آئینی ہے ہم متفق نہیں ہیں۔

انگلستان کی تاریخ خوں ریز شورشوں کی مثالوں سے پٹی پڑی ہے اور خود انگریزوں نے اس تشدد کی تعریف کی ہے اور ہمیں بھی اسکی تعریف کرنی سکھائی ہے اس لئے وائسرائے اور سمجھدار انگریزوں کے لئے غیر مناسب ہے کہ ایسی تحریک کو بُرا کہیں جو اپنے مقصد کے لحاظ اور بہت بڑی حد تک اپنے عمل کے لحاظ سے پرامن رہی ہے۔ مگر ہم یہاں ان الزاموں کے تردید کرنے کی ضرورت نہیں سمجھتے۔ جو سرکاری یا غیر سرکاری طور پر سول نافرمانی کی تحریک پر لگائے گئے ہیں۔ اس تحریک کو عوام میں جو حیرت انگیز مقبولیت حاصل ہوئی ہے ہمارے خیال میں وہ اسکے جواز کا کافی ثبوت ہے

ہمیں آپکو یہ بتانا ہے کہ ہم بھی آپ کی طرح خواہشمند ہیں۔ کہ جس طرح بھی ممکن ہو سول نافرمانی کو ملتوی یا ختم کردیا جائے بغیر ضرورت اپنے ملک کے مردوں، عورتوں، اور بچوں کو قید، لاٹھی چارج اور اس سے بھی زیادہ بد ترین خطروں میں ڈالنا ہمیں خود گوارا نہیں ہے۔ اس لئے ہم آپ کو اور وائسرائے کو یقین دلانا چاہتے ہیں کہ ہم باعزت صلح کی تمام امکانی صورتیں تلاش کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھیں گے مگر ہمیں یہ کہنے کی اجازت دیجئے۔ کہ ابھی تک اس کے آثار دکھائی نہیں دیتے اور ہمیں کوئی علامت نظر نہیں آتی۔ کہ انگریز حکام اس کے قائل ہوگئے ہوں کہ ہندوستان کے باشندوں کو اپنے ملک کی قسمت کا فیصلہ کرنے کا حق حاصل ہے۔

حکام کے خالی خولی وعدوں پر جو اگرچہ اکثر نیک نیتی پر مبنی ہوتے ہیں۔ ہمیں کوئی اعتبار نہیں۔

انگریز عرصہ دراز سے ہماری قوم سے ناجائز فائدہ اٹھانے کے عادی ہو چکے ہیں۔ اسلئے انہیں احساس نہیں ہے کہ انہوں نے ہمیں اخلاقی۔ معاشی اور سیاسی اعتبار سے کسقدر تباہ کر دیا ہے۔ وہ کسیطرح بھی یہ نہیں سمجھ سکتے کہ انکا صرف ایک ہی فرض ہے کہ وہ اپنی حکومت کا جوا ہماری گردنوں سے اتار لیں اور اپنی گذشتہ زیادتیوں کی تلافی کے لئے ہمیں اس روز افزوں تنزل سے نجات پانیمیں مدد دیں۔ جو برطانوی حکومت کے ماتحت ایک صدی سے ہمارے ملک پر نازل ہے۔

لیکن ہمیں معلوم ہے کہ آپکو اور ہمارے بعض فاضل ہموطنوں کو ہمارے ان خیالات سے اتفاق نہیں ہے۔ آپ کا خیال ہے کہ حکومت کی ذہنیت کم از کم اتنی ضرور بدل گئی ہے کہ مجوزہ کانفرنس میں شرکت کرنے سے مفید نتیجہ نکل سکے گا۔ اسی لئے ان دقتوں کے باوجود جو ہمیں درپیش ہیں۔ ہم خوشی سے تیار ہیں کہ جہاں تک ہمارے امکان میں ہو آپکے ساتھ تعاون کریں۔ اس لئے موجودہ حالات میں آپ کی دوستانہ تجویز کے جواب میں ہم جو زیادہ سے زیادہ کہہ سکتے ہیں وہ حسب ذیل ہے۔

(ا) ہمارا خیال ہے کہ آپ کے اس خط کے جواب میں جو مجوزہ کانفرنس کے متعلق تھا۔ وائسرائے نے ایسے مبہم الفاظ استعمال کئے ہیں۔ کہ ہم کوئی اندازہ نہیں کر سکتے۔ اور اس قومی مطالبے سے جو پچھلے سال لاہور میں پیش کیا گیا تھا کس حد تک مطابقت رکھتے ہیں۔ اسکے علاوہ ہم اسوقت تک کوئی قطعی جواب دینے سے قاصر ہیں۔ جبتک کانگریس ورکنگ کمیٹی کے باضابطہ اجلاس میں اس مسئلے پر غور نہ کر لیا جائے البتہ ہم اتنا کہہ سکتے ہیں کہ ذاتی طور پر ہمیں وہی فیصلہ منظور ہوگا جس کی رو سے:-

(الف) غیر مبہم الفاظ میں یہ تسلیم کر لیا جائے کہ ہندوستان برطانوی سلطنت سے علیحدہ ہو سکتا ہے۔

(ب) ہندوستان کو مکمل قومی حکومت دی جائے جو رائے عامہ کے سامنے جواب دہ ہو جسے ملک کی حفاظت اور معاشی امور کے متعلق اختیارات حاصل ہوں اور جو اُن گیارہ شرطوں کو پورا کرتی ہو جو گاندھی جی نے وائسرائے کو اپنے خط میں لکھی تھیں۔

(ج) ہندوستان کو یہ حق دیا جائے کہ اگر ضرورت ہو تو ایک آزاد عدالت کے ذریعہ سے ان برطانوی مطالبات کی (جنمیں ہندوستان کا نام نہاد ملکی قرضہ بھی شامل ہی) تنقیح کرائی جائے جو قومی حکومت کے نزدیک غیر واجب یا ہندوستانیوں کے مفاد کے خلاف ہو

نوٹ :- انتقال حکومت کے دوران میں جو خاص انتظامات ہندوستان کے مفاد کے لئے ضروری ہوں انکا فیصلہ ہندوستان کے منتخب شدہ نمایندے کریں

(۲) اگر برطانوی حکومت مندرجہ بالا شرائط منظور کرے۔ اور قابل اطمینان طریقہ سے اسکا اعلان کر دے تو ہم ورکنگ کمیٹی کو مشورہ دیں گے کہ وہ بعض خاص قوانین کی نافرمانی جو محض قانون شکنی کی غرض سے کی جاتی ہے بند کر دے۔ مگر بدیسی کپڑے اور شراب کی پکٹنگ اس وقت تک جاری رہے گی جبتک کہ حکومت ان دونوں چیزوں کی فروخت خود بند کر دے۔ عام لوگوں کو نمک بنانیکی اجازت ہو گی اور نمک کے قانون کی تعزیری دفعات نافذ نہ کی جائیں گی۔ حکومت کے پانچ کے نمک کے کارخانوں پر حملہ نہیں کیا جائیگا۔

(۳) سول نافرمانی کے بند کرنے کے ساتھ ساتھ،

(الف) تمام ستیہ گرہی اور دوسرے سیاسی قیدی خواہ وہ جیل میں ہوں یا حوالات

ہیں، رہا کر دئے جائیں۔ البتہ تسدد یا ترغیب تشدّد کے مجرم ان میں شامل ہوں۔

(ب) جو املاک قانون نمک، قانون مطبع اور قانونِ مال گذاری وغیرہ کے ماتحت ضبط کی گئی ہیں وہ سب واپس کر دی جائیں۔

(ج) جرمانے اور ضمانت کی رقمیں جو سزا یافتہ ستیہ گرہیوں یا پریس ایکٹ کی خلاف ورزی کرنے والوں سے وصول کی گئی ہیں واپس کر دی جائیں۔

(د) تمام ملازم جن میں دیہات کے مقدم چوکیدار وغیرہ شامل ہیں جو سول نافرمانی کی تحریک کے دوران میں مستعفی یا برطرف ہوئے ہوں اور دوبارہ حکومت کی ملازمت کرنی چاہتے ہوں بحال کر دئے جائیں۔

نوٹ:- یہ دفعات تحریک عدم تعاون کے زمانہ پر بھی عاید ہوں گی۔

(ہ) وائسرائے کے جاری کئے ہوئے تمام تعزیری ضابطے منسوخ کر دئے جائیں۔

(ہ) مجوزہ کانفرنس کی نمائندگی اور اس میں کانگریس کی شرکت کا مسئلہ اسی وقت طے ہو سکے گا۔ جبکہ مندرجہ بالا معاملات کا قابل اطمینان تصفیہ ہو جائے

آپ کے مخلص

موتی لال نہرو۔ ایم کے گاندھی۔ سروجنی نائیڈو۔ ولبھ بھائی پٹیل۔
جےرام داس۔ ودلبت رام۔ سید محمود۔ جواہر لال نہرو

قوم کا خراج عقیدت

طویل مشوروں میں شرکت کے سبب پنڈت موتی لال نہرو کی صحت پر بہت زور پڑا۔ ان کے تھوک میں خون آنے لگا اور ۱۶ اگست کو انہیں اتنا تیز

بخار ہو گیا کہ واپسی میں تاخیر برتنی پڑی
بالآخر ۱۵ اگست کو یہ لوگ بذریعہ اسپیشل ٹرین واپس ہوئے۔ واپسی میں بھی گاڑی بڑے بڑے سٹیشنوں پر ٹھہری۔ مگر مجمع پہلے کی بہ نسبت بہت زیادہ تھا۔ جہاں کہیں گاڑی ٹھہرتی پلیٹ فارموں پر تل دھرنے کو جگہ نہ ہوتی تھی بعض بعض مقامات پر لوگ ریل کے آگے پٹریوں تک پہ لیٹ پڑتے تھے۔ کئی جگہ حادثے ہوتے ہوتے رہ گئے۔

شدید بیماری کے سبب پنڈت موتی لال نہرو کی رہائی

پنڈت موتی لال نہرو کی صحت دن بدن خراب ہو رہی تھی انکے ایک دوست نے یہ دیکھکر کہ جیل میں انکا علاج ٹھیک طور پر ہونا ناممکن ہے اور ایسی حالت میں انکا جیل میں رکھنا بہت مضر ہے اخبارات کے ذریعہ حکومت کو مشورہ دیا کہ بیماری کے سبب پنڈت جی کو رہا کر دینا چاہیئے۔
صوبے کی حکومت کے بھیجے ہوئے اور ان کے اپنے بلائے ہوئے ڈاکٹر انہیں جیل میں دیکھنے آتے تھے۔ مگر ان کی صحت روز بروز بگڑتی جا رہی تھی جب انہوں نے اخبار میں اپنی رہائی کے متعلق اپنے دوست کی تجویز پڑھی۔ تو انہیں سخت ناگوار ہوا۔ اور انہوں نے لارڈ اِرون کو تار دیا۔ کہ مجھے رعایت کے ماتحت رہا ہونا منظور نہیں۔ شدید بیماری کے سبب وہ اتنے دبلے ہو گئے تھے کہ ان کی شکل پہچانی نہ جاتی تھی اور انکا وزن بہت تیز رفتاری سے گھٹ رہا تھا۔ آخر ۸ ستمبر کو وہ رہا کر دیئے گئے۔

رنجیت ایس پنڈت کی گرفتاری

پنڈت موتی لال نہرو کی رہائی کے بعد کتاہارک کی فضا میں اداسی چھا گئی۔

اور ان کی موجودگی میں جو روزانہ اخبار آتا تھا۔ اس سے بھی جواہرلال نہرو و سید محمود اور نربدا پرشاد کو محروم کر دیا گیا۔ چار پانچ روز بعد جواہرلال نہرو کے بہنوئی رنجیت ایس پنڈت کے گرفتار ہو کر اسی بارک میں آ جانے سے کچھ تسلی کی خبریں ملیں اور ان قیدیوں کی وہ پرانی تعداد پھر پوری ہو گئی جو پنڈت موتی لال نہرو کے چلے جانے سے کم ہو گئی تھی

صلح کے پیامبروں کی ناکامی

اا اکتوبر کو چھ مہینے کی قید کی میعاد ختم ہونے پر جواہرلال نہرو کو رہا کیا گیا۔ سرسپرو اور مسٹر جیکار نے صلح کی جو کوششیں کی تھیں وہ ناکام ہو چکی تھیں۔ اور لڑائی جاری تھی۔ جو روز بروز شدت اختیار کرتی جاتی تھی۔ اسلئے رہا ہوتے ہی جواہرلال نہرو کے سامنے بے انتہا کام تھے۔ جنہیں پورا کرنا تھا۔ اور لڑائی کی روز افزوں ترقی کے سبب اس امید نے یقین کا درجہ پا لیا تھا کہ وہ زیادہ دن آزاد نہ رہ سکیں گے۔

عالمگیر کساد بازاری

لگان اور مال گذاری کی ادائے گی کا وقت آ گیا تھا۔ لیکن زراعتی پیداوار کی قیمت انتہا درجہ گر گئی تھی اور عالمگیر کساد بازاری کا بھیانک اثر تمام ملک میں صاف نظر آ رہا تھا۔

زمینداروں اور کاشتکاروں دونوں کے لئے پورا مطالبہ ادا کرنا ناممکن تھا۔ اور سیاسی اور معاشی حالات کا شدید تقاضہ تھا کہ دیہات میں محصول نہ دینے کی تحریک شروع کی جائے۔

الہ آباد میں ڈیڑھ دن تک جواہر لال نہرو اور ان کے رفیقوں کے مابین مشورے ہوتے رہے صوبہ متحدہ کی کانگریس کمیٹی کا ایک فوری جلسہ طلب کیا گیا اور طویل بحث کے بعد لگان نہ دینے کی تحریک منظور کی گئی ساتھ ہی ہر ضلع کو یہ اختیار دیا گیا تھا کہ اگر وہ چاہے تو اپنے ہاں اس تحریک کو شروع کر سکتا ہے۔

الہ آباد کا ضلع پہلا قدم اٹھانے کے لئے تیار ہو گیا اور ضلع کے کسانوں کی ایک نمائندہ کانفرنس منعقد کرنے کے لئے ایک ہفتہ بعد کا وقت مقرر کیا گیا تاکہ نئی تحریک شروع کی جا سکے۔

اسی روز الہ آباد میں ایک شاندار جلسہ ہوا جس میں جواہر لال نہرو نے بہت پر زور اور طویل تقریر کی۔ اسی تقریر کے بعض حصوں پر گورنمنٹ ناراض ہو گئی۔

جھنڈا اونچا رہے ہمارا

پنڈت موتی لال نہرو اپنی بیوی اور بچیوں سمیت منصوری گئے ہوئے تھے صرف کملا دیوی الہ آباد میں کانگریس کا کام انجام دے رہی تھیں

ڈیڑھ دن الہ آباد میں مصروف رہ کر جواہر لال نہرو معہ کملا دیوی ۱۳ اکتوبر کو منصوری روانہ ہو گئے۔ دو تین دن والد کے پاس وہاں رہے انکے دل میں ان مسرت انگیز دنوں کی یاد اب بھی باقی ہے وہ یہ دیکھکر بہت خوش تھے کہ انکے والد کو کسیقدر افاقہ ہے۔ انکا خیال تھا کہ اب ان کی طبیعت سنبھل گئی اور اب وہ بہت جلد اچھے ہو جائیں گے۔

انکی لڑکی اندرا اور ان کی بہن کی تینوں بچیاں بھی وہیں تھیں۔ وہ ان بچیوں کے ساتھ کھیلا کرتے تھے اور سب سے چھوٹی بچی کی قیادت میں جس کی عمر تین چار سال تھی۔ ایک شاندار جلوس بنا کر گھر کے قریب چکر لگاتے تھے۔ اس تین چار سالہ

قائد کے ہاتھ میں ایک جھنڈا ہوتا تھا اور سب ملکر "جھنڈا اونچا رہے ہمارا" گایا کرتے تھے۔

دفعہ ۱۴۴ فوجداری نوٹسوں کی بارش

جواہر لال نہرو اور کملا دیوی ۱۷ اکتوبر کو منصوری سے واپس ہو رہے تھے تاکہ ۲۹ اکتوبر کو الہ آباد کسان کانفرنس میں شریک ہو سکیں۔ لیکن چونکہ پنڈت موتی لال نہرو کو یہ اندیشہ تھا کہ جواہر لال نہرو پھر بہت جلد گرفتار کر لئے جائینگے اور ان کی خواہش تھی کہ وہ کچھ اور دن اپنے پیارے بیٹے کے ہمراہ رہیں چنانچہ یکایک انہوں نے بھی واپس چلنے کی ٹھان لی۔ اور جواہر لال نہرو سے کہا کہ میں ایک روز بعد سب کو ہمراہ لے کر آؤنگا۔

واپسی میں جواہر لال نہرو اور کملا دیوی کا سفر بہت ہنگامہ خیز تھا اور ساتھ ہی ساتھ حکومت کی عنایت بھی جاری تھی دہرہ دون سے روانگی کے وقت ان پر دفعہ ۱۴۴ فوجداری کا نوٹس تعمیل کیا گیا۔

جس وقت گاڑی لکھنؤ پہنچی۔ استقبال کرنے والے لوگوں کا زبردست مجمع تھا۔ اس موقع پر لکھنؤ میونسپلٹی کی طرف سے جواہر لال نہرو کو ایڈریس بھی پیش کیا گیا۔ اس کے بعد وہ بذریعہ موٹر روانہ ہوئے۔

خبر ملی کہ دفعہ ۱۴۴ فوجداری کا نوٹس یہاں بھی تیار تھا۔ لیکن پولس کا افسر ہجوم کی زیادتی کے سبب جواہر لال نہرو تک نہیں پہنچ سکا۔

لکھنؤ الہ آباد کے درمیان راستہ میں کئی جگہ ٹھیر کر انہوں نے کسانوں کے مجمعوں میں تقریریں کیں۔ اور ۱۸ اکتوبر کی رات کو الہ آباد پہنچ گئے۔

اکتوبر کی صبح کو پھر دفعہ ۱۴۴ فوجداری کا نوٹس تعمیل کیا گیا صاف ظاہر تھا کہ حکومت بری طرح پیچھے پڑی ہوئی ہے۔ لیکن انکا اٹل ارادہ تھا کہ

کچھ بھی ہو کسانوں کی کانفرنس میں شرکت ضرور کرونگا۔

یہ ایک پرائیویٹ کانفرنس تھی۔ جس میں سوائے کسانوں کے کسی باہر والے کو آنے کی اجازت نہیں تھی ۱۶۰۰ ڈیلی گیٹوں نے اس میں شرکت کی۔ جواہرلال نہرو نے فوجداری نوٹسوں کی تعمیل کے باوجود اس میں تقریر کی اور کانفرنس نے نہایت جوش و خروش سے فیصلہ کیا کہ محصول نہ دینے کی تحریک شروع کر دی جائے۔

موجوں کے تھپیڑے

کسان کانفرنس سے واپس ہو کر جواہر لال نہرو اپنے والد اور عزیزوں کو لینے اسٹیشن گئے گاڑی لیٹ آئی۔ اور ان لوگوں کو گاڑی سے اتروا تے ہی انہیں پھر ایک جلسہ میں جانا پڑا جو کسانوں اور شہر کے باشندوں کا مشترکہ جلسہ تھا

دو بجے رات کو وہ اور کملا دیوی تکان سے چور چور گھر آ رہے تھے لیکن وہ بہت خوش تھے کہ گھر پہنچکر والد سے گفتگو کروں گا۔ کیونکہ انکی واپسی کے بعد اب تک بات چیت کا کوئی موقع نہیں ملا تھا۔ اور انہیں یقین تھا کہ والد بھی بے چینی سے ان کے منتظر ہوں گے

جیسے ہی ان کی کار گھر کے سامنے پہنچی پولس نے اسے روک لیا اور جواہر لال نہرو پانچویں مرتبہ گرفتار کر کے اپنی پرانی بارگ میں پہنچا دے گئے۔

کملا دیوی اکیلی گھر پہنچیں۔ اور انہوں نے گھر کے تمام لوگوں کو جو جواہر لال نہرو کے منتظر تھے یہ نئی خبر سنائی۔

کاری چوٹ

کملا دیوی نے جب پنڈت موتی لال نہرو کو جواہر لال نہرو کی گرفتاری

کی خبر سنائی تو انہیں سخت دھکا لگا۔ اور وہ عزمِ صمیم کے ساتھ سنبھل کر بیٹھ گئے اور سامنے رکھی ہوئی میز پر جوش سے ہاتھ مار کر کہا کہ میں اب بیماری کو بیماری نہ سمجھونگا۔ خواہ وہ اور بھی زیادہ تکلیف دہ ہو جائے اور بستر پر پڑے رہنے کی بجائے مردانہ وار کام کروں گا۔

یہ ایک نہایت ہی بہادرانہ عزم تھا۔ لیکن یہ عزم بھی اس جان لیوا بیماری کو نہیں روک سکتا تھا۔ جو گھن کی طرح انہیں اندر ہی اندر کھائے جا رہی تھی۔ اسکے باوجود یہ ایک عجیب اور حیرت انگیز بات دیکھنے میں آئی۔ کہ یہ ارادہ کرتے ہی کچھ عرصہ کے لئے خون آنا بند ہو گیا اور ان کی حالت میں اسقدر تغیر ہوا کہ دیکھنے والے بھی حیران رہ گئے۔ انہوں نے اپنے پرانے جوشِ عمل کا ثبوت دیا اور ان کی سرگرمی سے تمام ہندوستان میں سول نافرمانی کا زور بڑھ گیا۔

پیام رسانی میں رکاوٹیں

ان دنوں کانگریس کے پیام رسانی کے تمام ذرائع محدود کر دئے گئے تھے۔ اخبارات سزا اور ضبطی کے ڈر سے کانگریس کی خبریں شائع کرنیسے گھبراتے تھے۔ اور مطابع بھی کانگریسی اشتہار اور اطلاعیں چھاپنے سے ڈرتے تھے۔ کانگریسی خطوط اور تاروں کی زبردست نگرانی ہوتی تھی۔ اور اکثر روک دئے جاتے تھے۔

شہر میں خبر پھیلنے کی پھر بھی ایک نہ ایک صورت باقی تھی کہ وہاں عموماً سائکلو اسٹائل سے پرچے چھاپ کر روزانہ یا ہفتہ وار شائع کئے جاتے تھے جو اگرچہ خلاف قانون تھے لیکن پھر بھی ان کی مانگ بہت زیادہ تھی۔

اسکے علاوہ ڈھنڈورہ پیٹنے والے لوگ گرفتار کر لئے جاتے تھے۔ لیکن یہ وہ زمانہ تھا کہ گرفتاری کو لوگ کھیل سمجھتے تھے اور ہنسی خوشی جیل چلے جاتے تھے

یہ طریقے صرف شہروں میں ہی استعمال ہو سکتے تھے۔ دیہات میں ان سے مقصد حل نہیں ہوتا تھا اور گو دیہاتوں کے بعض بڑے بڑے اور مرکزی مقامات سے قاصدوں اور سائیکلو اسٹائل کے پرچوں کے ذریعہ خبر رسانی کا کچھ نہ کچھ سلسلہ قائم تھا۔ لیکن یہ قابلِ اطمینان صورت نہ تھی دور دراز دیہاتوں میں خبر پہنچتے پہنچتے ایک عرصہ لگ جاتا تھا۔

قومی رہنماؤں کو بڑی تشویش تھی اور کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا۔ کہ پبلک کو ہر وقت کسطرح باخبر کیا جائے۔ کہ ہم کیا کر رہے اور انسے کیا چاہتے ہیں۔

بالآخر قاصدوں کی معرفت خطوط بھیجے جانے لگے۔ اسمیں خاصی کامیابی ہوئی اور اس سے کانگریس کے صدر مقام اور صوبوں کے مرکزوں اور ضلع کے مرکزوں کے درمیاں خبر رسانی کا سلسلہ برابر قائم رہا لیکن اسمیں بڑی تنظیم کی ضرورت تھی اور خرچ بھی بہت زیادہ ہوتا تھا۔

الہ آباد کسان کانفرنس کے سبب جسمیں ضلع کے ہر گاؤں کے نمائندوں نے شرکت کی تھی یہ مشکل آسان ہو گئی۔ وہ لوگ جب اپنے مقامات پر واپس پہنچے تو انہوں نے سب کو نہ صرف کانفرنس کے فیصلوں کی اطلاع دی۔ بلکہ جواہر لال نہرو کی گرفتاری کی خبر بھی پہنچائی۔

یہ خبر تمام صوبہ متحدہ میں آگ کی طرح پھیل گئی اور تمام لوگوں نے خوشی سے لگان نہ دینے کی تحریک کا خیر مقدم کیا۔

قیدِ سخت کی سزا

جواہر لال نہرو کو گرفتار کر کے اس مرتبہ بھی اسی پرانی بارک میں رکھا گیا جہاں ابھی تک سید محمود۔ رنجیت پنڈت اور نربدا پرشاد موجود تھے۔

چند دن بعد جیلخانہ میں ہی ان کے مقدمے کی تحقیقات ہوئی۔ اور انکی اس تقریر مختلف حصوں کو جن جو انہوں نے رہائی کے دوسرے دن الہ آباد میں کی تھی انہیں قابل سزا سمجھا گیا۔ اور انہیں مجموعی طور پر دو سال قید سخت اور ڈیڑھ سو روپے جرمانہ کی سزا ہوئی۔

جواہر لال نہرو کی سالگرہ پر حکومت کا تحفہ

جواہر لال نہرو کی گرفتاری اور سزا نے آگ پر تیل کا کام کیا اور سول نافرمانی کی رفتار بہت بڑھ گئی۔

اسکے علاوہ پنڈت موتی لال نہرو کی سرگرمی سے اس تحریک کو بہت زیادہ تقویت پہنچی۔ انہوں نے ۱۴ نومبر کو جو جواہر لال نہرو کی سالگرہ کا دن تھا ہندوستان کے ہر حصہ میں جواہر لال کی تقریر کے ان حصوں کو دوہرانے کی ہدایت کی جن کی بنا پر ان کو سزا دی گئی تھی۔

ہندوستان بھر میں اس روز جلسے ہوئے۔ اور ان میں جواہر لال نہرو کی تقریر کے ممنوعہ حصے پڑھے گئے۔

اس روز اکثر مقامات پر لاٹھی چارج ہوئے۔ جلسے اور جلوس سختی سے منتشر کئے گئے اور اسی ایکدن میں سارے ہندوستانمیں پانچہزار آدمی گرفتار کر لئے گئے۔

چراغ سحری

پنڈت موتی لال نہرو جیل میں اپنے پیارے بیٹے سے ملنے گئے تو اپنی صحت کے درست ہو جانے اور خون کے رک جانے سے خوش تھے۔

جواہر لال نہرو نے ان سے کامل آرام کی التجا کی وہ جانتے تھے۔ کہ بیماری کی

حالت میں اسقدر قوت صرف کرنا سخت مضر ہے انہوں نے اس خیال سے کہ ہندوستان میں رہتے ہوئے تحریک سے الگ رہ کر چین سے بیٹھنا انکے لئے ناممکن ہے۔ یہ التجا کی کہ آپ رنگون۔ سنگاپور وغیرہ کا ایک بحری سفر کر ڈالئے۔

پنڈت موتی لال نہرو نے اس مشورہ کو پسند کیا۔ اور بدقسمتی سے انہیں چند ہی روز بعد خون دوبارہ آنے لگا۔ انہوں نے ایک دوست کے ہمراہ سفر پر جانیکی تیاریاں شروع کیں اور کلکتہ روانہ ہوگئے۔ لیکن پھر ان کی حالت روز بروز بگڑتی گئی اور وہ اس قابل نہ رہے کہ اپنے بحری سفر کے پروگرام کو پورا کریں چنانچہ سوائے کملا دیوی کے جنھیں قومی مصروفیت کے سبب الہ آباد میں ہی رکنا پڑا خاندان کے اور تمام لوگ انکے پاس وہیں پہنچ گئے۔

جواہر لال نہرو کا بہتر گھنٹہ کا فاقہ

نومبر یا شروع دسمبر ۱۹۳۰ء میں صوبہ متحدہ کے کئی جیلوں میں سیاسی قیدیوں کو جیل خانہ کے قواعد کی خلاف ورزی کے الزام میں کوڑ ونکی سزا دی گئی۔

جواہر لال نہرو کو جب نینی جیل میں یہ خبر ملی تو انہیں سخت صدمہ ہوا انکے خیال میں محض ضابطہ کی پابندی کے لئے اسقدر سخت سزا دینا بیحد وحشیانہ فعل تھا۔ انکے خیال میں کوڑ ونکی سزا بدترین عادی مجرموں کے لئے بھی جائز نہیں۔

جواہر لال نہرو اور ان کے ساتھیوں نے حکومت کو اسکے متعلق ایک خط بھیجا۔ اور جب دو ہفتہ تک حکومت کا کوئی جواب موصول نہیں ہوا تو اس وحشیانہ سزا کے خلاف احتجاج کرنے اور مظلوموں کے ساتھ ہمدردی کرنے لئے تین دن یعنی بہتر گھنٹہ کا فاقہ شروع کر دیا۔

جواہر لال نہرو نے فاقہ کے دوران میں بھی اپنی ورزش اور کسرت کو بدستور

جاری رکھا۔ اور ایسی صورت میں کہ وہ پہلے ہی سے کچھ علیل تھے۔ فاقہ میں اس سخت محنت نے انہیں بجید نقصان پہنچایا اور تین دن کے اس عرصہ میں ان چاروں کا وزن سات سات آٹھ آٹھ پونڈ گھٹ گیا۔

کوڑوں کی اس وحشیانہ سزا کے خلاف ہندوستان بھر میں احتجاج کیا گیا۔ غالباً اس دوران میں حکومت نے محکمۂ جیل کو منع بھی کر دیا تھا کہ آئندہ یہ سزا نہ دیجائے۔ لیکن اسپر زیادہ دن تک عمل نہیں کیا گیا۔ کیونکہ تقریباً سوا سال کے بعد صوبہ متحدہ اور دوسرے جیل خانوں میں قیدیوں کو مار مار کوڑوں کی سزا دی گئی۔

سال نو کے دن کملادیوی کو گرفتاری کا تحفہ

کملا دیوی اور انکی اور عزیز عورتیں جس سرگرمی سے قومی کام کر رہی تھیں وہ مرد کرتے تو کبھی کے گرفتار کر لئے جاتے۔ لیکن عورتوں پر وار کرتے ہوئے حکومت ذرا گھبراتی تھی۔

کملا دیوی کی بہت سی سہیلیاں جیلخانہ بھیجی جا چکی تھیں اور خود کملا دیوی کو بھی جیلخانہ جانے کا بہت اشتیاق تھا۔ سال نو کے دن یعنی یکم جنوری ۱۹۳۱ء کو ان کی یہ دلی آرزو پوری ہوئی اور وہ گرفتار کر لی گئیں

گرفتاری کے وقت ایک اخباری نمائندے نے ان سے قوم کے لئے پیام مانگا۔ انہوں نے فرمایا مجھے بڑا فخر ہے کہ میں اپنے شوہر کے نقش قدم پر چل رہی ہوں مجھے قوی امید ہے کہ قوم اس لڑائی کو جاری رکھے گی۔

آگ پر تیل

جواہرلال نہرو کو جیل خانے میں کملا دیوی کی گرفتاری کی خبر ملی انہیں معلوم

تھا۔ کملا دیوی اپنی گرفتاری سے بہت خوش ہوں گی۔ بہت عرصہ سے وہ جیل جانے کے لئے بےچین تھیں لیکن کملا دیوی کی بیماری کے سبب انہیں تشویش تھی کہ جیل کی تکالیف انہیں اور زیادہ کمزور کر دیں گی۔

پنڈت موتی لال نہرو ان دنوں کلکتہ میں تھے۔ اور سخت بیمار تھے۔ اپنی بہو کی گرفتاری اور سزایابی کی خبر سنکر انہوں نے الہ آباد واپس آنیکا فیصلہ کرلیا اور اپنی لڑکی کرشنا دیوی کو فوراً الہ آباد بھیجنے کے علاوہ خود بھی چند دن بعد الہ آباد گئے۔

خطرہ کا الارم

پنڈت موتی لال نہرو ۱۲ جنوری ۱۹۳۱ء کو اپنے لڑکے اور داماد سے ملنے نینی جیل گئے۔

جواہر لال نہرو نے انہیں دو ماہ بعد دیکھا تھا انکے سارے چہرہ پر ورم ہو گیا تھا۔ وہ ان کی حالت دیکھکر پریشان ہو گئے۔ انہوں نے اپنی پریشانی کو بمشکل چھپایا۔

پنڈت جی خود اپنی صحت کے متعلق مطمئن تھے اور سمجھتے تھے کہ چہرہ کا ورم کسی عارضی سبب کا نتیجہ ہے۔ لیکن انکے چہرہ کی یہ ہیئت جواہر لال نہرو کے دل میں کھٹکتی رہی اور ان کے دل میں طرح طرح کے وہم آنے لگے۔

ایک ہی تصویر کے دو رخ

پہلی گول میز کانفرنس ختم ہو گئی تھی۔ اور اس کے فیصلوں کی بڑی دھوم مچائی جا رہی تھی۔ یہ وہ لوگ تھے جن کی خواہش تھی کہ انگریز دوستو میں ثالث

بنے بیٹھے رہیں۔ اور انہوں نے اسی مصلحت کے سبب نوآبادیات کے درجہ پر زور دیا تھا۔ تاکہ موجودہ سیاسی نظام قایم رہے اس گروہ کے رجعت پسندوں اور فرقہ پسندوں کا تو ذکر ہی کیا وہ لوگ بھی جو اپنے آپ کو ترقی پسند اور قوم پرست کہتے تھے۔ برطانوی حکومت کے ساتھ بہت سی مشترک اغراض رکھتے تھے ان ہی وطن پرستوں نے قوم کے حریفوں کو اس وقت اخلاقی امداد پہنچائی۔ جبکہ ملک انتہائی مصیبت کے دور سے گذر رہا تھا اور مرد اور عورتیں بیدردی کا شکار ہو رہی تھے۔

ان کے وطن دوستی کے دعوے پر خیال ہوتا تھا کہ قوم پرستی کا مفہوم کسقدر دسیع ہے کہ اس کے دائرے میں، وہ لوگ بھی آجاتے ہیں جنہوں نے صدہا مصائب برداشت کیئے اور آزادی کی جنگ میں شریک ہو کر جیلخانوں میں ٹھونسے گئے۔ اور وہ لوگ بھی آجاتے ہیں جو قوم کو مصائب میں مبتلا کرنے والوں اور قومی کارکنوں سے جیلوں کو بھر دینے والوں سے مصافحہ کر کے ان کے برابر کرسی پر بیٹھتے ہیں۔

کانگرس میں مخالفین کا گروہ

مذکورہ قوم پرستی کے دعویداروں کے علاوہ اس وقت ملک میں قوم پرستوں کا ایک اور گروہ تھا جو سودیشی کی حمایت میں تن من دھن سے مصروف تھے اور پرزور درخواستیں کرتے تھے۔ کہ یہی سوراج کی جان ہے۔ اسکی خاطر جہانتک ممکن ہو قربانی کرنی چاہیئے۔

لیکن اس تحریک میں انہیں اپنی قربانی یا ایثار کی ضرورت پیش نہیں آئی اور ان کے کاروبار کو جو سودیشی تھا خوب فروغ ہوا اور انہیں خوب موٹے نفع ہوئے۔ قوم گویاں گھار ہی تھی لاٹھیوں کا مزہ چکھ رہی تھی۔ لیکن یہ اپنے ملوں۔

کارخانوں اور مکانوں پر آرام سے بیٹھے ہوئے روپوں سے اپنی تجوریوں کو بھر رہے تھے۔

گول میز کانفرنس کا سوانگ

گول میز کانفرنس کی ساری بحثیں اور تقریریں کانگریس کے خیال میں بے کار اور حقیقت سے خالی تھیں۔ اور اگر دیکھا جائے تو کانگریس کو سرے سے پرواہ ہی نہ تھی۔ کہ گول میز کانفرنس میں کیا فیصلہ ہوتا ہے۔ کیونکہ کانگریس جانتی تھی کہ گول میز کانفرنس ہمارے محاذ جنگ سے بہت دور ایک بے جان چیز اور بے حقیقت تماشہ ہے دراصل کشمکش تو یہاں ہمارے شہروں اور دیہاتوں میں ہو رہی تھی اور قومی رہنما جانتے تھے۔ کہ ابھی جنگ جاری ہے اور ابھی بہت سے خطروں کا سامنا کرنا باقی ہے پچھلے سال کی قومی سرگرمیاں دیکھکر انہیں اطمینان تھا۔ کہ ہماری قوم میں مستقبل کا مقابلہ کرنے کے لئے ابھی بہت دم باقی ہے۔

بجلی کی تڑپ

لندن میں مسٹر ریمزے میکڈانلڈ نے گول میز کانفرنس کے خاتمہ کے اعلان پر حسب دستور ایک تقریر کی اور کانگریس سے اپیل کی کہ وہ اپنی بدعنوانیوں کو چھوڑ کر اس مبارک برادری میں شامل ہو جائے۔

وسط جنوری ۱۹۳۱ء میں الہ آباد میں جب کانگریس ورکنگ کمیٹی کا اجلاس ہوا تو مسٹر ریمزے میکڈانلڈ کی تقریر پر بھی غور کیا گیا۔

پنڈت موتی لال نہرو شدید بیمار ہونے کے سبب صاحب فراش اور ان کے بستر کے ارد گرد ورکنگ کمیٹی کے ممبران کا یہ اجتماع تھا ایک صاحب نے رائے دی کہ مسٹر میکڈانلڈ کی دلجوئی کے لئے سول نافرمانی کی تحریک کو دھیما کر دینا چاہیئے۔

پنڈت موتی لال نہرو اس عجیب خیال کو سنکر بجلی کی طرح تڑپ اٹھے اور غصہ کے جوش میں اٹھ کر بیٹھ گئے اور انہوں نے کہا جبتک قومی مقصد حاصل نہ ہو جائے میں صلح کے لئے ہرگز تیار نہیں ہوں اور اگر میدان سے سب ہٹ جائیں تب بھی میں اکیلا مقابلہ کروں گا۔

اس جوش و خروش سے انکا بخار اور زیادہ تیز ہوگیا۔ آخرکار۔ ڈاکٹر دل نے سب لوگوں کو وہاں سے ہٹا دیا کہ تنہائی میں انہیں کچھ سکون مل سکے۔

دوسرا یوم آزادی

جواہر لال نہرو اور دوسرے تمام قومی رہنماؤں کو جو جیل میں قید تھے۔ ۲۶ جنوری ۱۹۳۱ء کے یوم آزادی کے متعلق بڑا فکر تھا کہ ایسی صورت میں جبکہ نہ اخباروں اور مطبعوں سے مدد مل سکتی تھی اور نہ ڈاک اور تار سے کام لیا جا سکتا تھا۔ ہندوستان بھر میں یوم آزادی کس طرح منایا جا سکے گا۔

ان تمام پابندیوں کے باوجود اس سال یوم آزادی کا انتظام کرنا اور پھر اس شاندار صورت میں جس نے کہ تاریخی یادگار کی حیثیت اختیار کر لی حقیقتاً ایک حیرت انگیز کارنامہ تھا۔

اس دن ۲۶ جنوری ۱۹۳۱ء کو سارے ملک کے تمام شہروں میں بیشمار قصبوں میں اور لاتعداد گاؤنوں میں قریب قریب ایک ہی مقررہ وقت جلسے کئے گئے جن میں آزادی کے ریزولیوشن کی توثیق کی گئی اور اسی مضمون کی ایک تجویز یاد آوری کے ریزولیوشن کے نام سے منظور ہوئی۔ یوم آزادی کے ان جلسوں میں اکثر جلسے قانونی ممانعت کے باوجود منعقد ہوئے اور زبردستی منتشر کئے گئے۔

عہد آزادی کی تجدید

۲۶ر جنوری ۱۹۳۱ء کو یوم آزادی کے دن عہد آزادی کی تجدید دہ رزولیوشن
جس نے ملک کے ہر گوشہ میں عالمگیر مقبولیت حاصل کی۔

ہم باشندگان فخر و مسرت کے ساتھ اعتراف کرتے ہیں کہ ہم دل سے شکر گذار ہیں ہندوستان کے ان بیٹوں اور بیٹیوں کے جنہوں نے مادر وطن کی آزادی کی خاطر تکلیفیں جھیلیں اور قربانیاں دیں اپنے جلیل القدر اور محبوب رہنما گاندھی جی کے جن کے فیض ہدایت نے ہمیں بلند مقصد اور برتر سعی کی راہ دکھائی۔ ان سینکڑوں بہادر نوجوانوں کے جنہوں نے اپنی جان آزادی کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھا دی یعنی پشاور اور کل صوبہ سرحد، شولاپور، ضلع مدناپور اور بمبئی کے شہیدوں کے ان ہزاروں لاکھوں آدمیوں کے جنہوں نے دشمنوں کے وحشیانہ لاٹھی چارج کی چوٹیں کھائیں گڑھوالی رجمنٹ اور فوج اور پولس کے اور سپاہیوں کے جنہوں نے اپنی جان جوکھوں میں ڈال کر اپنے بھائیوں پر گولی چلانے اور کسی قسم کی سختی کرنے سے انکار کر دیا گجرات کے ان جرار کسانوں کے جنہوں نے نہایت ثابت قدمی سے ہر طرح کی تخویف اور تشدد کا مقابلہ کیا۔ ہندوستان کے دوسرے صوبوں کے بہادر اور مظلوم کاشتکاروں کے جنہوں نے انتہائی سختیوں کے باوجود جنگ آزادی میں پورا پورا حصہ لیا ان تاجروں اور کاروباری لوگوں کے جنہوں نے سخت نقصان اٹھا کر قومی تحریک خصوصاً بدیسی کپڑے اور برطانوی مال کے بائیکاٹ میں مدد دی۔ ان ایک لاکھ مردوں اور عورتوں کے جنہوں نے جیل جا کر ہر قسم کی تکلیفیں اٹھائیں اور کبھی کبھی جیل کے ملازموں کے ہاتھ سے مار تک کھائی۔ خصوصاً معمولی والنٹیروں کے جنہوں نے ہندوستان کے سچے سپاہیوں کی طرح بغیر شہرت یا انعام کی امید کے محض اپنے اعلیٰ مقصد کی

خاطر سخت دقتوں کے باوجود محنت اور استقلال سے ملک و قوم کی خدمت انجام دی۔
اور ہم اعتراف کرتے ہیں انتہائی عقیدت اور احترام کا ہندوستان کی خواتین سے جنہوں نے مصیبت کے وقت مادر وطن کی مدد کرنے کے لئے اپنے گھروں کے امن و آرام کو خیرباد کہدیا۔ اور ہندوستان کی فوج کی صف اول میں مردوں کے دوش بدوش ہوکر کھڑی ہوئیں کہ جاں بازی اور فتح میں انکے ساتھہ شریک ہوں۔ اور ہم فخر کرتے ہیں اپنے ملک کے نوجوانوں اور وانرسینا کے بچوں پر جنہوں نے اپنی کمسنی کے باوجود حصہ لیا اور شہادت پائی۔
اور آخر میں ہم خوشی کے ساتھہ اعتراف کرتے ہیں اس بات کا کہ ہندوستان کے سب چھوٹے بڑے فرقے اور طبقے اس عظیم الشان جنگ میں شریک ہیں اور انہوں نے اس کے لئے بیش بہا قربانیاں پیش کیں خصوصاً اقلیتوں یعنی مسلمانوں سکھوں پارسیوں۔ عیسائیوں اور دوسرے فرقوں نے کہ جنہوں نے اپنی بہادری اور مادر وطن کی وفاداری کا ثبوت دے کر ایک متحدہ قوم کی بنیاد ڈالی جو اپنی فتح کا یقین رکھتی ہے اور اس پر تلی ہوئی ہے کہ ہندوستان کو آزاد کرائے اور آزاد رکھے اور اس آزادی سے یہ کام لے کہ ہندوستان کے تمام طبقوں کی بیڑیاں کٹ جائیں اور انکے حقوق کا فرق و امتیاز مٹ جائے جو حقیقت میں ساری نوع انسانی کی خدمت ہو ہندوستان کی خاطر قربانی اور جاں بازی کی ان شاندار جوش آفریں مثالوں کو سامنے رکھکر ہم اپنے عہد آزادی کی تجدید کرتے ہیں اور مصمم ارادہ کرتے ہیں کہ اس جنگ کو اسوقت تک جاری رکھینگے جبتک ہندوستان کو کامل آزادی حاصل نہو جائے

طوفانِ حوادث

۲۶ جنوری ۱۹۴۳ء کو جواہر لال نہرو نینی جیل میں بیٹھے نئے سال کی توقعات

پر غور کر رہے تھے کہ دوپہر کے وقت یکایک انہیں انکی اور رنجیت ایس پنڈت کی رہائی کا حکم ملا اور بتایا گیا کہ پنڈت موتی لال نہرو کی حالت تشویشناک ہے اس لئے انہیں فوراً گھر پہنچنا چاہیئے۔

زبردست حریف کی پسپائی

اسی روز ۲۶ر جنوری ۱۹۳۱ء کی شام کو ورکنگ کمیٹی کے اصل ممبر اور تمام قائم مقام ممبر رہا کر دیے گئے ان ہی کے ساتھ کملا دیوی بھی ۲۶ دن قید رہنے کے بعد لکھنؤ جیل سے رہا ہوئیں۔ کیونکہ وہ بھی ورکنگ کمیٹی کی قائم مقام ممبر تھیں۔ ان تمام حضرات کی رہائی سے حکومت کا مقصد یہ تھا کہ یہ سب ایک جگہ جمع ہو کر صورت حالات پر غور کریں۔ جواہر لال نہرو بھی اسی شام کو رہا کر دیئے جاتے لیکن والد کی خطرناک حالت کے سبب چند گھنٹے چھوڑ دیئے گئے۔

گاندھی جی کی مسیحائی

جواہر لال نہرو نے گھر پہنچکر اپنے والد کی طبیعت کو بیحد خراب پایا۔ چہرہ پہلے کی بہ نسبت بہت زیادہ سوج گیا تھا بعض اوقات حواس بھی خراب ہو جاتے تھے اور بات بھی نہیں کی جاتی تھی۔ لیکن انکا ارادہ پہلے کی طرح مضبوط تھا۔

۲۶ر جنوری کو گاندھی جی بھی یرودا جیل سے رہا کر دیئے گئے تھے۔ انہیں پنڈت جی کی علالت کی خبر دی گئی اور الہ آباد بلوایا گیا۔

گاندھی جی جو اسوقت بمبئی میں تھے فوراً الہ آباد روانہ ہوئے اور جب وہ الہ آباد پہنچے۔ ابھی خاصی رات جا چکی تھی مگر پنڈت جی انکے انتظار میں جاگ رہے تھے۔ گاندھی جی کے آنے اور ان کے تسلی آمیز کلموں نے انہیں بہت سکون بخشا

زخمی شیر

ورکنگ کمیٹی کے ممبراوران کے قائمقام ممبر جو جیلوں سے چھوٹ چکے تھے اس انتظار میں تھے کہ سب ملکر ایک جگہ بیٹھیں تو طریقہ کار کے متعلق سوچا جا سکے اور انمیں سے بہت ایسے تھے جو پنڈت موتی لال نہرو کو آخری نظر دیکھ لینے کے آرزومند تھے کیونکہ غالب خیال یہی تھا کہ وہ سب پھر بہت جلد گرفتار ہو جائینگے پنڈت جی کی شدید بیماری سے تمام لوگوں کو یہ خدشہ یقین کے درجہ کو پہنچ گیا تھا کہ اس کے بعد ان کی صورت دیکھنی نصیب نہ ہو گی۔ چنانچہ الہ آباد میں ایک جلسہ کا انتظام کیا گیا اور دو تین روز کے دوران میں تیس چالیس ممبر وہاں پہنچ گئے اور پنڈت جی کے گھر کے برابر سوراج بھون میں انکا اجلاس ہوا۔

پنڈت جواہر لال نہرو والد کی سخت بیماری کے سبب ان اجلاسوں میں باقاعدہ شرکت نہ کر سکے لیکن کبھی کبھی جایا کرتے تھے اس دوران میں وہ اسقدر پریشان ستھے کہ کسی بحث مباحثے میں حصہ نہ لے سکے

اجلاس کے شرکا صبح شام دو دو تین تین کر کے پنڈت جی کو دیکھنے جایا کرتے تھے اور پنڈت جی انتہائی تکلیف کے باوجود آرام کرسی پر بیٹھکر ان سے ملتے تھے۔ اور جب وہ اپنے ان رفیقوں کو دیکھتے تو ورم کے سبب چہرہ سے تو کوئی علامت ظاہر نہ ہو سکتی تھی لیکن آنکھونکی چمک سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ انہیں پہچانتے ہیں۔ انکا سر کسی قدر جھک جاتا اور ہاتھ پرنام کے لئے جوڑ جایا کرتے تھے

منہ سے بات کرنی سخت مشکل تھی۔ لیکن پھر بھی بڑی کوشش سے وہ ایک آدھ لفظ کہہ دیتے تھے اور جب آخر میں گلے سے آواز بالکل ہی نہ نکل سکتی تھی تو انہیں جو کچھ کہنا ہوتا کاغذ پر لکھ دیتے تھے۔ ان کی طاقت بالکل جواب دے چکی تھی۔ مگر پھر بھی

وہ ایک زخمی شیر کی طرح بیٹھے رہتے تھے اور ان کے چہرہ سے شاہانہ جلال ٹپکتا تھا

لڑائی جیت لی

پنڈت جی کے پرانے دوست ڈاکٹر مختار احمد انصاری بدھان چند رائے۔ اور جیوراج مہتہ ان کے معالج تھے۔ جن کے متعلق پنڈت کہا کرتے تھے کہ میں نے اپنی جان ان لوگوں کے سپرد کر دی ہے۔

ورکنگ کمیٹی کے اجلاس کے بعد اکثر لوگ واپس چلے گئے۔ لیکن گاندھی جی اور پنڈت جی کے دوسرے خاص الخاص دوست اور عزیز ٹھیرے رہے۔

ایک روز پنڈت جی جب اپنی صحت سے بالکل مایوس ہو گئے تو انہوں نے گاندھی جی سے کہا۔

مہاتما جی اب میرا چل چلاؤ ہے۔ میں سوراج دیکھنے کے لئے زندہ نہ رہوں گا مگر مجھے معلوم ہے کہ آپ نے لڑائی جیت لی اور سوراج آنے ہی والا ہے۔

آہ پنڈت موتی لال نہرو

۴ر فروری کو پنڈت جی کی طبیعت کچھ سنبھلی ہوئی معلوم ہوتی تھی اس لئے یہ طے کیا گیا کہ ایکسرے کے علاج کے لئے انہیں لکھنؤ لے جایا جائے کیونکہ الہ آباد میں ایکسرے کا اتنا قابل اطمینان انتظام نہ تھا۔ کار میں انہیں لکھنؤ لیجایا گیا۔ گاندھی جی اور دوسرے بہت سے لوگ پیچھے پیچھے ہمراہ تھے۔ موٹر کی رفتار بہت آہستہ تھی مگر اس کے باوجود پنڈت جی بہت مضمحل ہو گئے۔

۵ر فروری کو بظاہر پنڈت جی کی تکان دور ہو گئی۔ لیکن اسکے باوجود سب پریشان تھے اور آثار اچھے نہ تھے۔ رات کو پھر بے چینی بڑھ گئی۔ اور سخت تکلیف

رہی۔

۶۔ فروری کی صبح کو جواہرلال نہرو انکی پٹی کے قریب بیٹھے ہوئے تھے کہ یکایک پنڈت جی کے چہرہ پر سکون کے آثار نمایاں ہوئے اور بے چینی ختم ہوگئی۔ جواہرلال نہرو یہ سمجھکر مطمئن ہوئے کہ انہیں نیند آگئی ہے اور انہوں نے اپنی والدہ سے جنہوں نے چیخیں مار کر رونا شروع کر دیا تھا۔ خاموش رہنے کی درخواست کی۔ مگر پھر انہیں بہت جلد معلوم ہوگیا کہ وہ جسے نیند سمجھ رہے ہیں وہ آخری نیند ہے۔ جس سے انہیں کوئی نہیں جگا سکتا۔

اس جانکاہ حادثہ نے کروڑوں لوگوں کے دلوں پر چوٹ لگائی اور جس نے سنا اُس نے محسوس کیا کہ آج خود اس کی اپنی ذات میں سے کوئی چیز کم ہوگئی۔ لیکن جواہرلال نہرو اور ان کی والدہ ماتا سروپ رانی کا غم خصوصیت سے ناقابل بیان تھا۔ وہ تنہائی میں کے درد اور غم کے بوجھ سے نڈھال ہوگئے تھے۔ پنڈت جی کے انتقال کی خبر شہر میں پھیلتے ہی زبردست مجمع اکھٹا ہوگیا۔

قومی جھنڈا بطور کفن

اسی دن لاش کو قومی جھنڈے میں لپیٹ کر الہ آباد لایا گیا کار کے آگے ایک بڑا قومی جھنڈا نصب تھا اور جواہرلال خود گاڑی چلا رہے تھے۔ ان کے پیچھے دوسری گاڑی میں گاندھی جی اور ماتا سروپ رانی تھیں۔ پھر ان کے پیچھے اور بہت سی گاڑیوں کا سلسلہ تھا۔ گھر پہنچکر کچھ رسمیں ادا کی گئیں۔ اور پھر بے شمار مجمع کے ساتھ آرتی گنگا لیجائی گئی۔ اور وہ جسم جو کروڑوں لوگوں کو اپنے جسم سے بھی زیادہ عزیز تھا۔ آگ نے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

بے پایاں دلسوزی

پنڈت جی کی وفات پر جواہر لال نہرو اور ماتا سروپ رانی کے نام ہزارہا ہمدردی کے پیغامات موصول ہوئے۔ ان ہمدردی کے پیغامات بھیجنے والوں میں لارڈ اردن وائسرائے اور ان کی بیگم کا نام بھی شامل ہے۔

لغو باتیں

پنڈت موتی لال نہرو کی وفات کے دن گول میز کانفرنس کے ممبر ہندوستان واپس پہنچے۔ اس میں سے سری نواس شاستری۔ سر تیج بہادر اور بعض دیگر حضرات سیدھے الہ آباد گئے اور وہاں گاندھی جی اور جواہر لال نہرو کے سامنے کانفرنس کے حالات بیان کئے گئے۔

سوائے ان فضول اور لغو باتوں کے جو پہلے ہی معلوم ہو چکی تھیں۔ کوئی نئی بات معلوم نہیں ہوئی۔ اور قومی رہنماؤں کے اس خیال کی تصدیق ہو گئی کہ گول میز کانفرنس بیکار چیز تھی۔

چندر شیکر آزاد کی موت

اسی دوران میں ایک روز تخریب پسندوں کے مشہور لیڈر چندر شیکر آزاد جواہر لال نہرو سے ملاقات کے لئے آئے۔

دس سال قبل ۱۹۲۱ء میں ترک موالات کے دور میں جب آزاد سکول چھوڑ کر جیل گئے اور وہاں جیل کی خلاف ورزی کے جرم انہیں کوڑوں کی سزا دی گئی۔ تب جواہر لال نہرو نے انکا نام ضرور سنا تھا۔ اور پھر یہ بھی معلوم ہو چکا

تھا کہ کچھ عرصہ بعد شمالی ہند کے تخویف پسندوں نے انہیں اپنے ممتاز لیڈر تسلیم کر لیا ہے۔ جواہر لال نہرو کو آزاد یا آزاد کے کاموں سے ذرا بھی دلچسپی نہ تھی۔ اور اس سے پہلے کبھی ان سے ملاقات بھی نہ ہوئی تھی۔ اس لئے جواہر لال نہرو کو ان کی آمد پر تعجب ہوا۔ آزاد نے بتایا کہ اب وہ اور انکے بہت سے رفیق خالی تخویف کی بیکاری کے قائل ہو گئے ہیں اور وہ سمجھ گئے ہیں کہ خالی تخویف کے طریقوں سے ملک کو فائدہ نہیں پہنچے گا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی انکا یہ بھی عقیدہ تھا کہ صرف عدم تشدد کے ذریعہ آزادی حاصل کرنا محال ہے۔ آگے جاکر ضرور تشدد سے کام لینا پڑے گا۔ البتہ تخویف کی صورت میں نہیں الغرض ان کے عقیدہ میں یہ بڑی تبدیلی ہو چکی تھی کہ وہ تخویف کو ہندوستان کی آزادی کے لئے غیر مناسب جاننے لگے تھے۔

جواہر لال نہرو ان کے خیالات کی تبدیلی پر بہت مسرور ہوئے۔ اور انہوں نے اپنا ہمخیال بنانے کے لئے انہیں اپنا نظریہ بھی سمجھایا۔

لیکن آزاد کا سوال تھا کہ ایسی صورت میں جب کہ ان کے اور انکے ساتھیوں کے سروں کی قیمت مقرر ہو۔ اور انہیں ہر لمحہ موت کا خوف دامن گیر ہو۔ کانگریس کے درمیان جو صلح کی کوشش ہو رہی ہے وہ کوشش اگر کامیاب ہوئی اور صلح ہو گی۔ تو ان کی جماعت کو بھی چین ملے گا یا نہیں۔ جواہر لال نہرو کے پاس اس کا جواب ہی کیا تھا۔ ان کے ذہن میں کوئی صورت ایسی نہ تھی کہ آزاد یا ان کی جماعت کو چین نصیب ہو سکے۔ وہ صرف اتنا ہی مشورہ دے سکے کہ اپنے اثر سے تخویف کے واقعات کو روکنے کی پوری کوشش کرو۔

دو تین ہفتہ بعد الہ آباد کے ایک باغ میں آزاد کو پہچان لیا گیا۔ اور پولیس ایک بڑے دستہ نے انہیں گھیر لیا۔ وہ درخت کی آڑ میں ہو گئے۔ دونوں طرف

سے گولیاں چلیں۔ آخر پولس کے دو تین آدمی زخمی ہوئے اور آزاد مارے گئے

گاندھی جی کی شخصیت کا اثر

ایک صاحب نے گاندھی کو مشورہ دیا کہ آپ وائسرائے کو خط بھیجئے۔ کہ میں آپ سے ملکر صاف صاف باتیں کرنے کا خواہشمند ہوں۔

مخالفین سے شخصی طور پر معاملہ کرنے میں گاندھی کو ہمیشہ فتح حاصل رہی ہے اور گاندھی جی کو اپنی اس قوت کا احساس ہے کہ میں دو بدو گفتگو کر دوں تو حریف کو قائل کر لوں گا۔ اس لئے وہ اپنے مخالفوں سے ملنے اور ہر مسئلے پر اُن سے بات چیت کرنے کیلئے ہمیشہ تیار رہتے ہیں

اور اگر بالفرض محال مخالف قائل نہ بھی ہو تو کم از کم مخالف کے دل پر انکی بات کا اثر ضرور پڑتا ہے۔ اس سے مخالف کا غصہ اور بے اعتمادی دور ہو جاتی ہے مخالف کا جوش گھٹ جاتا ہے اور تلخی جاتی رہتی ہے۔ چنانچہ گاندھی جی نے یہ تجویز منظور کر لی۔

لارڈ اردن نے ملاقات کرنی فوراً منظور کر لی اور گاندھی جی دہلی روانہ ہوگئے اور روانگی کے وقت اپنے رفیقوں سے کہہ گئے کہ کسی عارضی تصفیئے کی بھی امید ہوئی تو ورکنگ کمیٹی کے ممبروں کو دہلی بلا لیں گے۔

گاندھی اردن ملاقات

دہلی پہنچکر گاندھی جی نے ڈاکٹر انصاری کے ہاں قیام کیا اور لارڈ اردن سے جاکر ملاقات کی۔ یہ گفتگو برابر جاری رہی اور کبھی کبھی شاید اس وجہ سے کہ حکومت ہند بعض معاملات پر انڈیا آفس سے تبادلہ خیالات کیا کرتی تھی یہ گفتگو تین تین چار

چار دن کے لئے رک جایا کرتی تھی۔ اور بعض اوقات بعض الفاظ کے اختلاف کے سبب بھی اس میں رخنہ پڑ جاتا تھا۔

سول نافرمانی کے متعلق گاندھی جی کا اصرار تھا کہ وہ ہمیشہ کے لئے ترک نہیں کیجا سکتی کیونکہ کانگریس کے پاس عدم تشدد کا یہ بڑا ہتھیار ہے۔ البتہ وہ اس تحریک کو کچھ عرصہ کے لئے ملتوی کرنے پر رضامند تھے۔

لیکن لارڈ ارون اس پر اڑے ہوئے تھے۔ کہ معاہدہ میں سول نافرمانی کے متعلق "ترک" کا لفظ استعمال کیا جائے۔ گاندھی جی کو یہ کسی طرح منظور نہ تھا آخر کار بڑی بحث وتمحیص کے بعد لفظ "موقوف" پر فیصلہ ہوا۔

اسی طرح بدیسی کپڑے اور شراب کی دکانوں کے پکٹنگ پر بھی خوب بحث ہوئی اور اسی اثنا میں گاندھی جی نے ورکنگ کمیٹی کے ممبروں کو بھی دہلی طلب کر لیا۔

ہم اور وہ

ڈاکٹر انصاری کی کوٹھی دارالسلام پر جہاں گاندھی جی پنڈت جواہر لال نہرو اور ورکنگ کمیٹی کے اکثر ممبر ٹھیرے ہوئے تھے۔ لوگوں کا ایک ہجوم جمع رہتا تھا۔ انمیں اکثر غیر ملکی اخبارات کے نمائندے ہوتے تھے۔ جنمیں امریکن اخبارات کے نامہ نگاروں کی کثرت تھی۔ ان لوگوں کو کانگریس سے یہ شکایت تھی۔ کہ قومی رہنما انہیں گاندھی ارون گفتگو کی خبریں نہیں دیتے۔ حالانکہ دہلی سکرٹریٹ انہیں خبریں دینے میں پیش پیش رہتا ہے۔

سکرٹریٹ کا یہ طرز عمل خواہ کیسا ہی کیوں نہو۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ کانگریس سمجھوتے ہونے سے پہلے ہی خواہ مخواہ بیانات دینے سے احتیاط برتتی تھی۔

آزادی کے بعد کانگریس کا کیا ہوگا؟

گاندھی جی ان دنوں بہت مصروف تھے۔ دن چھوٹے چھوٹے حصوں میں بٹ جاتا تھا۔ اور ہر حصہ کسی نہ کسی ضروری کام یا کسی شخص کی ملاقات کیلئے مخصوص ہوتا تھا۔ حد یہ کہ جب سویرے وہ چہل قدمی کے لئے جایا کرتے تب بھی کبھی کبھی کوئی دوست یا غیر ملکی حضرات انہیں جا گھیرتے تھے۔ لیکن اکثر ایسا بھی ہوتا کہ ان کے ساتھ صرف پنڈت جواہرلال نہرو ہی ہوتے تھے۔ اور ان دونوں میں اکثر کانگریس کے متعلق ہی گفتگو ہوتی تھی۔

جواہرلال نہرو کا خیال تھا کہ ہندوستان کے آزاد ہو جانے کے بعد کانگریس کا وجود بیکار ہو جائیگا۔ ایک روز صبح کو چہل قدمی کے دوران میں وہ کانگریس کے مستقبل کے بارے میں گاندھی جی کے خیالات سنکر حیرت زدہ رہ گئے۔

گاندھی جی نے بتایا کہ آزادی کے بعد بھی کانگریس قائم رہے گی اُسے یہ نئے ضابطے بنانے پڑیں گے۔ کہ اس کے ممبر ایثار سے کام لیں اور تنخواہ دار سرکاری ملازمتیں قبول نہ کریں، تاکہ اس بے غرضی کے سبب کانگریس کا اثر وزارتوں اور دوسرے سرکاری محکموں پر قائم رہے اور کانگریس انہیں صحیح راستے سے نہ ہٹنے دے۔

حفظ ما تقدم

گاندھی اروِن گفتگو کا سلسلہ کچھ عرصہ جاری رہنے کے بعد یکایک موقوف ہو گیا۔ اور مسلسل کئی روز تک گاندھی جی کے نام وائسرائے کا بلاوا نہیں آیا۔

اس لئے عام طور پر قومی رہنماؤں کا خیال تھا کہ عارضی صلح کی یہ گفتگو بغیر کسی نتیجہ پر پہنچے ختم ہوگئی۔ ورکنگ کمیٹی کے ممبروں نے دہلی سے واپسی کا ارادہ کرلیا۔ لیکن انہیں یہ یقین تھا کہ صلح کی گفتگو کے ختم ہونے کا اعلان ہوتے ہی انہیں دوبارہ آپسمیں ملنے یا مشورہ کرنیکا موقع نہیں دیا جائیگا۔ اور سب ایک دم گرفتار کرلئے جائیں گے اس لئے ورکنگ کمیٹی کا ایک اجلاس ہونا ضروری تھا۔ اس لئے یہ اجلاس منعقد کیا گیا۔

اس سے پہلے قاعدہ یہ تھا کہ قائمقام صدر اپنی گرفتاری پر اپنا جانشین نامزد کردیا کرتا تھا۔ اور ورکنگ کمیٹی میں جو جگہیں خالی ہوتی تھیں۔ وہ بھی اسیطرح پر کردی جاتی تھیں

قائم مقاموں کے سلسلہ کے بڑھتے چلے جانے کے خوف سے اس مرتبہ نیا قاعدہ بنایا گیا کہ آئندہ قائم مقام صدر یا قائم مقام ممبر نامزد نہیں کئے جائینگے بلکہ جب تک اصلی ورکنگ کمیٹی کا ایک ممبر بھی جیل سے باہر ہو۔ اسوقت تک پوری کمیٹی کی حیثیت سے کام کرتا رہے گا۔

کانگریس کے صدر دفتر کو ملک کے تمام حصوں کی خبر رکھنے اور انہیں باقاعدہ ہدایات جاری کرنے میں بھی دشواریاں حائل ہو رہی تھیں اور قاصدوں کے ذریعہ خفیہ پیغام رسانی کا جو طریقہ کچھ عرصہ سے جاری تھا اُسے گاندھی جی چونکہ کانگریس کی کھلی ہوئی تحریک کے لئے غیر موزوں سمجھتے تھے۔ اس لئے ریزولیوشن کے ذریعہ تحریک چلانے کی ذمہ داری مقامی لوگوں کے سپرد کردی گئی تاکہ وہ صدر دفتر کی ہدایات کے انتظار میں بیکار نہ بیٹھے رہیں۔

علاوہ ازیں آئندہ بڑی بہادری سے لڑائی کو جاری رکھنے کا فیصلہ کیا گیا۔ اور مصالحت کی گنجائش نہیں رکھی گئی۔

دہلی کا عارضی معاہدہ

عین اسوقت جبکہ قومی رہنما سفر کی تیاریوں میں مشغول تھے۔ لارڈ ارون کے ہاں سے گاندھی جی کی طلبی ہوئی اور بات چیت دوبارہ جاری ہوگئی۔

اسی سلسلہ میں جب ۴ مارچ کو گاندھی جی وائسریگل لاج گئے۔ تو رات گئے تک واپس نہیں آئے۔ اور تمام قومی رہنما ۱۲ بجے رات تک ان کا انتظار کر کے سو گئے۔ دو بجے رات کو گاندھی جی کی واپسی عمل میں آئی۔ اور انہوں نے آکر قومی رہنماؤں کو جگایا۔ اور انہیں بتایا کہ معاہدہ ہوگیا۔

عبرتناک انجام

پنڈت جواہر لال نہرو نے معاہدہ کا مسودہ دیکھا۔ اس کی بعض دفعات سے وہ پہلے ہی سے واقف تھے۔ کیونکہ ان پر وقتاً فوقتاً بحث و تمحیص ہو چکی تھی لیکن دفعہ نمبر ۲ کو دیکھکر جو حسب ذیل تھی انہیں سخت دھچکا لگا اور وہ حیران رہ گئے کہ یہ کیا ہوگیا۔

دفعہ نمبر ۲ معاہدہ دہلی مورخہ ۵ مارچ سنہ ۱۹۳۱ء

جہانتک دستور اساسی کے مسائل کا تعلق ہے آئندہ بحث کا دائرہ حکومت برطانیہ کی منظوری کی شرط پر معین کیا جاتا ہے۔ تاکہ ہندوستان کی دستوری حکومت کی اس تجویز پر جو گول میز کانفرنس میں پیش ہو چکی ہے مزید غور کیا جا سکے۔ مذکورہ تجویز کا جو خاکہ وہاں تیار ہوا اسکے اہم اجزا حسب ذیل ہیں:۔

وفاقی نظام۔ ہندوستان میں ذمہ دارانہ حکومت کا قیام لیکن ان تحفظات کے ساتھ جو ہندوستان کے مفاد کے لیئے ضروری ہوں۔ مثلاً:۔

(۱) فوج (۲) امور خارجہ (۳) اقلیتوں کے حقوق (۴) ہندوستان کی مالی ساکھ اور (۵) قرضوں کی ادائیگی۔

معاہدہ کی یہ دفعہ نمبر ۲ پنڈت جواہرلال نہرو کسی طرح ماننے کیلئے تیار نہ تھے انہیں اکثر ان بڑے بڑے مسائل سے بھی کوئی سروکار نہ تھا جن پر زور و غور سے بحث کی جاتی تھی۔ لیکن دو چیزیں ایسی تھیں جن سے انہیں بے انتہا دلچسپی تھی ایک یہ کہ وہ کامل آزادی کے مطالبے سے ایک قدم پیچھے ہٹنے کے لئے تیار نہ تھے۔ دوسرے ان کی زبردست خواہش تھی کہ اس تصفیہ سے صوبہ متحدہ کے کسانوں کی حالت پر کوئی برا اثر نہ پڑے کیونکہ صوبہ متحدہ میں عدم ادائیگی لگان کی سکیم بہت شاندار طریقہ پر کامیاب ہو رہی تھی۔ اور بعض علاقوں میں سے ایک پیسہ تک وصول نہیں ہوا تھا۔

جواہرلال نہرو دفعہ ۲ کو دیکھتے اور سوچتے کہ کیا اسی دن کیلئے قوم اس بہادری سے مردانہ وار لڑی تھی۔ اور کیا ہمارے سارے کارناموں کا آخر میں یہی انجام ہونا تھا۔ اور یہ خیال کرتے تھے کہ کانگریس کی کامل آزادی کی تجویز کہاں گئی۔ اور ۲۶ جنوری کا وہ عہد آزادی کیا ہوا۔

ذہنی کشمکش

گاندھی جی کو کسی دوسرے شخص سے پنڈت جواہرلال نہرو کی پریشانی کا حال معلوم ہوا۔ تو انہوں نے دوسرے روز صبح ٹہلنے جاتے وقت انہیں اپنے ساتھ لیا۔ اور انہیں بتایا کہ معاہدہ میں "جو ہندوستان کے مفاد کیلئے ضروری ہوں" جیسے فقرہ کی موجودگی کے سبب ہم پوری طرح کامل آزادی کے مطالبے پر قائم ہیں۔ اور یہ بھی کہا کہ میں نے وائسرائے کو یہ بات اچھی طرح ذہن

نشین کرادی ہے کہ اگر کانگریس نے گول میز کانفرنس میں اپنا نمائندہ بھیجا تو وہ کامل آزادی کا مطالبہ پیش کرنے کیلئے ہی جائیگا۔

وائسرائے کے لئے یہ دعویٰ قابلِ تسلیم نہ تھا۔ لیکن انہوں نے کانگریس کا یہ حق تسلیم کر لیا تھا کہ وہ اپنا یہ دعویٰ پیش کر سکتی ہے۔

کسانوں کی تحریک کے متعلق بھی گاندھی جی نے وائسرائے کو یہ بات اچھی طرح جتا دی تھی۔ کہ محصول نہ دینے کی تحریک بند کر دی جائے گی۔ مگر ہم کسی صورت میں بھی کسانوں کو یہ مشورہ نہیں دیں گے کہ وہ اپنے مقدور سے زیادہ مطالبہ ادا کریں۔

یہ چیز صوبے کی حکومت سے تعلق رکھتی تھی۔ اس لئے حکومت ہند اس پر تفصیلی بحث نہیں کر سکتی تھی۔ مگر اسکے باوجود یہ اطمینان دلا دیا گیا تھا کہ صوبہ کی حکومت بڑی خوشی سے کانگریس سے اسکے متعلق گفتگو کرے گی۔

گاندھی جی نے "جو ہندوستان کے مفاد کے لئے ضروری ہوں" کے فقرہ کی جو تاویل کی وہ جواہر لال نہرو کی نظروں میں زبردستی کی تاویل تھی اور وہ اسے تسلیم کرنے کے لئے تیار نہ تھے۔ اس کے علاوہ کسانوں کی تحریک کے متعلق بھی جو وعدہ کیا گیا تھا۔ وہ بھی ان کے خیال میں بالکل مبہم تھا۔

دو تین روز وہ سخت کشمکش میں مبتلا رہے۔ کانگریس کا سب سے بڑا رہنما قول دے چکا تھا۔ اس لئے اختلاف رائے کا اعلان کرنے یا ساتھ چھوڑ دینے کا سوال ہی پیدا نہوتا تھا۔ اور سوائے اس کے کوئی چارہ کار نہ تھا کہ معاہدہ منظور کر لیا جائے اور اسے پورا کرنے کی کوشش کی جائے۔

بنگال کے نظربند

ان دنوں بنگال میں خصوصاً اور ہندوستان کے باقی صوبوں میں عموماً سول نافرمانی کے قیدیوں کے علاوہ ہزاروں کی تعداد میں دوسرے سیاسی قیدی بھی تھے جن میں سے بعض کو تحقیقات کے بغیر یوں ہی نظر بند کر دیا گیا تھا۔ اور انمیں سے بعض لوگ تو برسوں سے نظر بند تھے۔

بغیر تحقیقات کئے اس طرح قید یا نظر بند کرینے کے خلاف سارے ہندوستان میں اور خصوصاً بنگال میں بہت ہی زور وشور سے ناراضگی پھیلی ہوئی تھی۔ دہلی کے معاہدے کے دوران میں گاندھی جی نے بہت اصرار کیا تھا۔ کہ سول نافرمانی کے قیدیوں کے ہمراہ یہ دوسرے سیاسی قیدی اور نظر بند بھی رہا کر دیے جائیں۔ انکا خیال تھا کہ ان کا معاملہ خواہ معاہدہ میں شامل کیا جائے یا نہ کیا جائے لیکن سیاسی کشیدگی دور کرنے کے لیئے ان کی رہائی ضروری ہے لیکن حکومت نے اس مشورہ کو قبول نہیں کیا۔

صوبجاتی آزادی کے بعد فضل حق گورنمنٹ کے دوران میں پھر گاندھی جی نے اس سلسلہ میں بنگال کے ہوم ممبر سر ناظم الدین سے کئی بار ملاقات کی جسکا نتیجہ خاطر خواہ نکلا اور اس قسم کے قیدیوں اور نظر بندوں کی بڑی تعداد کو نہ صرف رہا کر دیا گیا بلکہ ان کے لیئے کام بھی مہیا کیا گیا۔

پھر بھی انکی تھوڑی سی تعداد اس وقت نظر بندی کے مصائب میں مبتلا رہ گئی اور گاندھی جی انکی رہائی کے لیئے برابر کوشاں رہے۔

آہ بھگت سنگھ

بھگت سنگھ کی سزائے موت کو بدلوانے کیلئے بھی گاندھی جی نے بے انتہا کوشش کی تھی۔ معاہدہ دہلی سے اس معاملہ کا بھی کوئی تعلق نہ تھا۔ لیکن سارے ہندوستان کی خواہش کو مد نظر رکھ کر گاندھی جی نے معاہدہ سے علیحدہ اس کے متعلق بات چیت کی تھی۔ لیکن حکومت نے اس مشورے کو بھی ٹھکرا دیا۔

کانگریسی تنظیم کا شاندار مظاہرہ

معاہدہ دہلی کے چند روز بعد پنڈت جواہرلال نہرو لکھنؤ گئے اور فوراً سول نافرمانی کو روکنے کے احکامات جاری کر دیئے گئے۔ قومی کارکنوں میں سے بہت سے لوگ معاہدہ دہلی سے ناراض تھے۔ اسکے باوجود کانگریس کی کل شاخوں نے قابل تعریف طریقے پر نئی ہدایات پر عمل کیا۔

حکومت صوبہ متحدہ کی کج رائی

صوبہ متحدہ میں کاشتکاروں کے مسئلے کے تصفیے کے لئے فوراً صوبہ کی حکومت سے بات چیت شروع کی گئی۔ اور خود پنڈت جواہرلال نہرو عرصہ مدید کے بعد اس موقع پر صوبہ کے چند بڑے آفیسروں سے ملنے گئے۔ صوبہ کی کانگریس کمیٹی نے پنڈت گوونر ولبھ پنتھ کو خاص طور پر صوبہ کی حکومت سے تعلقات قائم رکھنے پر مامور کیا۔ صوبے کے گورنر سر مالکم ہیلی انگلستان گئے ہوئے تھے۔ اس لئے ان کے قائم مقام گورنر نے ذمہ داری سے بچنے کے لئے عرصہ تک کوئی کاروائی نہیں کی اور اس فوری معاملے کو موسم گرما تک کے لئے ملتوی کر دیا گیا

جس سے آسامیوں کو شدید تکالیف برداشت کرنی پڑیں اور معاملہ بگڑ گیا

عجیب کایا پلٹ

معاہدہ دہلی کی رو سے روزانہ ہزارہا قیدی رہا ہونے لگے اور جب یہ لوگ اپنے اپنے وطن پہنچتے تو بڑے جوش و خروش سے انکا استقبال کیا جاتا جھنڈیوں سے آرائش کیجاتی۔ جلوس نکلتے۔ جلسے منعقد کیے جاتے اور دھواں دھار تقریریں ہوتیں۔ لوگوں کو اپنی قربانی اور بہادری پر فخر تھا۔ اور جب وہ اسوقت کو یاد کرتے۔ جب جگہ جگہ گولیاں اور لاٹھیاں چلتی تھیں۔ اور جلوس اور جلسے زبردستی منتشر کر دیئے جاتے تھے تو اس عجیب کایا پلٹ پر تعجب ہوتا تھا

جواہر لال نہرو کی بیماری

جواہر لال نہرو جب جیل میں تھے تب ہی سے انکی صحت خراب تھی۔ پھر والد کی وفات نے انہیں اور بھی نڈھال کر دیا تھا۔ اس کے باوجود انہوں نے صحت کی بحالی کے لیے خاص توجہ سے کام نہیں لیا۔ آخر کار دہلی کی طول طویل گفت و شنید نے انہیں اور نقصان پہنچایا۔ تب انکے ڈاکٹروں نے اصرار کیا کہ انہیں تبدیل آب و ہوا کے لیے ضرور کہیں چلا جانا چاہیئے۔

کراچی کانگریس

اس سال کانگریس کا سالانہ اجلاس سردار ولبھ بھائی پٹیل کی صدارت میں کراچی منعقد ہوا۔ حسب معمول ہزارہا آدمیوں نے دور دور سے آ کر اسمیں شرکت کی۔ اور خان عبد الغفار کی سرکردگی میں خدائی خدمتگاروں کی ایک جماعت

بھی شرکت کے لئے کراچی پہنچی۔

اس اجلاس کا سب سے اہم ریزولیوشن معاہدہ دہلی اور گول میز کانفرنس کے متعلق تھا۔ گاندھی جی نے پنڈت جواہرلال نہرو کو حکم دیا کہ تم اسے کھلے اجلاس میں پیش کرو۔ لیکن یہ ریزولیوشن پنڈت جی کی طبیعت کے خلاف تھا اس لئے انہوں نے انکار کر دیا۔

لیکن انہیں پھر خیال آیا کہ علی الاعلان موافقت یا مخالفت کرنی چاہیئے اس طرح بات کو ٹالنے سے کیا فائدہ۔ اس لئے وقت کے وقت انہوں نے اس ریزولیوشن کو خود پیش کرنیکا فیصلہ کیا۔ اور اس عظیم الشان مجمع کے سامنے اس ریزولیوشن کو پیش کرتے ہوئے صاف اور واضح طور پر بتایا کہ انہوں نے اس ریزولیوشن کو کیوں قبول کیا۔ اور کیوں اس کی وکالت کی۔ اس کی یہ سیدھی سادھی تقریر بہت کامیاب تقریر تھی۔

روس کا ہوّا

جواہرلال نہرو نے کراچی کے اجلاس میں کئی اور تقریریں بھی کیں۔ خصوصاً اس تجویز پر جو بھگت سنگھ کے متعلق تھی اور اس تجویز پر جو بنیادی حقوق اور معاشی پالیسی کے متعلق تھی ان کی تقریریں یادگار چیز ہیں۔

آخر الذکر تجویز چونکہ معاشی اصول سے تعلق رکھتی تھی اس لئے جواہرلال نہرو نے اس سے بہت دلچسپی کا اظہار کیا۔ لیکن اس سے حکومت کے اعلیٰ افسروں میں ہلچل مچ گئی اور عجیب عجیب داستانیں بیان کی گئیں۔ انمیں سے ایک یہ بھی تھی کہ بالشویکوں کا سرخ سونا پوشیدہ طریقے سے کراچی پہنچ رہا ہے جس نے کانگریس کو پھسلا لیا ہے۔

اس سے اور زیادہ واضح الفاظ میں یہ بھی کہا گیا کہ بالشویکوں سے تعلق رکھنے والے ایک پراسرار شخص نے اس مسودہ کو کراچی میں جواہرلال نہرو کے سر چپیک دیا۔ اور اس کے بعد جواہرلال نہرو نے گاندھی جی کو اعلان جنگ دے دیا کہ اگر آپ نے یہ ریزولیوشن منظور نہ کیا تو میں معاہدہ دہلی کی مخالفت کرونگا آخر مجبور ہو کر گاندھی جی بیچاروں نے جواہرلال نہرو کو منانے کے لئے کانگریس سے زبردستی اُسے پاس کرایا۔

اس قسم کا ریزولیوشن کانگریس سے منظور کرانے کے لئے بہت عرصہ پہلے سے کوششیں ہو رہی تھیں۔ اور جب معاہدہ دہلی کے سلسلہ میں گاندھی جی اور جواہرلال نہرو دہلی میں صبح ٹہلنے جایا کرتے تھے۔ تو جواہرلال نے گاندھی جی سے اس سلسلہ میں گفتگو کی تھی اور گاندھی جی نے بڑی خوشی سے اسے منظور کرلیا تھا کہ کراچی کانگریس میں ایک ریزولیوشن کا مسودہ بنا کر مجھے دکھا دیا جائے۔

جواہرلال جب اس ریزولیوشن کو ترتیب دینے لگے تو وہ وقتاً فوقتاً دوسرے لوگوں سے بھی اسکے متعلق مشورہ کرتے رہتے تھے۔ اور پھر یہ امر خارج از عقل ہے کہ جواہرلال گاندھی جی کو الٹی میٹم دیں یا باہم سودا کریں۔ ایسے نمایاں لیڈروں سے اس قسم کے بازاری لین دین کا کبھی یقین نہیں کیا جا سکتا

غیر خوشگوار نزاع

ورکنگ کمیٹی کا انتخاب ہمیشہ آل انڈیا کانگریس کمیٹی کیا کرتی تھی پھر یہ طریقہ رائج ہو گیا تھا۔ کہ جس شخص کو صدر بنایا جاتا۔ وہ گاندھی جی یا بعض اوقات اور رفیقوں کے مشورہ سے ورکنگ کمیٹی کے ممبر چن لیتا تھا۔ اور کانگریس ان ممبروں کو منظور کر لیتی تھی۔ کراچی کانگریس میں اس انتخاب میں غیر خوشگوار

صورت پیدا ہو گئی۔
پندرہ آدمیوں کی اس آل انڈیا کمیٹی میں بعض حلقوں کی نمائندگی نہ ہو سکنے اور بعض ممبروں کے منتخب ہو جانے پر شکایت پیدا ہوئی اور معاملہ بڑھ گیا۔

مجلس احرار کی بنیاد

اس شکایت کی بنا پر معترضین رفتہ رفتہ کانگریس سے علیحدہ ہو گئے اور ان میں جو مسلمان حضرات تھے۔ انہوں نے ایک انجمن کی بنیاد ڈالی۔ جسکا نام "مجلس احرار" رکھا گیا۔ نہایت سرگرم اور رہرو حضرات مسلمان کانگریسیوں میں سے بہت سے لوگوں نے اسمیں شرکت کرلی۔ اس لئے مسلمانوں کی ایک بہت بڑی جماعت اسمیں شریک ہو گئی اور مجلس احرار نے شروع میں بہت جلد ایک زبردست انجمن اور زندہ جماعت کی صورت اختیار کرلی تھی اور یہ واقعہ ہے کہ مجلس احرار کے بعض سرکردہ رہنماؤں کی کانگریس سے علیحدگی سے کانگریس کو بہت نقصان پہنچا

سیلون کی سیاحت

جواہرلال نہرو کی علالت روبہ ترقی تھی اور ڈاکٹر آب و ہوا کی تبدیلی پر بہت زیادہ زور دے رہے تھے۔ لیکن سوال یہ تھا کہ ہندوستان میں کونسی جگہ ان کے لئے گوشۂ عافیت ہو سکتی ہے۔ ہر جگہ سیاسی رفیق موجود تھے اور ہندوستان کا کوئی حصہ ایسا نہیں تھا جہاں ان کے مشاغل تبدیل ہو سکیں اس لئے جواہرلال نہرو نے سیلون کی سیاحت کا پروگرام بنایا وہ ہندوستان سے الگ بھی ہے اور ہندوستان کے بالکل قریب بھی۔ چنانچہ وہ اپنی بیوی

اور اپنی بیٹی کو ہمراہ لے کر پانچ چھ ہفتہ کے لئے لنکا چلے گئے۔

سیلون میں ہر طبقہ کے لوگوں نے ان کی بیحد خاطر تواضع کی۔ لوگ میلوں چل کر ان سے ملنے آیا کرتے تھے۔ نوارا ایلیا میں ان کی چھوٹی سی قیام گاہ بعض اوقات تحفوں سے بھر جایا کرتی تھی۔ جنہیں مقامی اسپتال اور یتیم خانوں میں تقسیم کر دینا پڑتا تھا۔

مہاتما بدھ اور حضرت مسیح کی شخصیت کا اثر

سیلون میں اس چھوٹی سی پارٹی نے وہاں کی تاریخی عمارتیں بدھ مذہب کی خانقاہیں اور دوسری قابل دید چیزیں بھی دیکھیں انورادھاپور میں جواہر لال نہرو کو مہاتما بدھ کی ایک پرانی مورت بہت پسند آئی۔ حالانکہ مہاتما بدھ کے مذہب یا ان کے عقاید سے جواہر لال نہرو کو کوئی دلچسپی نہیں ہے لیکن انکے لئے بودھ کی شخصیت میں ایک کشش ہے۔ اسی طرح عیسائی مذہب ان کے لئے اپنے میں کوئی جاذبیت نہیں رکھتا۔ لیکن حضرت مسیح کی شخصیت ان کے لئے پر کشش چیز ہے۔

سرور دو عالم کو خراج تحسین

جواہر لال نہرو کو مذہب سے کوئی دلچسپی نہیں ہے انہوں نے مذہب کی اکثر مذمت کی ہے۔ بلکہ بعض اوقات انہیں یکسر مٹا ڈالنے کی آرزو ظاہر کی ہے لیکن یہ جاننا دلچسپی سے خالی نہیں ہوگا کہ اس لامذہبیت کے باوجود اسلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ان کے خیالات کیا ہیں۔ اپنی پیاری بیٹی اندرا کو ایک مرتبہ انہوں نے لکھا تھا کہ:۔

"اسلام وہ نئی قوت تھی۔ جس نے عربوں کو جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر جگادیا اور ان میں خود اعتمادی و جوش عمل کوٹ کوٹ کر بھر دیا۔ اس مذہب کے بانی ایک نئے پیغمبر (حضرت) محمد (صلعم) تھے جو مکہ میں ۵۷۰ء میں پیدا ہوئے تھے۔ اور ان میں اپنے مذہب کی تبلیغ شروع کرنے کی عجلت نہیں تھی۔ اس لئے وہ عرصہ تک نہایت خاموشی سے زندگی بسر کرتے رہے۔ اس زمانہ میں بھی عام طور پر لوگ ان سے محبت کرتے تھے اور ان پر اعتماد کرتے تھے۔ حتیٰ کہ ان کا لقب ہی "امین" پڑ گیا۔ لیکن جب انہوں نے اپنے نئے مذہب کی تبلیغ شروع کی خاص کر جب مکہ کے بتوں کی مخالفت کی تو ان کے خلاف ایک شور برپا ہو گیا۔ بالآخر انہیں مکہ چھوڑنا پڑا۔ ہجرت کے سات سال کے اندر اندر (حضرت) محمد (صلعم) مکہ کے مالک و مختار کی حیثیت سے وہاں داخل ہوئے۔ لیکن اس سے پہلے مدینہ ہی سے انہوں نے دنیا کے بادشاہوں کے نام فرمان بھیجے کہ ایک خدا اور اس کے رسول پر ایمان لے آؤ۔ قسطنطنیہ کے شہنشاہ ہرقل کو یہ فرمان اس وقت ملا تھا جب وہ شام میں مصروف جنگ تھا۔ ایران کے بادشاہ کو بھی یہی پیام بھیجا تھا۔ اور سنا ہے کہ چین کے بادشاہ تائی سنگ کو بھی اسلام کی دعوت دی تھی۔ ان بادشاہوں کو حیرت ہوئی ہوگی کہ یہ کون غیر معروف شخص ہے جو ہم پر اس طرح حکم چلاتا ہے"

آگے چل کر وہ لکھتے ہیں

ان پیاموں سے ہم تصور کر سکتے ہیں کہ (حضرت) محمد (صلعم) کو

اپنی ذات پر اور اپنے پیام پر کتنا اعتماد ہوگا یہی اعتماد اور ایمان انہوں نے اپنے پیرووں میں پیدا کر دیا۔ اسی سے انہیں تسکین دی اور اسی سے انہیں ابھارا۔ یہاں تک کہ ریگستان کے ان باشندوں نے جن کی دنیا میں کوئی اہمیت نہیں تھی معروف دنیا کا نصف حصہ فتح کر لیا حقیقت یہ ہے کہ انکا یہ ایمان اور خود اعتمادی بہت بڑی چیز تھی جس کی نظیر ملنی مشکل ہے۔ اس کے علاوہ اسلام نے انہیں اخوت کا سبق بھی سکھایا۔ یعنی یہ بتایا کہ تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں اور سب برابر ہیں۔

سیاسیات کے ماہر ابوبکرؓ اور عمرؓ

اسی تحریر میں انہوں نے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمر کو بھی بیحد سراہا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔

حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ زبردست شخصیتوں کے مالک تھے انہوں نے عرب اور اسلام کی عظمت کا سنگ بنیاد رکھا خلیفہ کی حیثیت سے وہ دونوں مذہبی پیشوا بھی تھے اور سیاسی سردار بھی گویا بادشاہ بھی اور پوپ بھی۔ اپنی مقتدر حیثیت اور سلطنت کی روز افزوں طاقت کے باوجود انہوں نے سادگی کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا اور عیش و عشرت اور شان و شوکت کو ہمیشہ ٹھکرایا۔ اسلام کی جمہوریت ان کے لئے ایک زندہ چیز تھی لیکن خود ان کے ماتحت افسر اور امیر ریشمین کپڑے پہنے لگے تھے۔ اور عیش و عشرت میں پڑ گئے تھے۔ چنانچہ بہت سی روایتیں مشہور

ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ دونوں نے ان افسروں کو بارہا لعنت ملامت کی اور سزا دی حتیٰ کہ اکثر تکلیفات پر زار و قطار روئے بھی وہ محسوس کرتے تھے کہ ان کی ساری قوت سادگی اور جفاکشی میں ہے

مسلمانوں کی سربلندی کا اعتراف

مسلمانوں کی سرفرازی اور سربلندی کا اعتراف کرتے ہوئے ایک مرتبہ انہوں نے اندرا نہرو کو لکھا تھا:۔

(حضرت) رسول (صلعم) کے زمانہ میں عربوں میں وہ عجیب و غریب طاقت اور زندگی تھی جس کا بادشاہوں کی فوجیں بھی مقابلہ نہ کر سکتی تھیں۔ وہ اپنے زمانہ کی دنیا میں سرفراز اور سربلند تھے اور جس وقت وہ آندھی کی طرح اٹھتے اور طوفان کی طرح بڑھتے تھے تو بڑے بڑے بادشاہوں اور ان کے لشکروں کے چھکے چھوٹ جاتے تھے۔

اسلامی طرز حکومت کی توصیف

عباسی خلفا کے دارالسلطنت کا حال بتاتے ہوئے انہوں نے اندرا نہرو کو لکھا کہ:۔

"بغداد بہت بڑا شہر تھا جو محلوں، سرکاری دفتروں، اسکولوں اور کالجوں، بڑی بڑی دوکانوں، باغوں اور چمنوں سے بھرا پڑا تھا وہاں کے تاجروں کی مشرق اور مغرب کے ساتھ نہایت وسیع پیمانہ پر تجارت جاری تھی۔ بیشمار سرکاری حکام سلطنت کے دور دراز کے مقامات کی خبر رکھتے تھے۔ نظام حکومت اب پیچیدہ ہوتا جاتا تھا

اور بہت سے محکموں پر مشتمل تھا۔ ڈاک کا نہایت معقول انتظام تھا۔
اور اس کے ذریعہ سے سلطنت کا گوشہ گوشہ دارالخلافہ سے منسلک تھا
اسپتالوں کی افراط تھی ساری دنیا سے لوگ بغداد آیا کرتے تھے
خاص کر عالموں، طالب علموں اور صناعوں کے لئے یہ خاص کشش
رکھتا تھا۔ کیونکہ یہ مشہور تھا کہ خلیفہ قابل لوگوں کی اور ماہرین فن کی بڑی
قدر کرتا ہے۔"

خلیفہ ہارون الرشید کے دربار کی تصویر انھوں نے حسب ذیل الفاظ میں کھینچی
ہے۔

ہارون الرشید کے دربار میں چین کے شہنشاہ اور مغرب کے بادشاہ
چارلی کے پاس سے سفیر آیا کرتے تھے۔ غرض بغداد اور عباسی
سلطنت، فن حکومت، تجارت اور علم و فضل کی ترقی کے معاملہ میں
(سپین کو چھوڑ کر جو عربوں ہی کی زیر حکومت تھا) سارے یورپ
سے بڑھی ہوتی تھی۔"

سائنس کی ایجاد کا سہرا

موجودہ سائنس کے متعلق جواہر لال نہرو نے تسلیم کیا ہے کہ درحقیقت
اسکے بانی مسلمان عرب تھے۔ چنانچہ انہوں نے بتایا ہے کہ:۔
عباسی دور سے مجھے اس لئے دلچسپی ہے کہ اس نے سائنس کا ایک
نیا شوق پیدا کر دیا۔ قدیم زمانہ میں نہ تو مصر میں، نہ چین میں اور نہ
ہندوستان میں سائنس کا رواج تھا۔ البتہ قدیم یونان میں اسکا
تھوڑا بہت چرچا تھا۔ اسکے بعد روم میں اسکا نشان نہیں ملتا۔ لیکن

عربوں میں تحقیق و تفتیش کا شوق تھا وہ سائینس کے بانی ہیں۔

کمسن بچہ کا عزم

لنکا کی سیاحت کے دوران میں ایک جگہ ایک مدرسہ کے استادوں اور لڑکوں نے ان کی کار کو اکر انہیں خوش آمدید کہا اور مناسب الفاظ میں اپنی عقیدت کا اظہار کیا۔ لڑکوں کے چہرے ذوق شوق کے اثر سے گلنار ہو رہے تھے بتایا کہ انمیں سے ایک لڑکے نے جس کی آنکھوں سے عزم و استقلال ٹپک رہا تھا۔ بڑھ کر جواہر لال نہرو سے مصافحہ کیا اور بغیر کسی تمہید کے انسے کہا "میرا قدم نہیں ڈگمگائے گا۔

اس لڑکے کے متعلق جواہر لال نہرو کو معلوم نہیں کہ وہ کون تھا لیکن اس کے الفاظ ان کے دل پر کندہ ہو کر رہ گئے اور انہیں یقین ہے کہ اس نے جو کچھ کہا تھا۔ وہ اس پر ثابت قدم رہیگا اور مشکلات میں اسکا قدم نہیں ڈگمگائے گا

ریاستوں کی طرف سے خوش آمدید

سیلون سے واپس ہو کر وہ ہندوستان کے جنوبی سرے راس کماری پر اترے اور ٹراونکور، کوچین، ملابار، سیلور اور حیدر آباد وغیرہ سے ہو کر گذرے ہر جگہ رعایا اور حکام کی جانب سے ان کا خیر مقدم کیا گیا۔

ریاست میسور کے اندر بنگلور میں انہوں نے ایک عظیم الشان جلسہ میں تقریر کی اور بہت اونچے کھمبے پر قومی جھنڈا لہرایا۔

بغاوت کا ہوّا

لیکن کچھ ہی دن بعد. وہاں قومی جھنڈا پھر بغاوت کی نشانی سمجھا جانے لگا اور اس کھمبے کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا گیا۔ قومی نشان کی اس توہین سے جواہر لال کو شدید افسوس ہوا

مردوں کے خلاف عورتوں کا محاذ

حیدر آباد دکن میں یہ چھوٹی سی پارٹی مسروجنی نائیڈو کے ہاں فروکش ہوئی وہاں کی پردہ نشین خواتین کملا نہرو سے ملاقات کی خواہشمند تھیں. چنانچہ ایک مختصر جلسہ کا انتظام کیا گیا۔ کملا نہرو نے اپنی تقریر کے دوران میں مردوں کے بنائے ہوئے ان رسم و رواج پر تنقید کی جنہوں نے عورت کی آزادی کو سلب کر لیا ہے۔ نتیجہ کے طور پر ایک بہت دلچسپ واقعہ پیش آیا۔

کچھ ہی دن بعد حیدر آباد کے کسی صاحب نے کملا نہرو کو چٹھی لکھی اور اپنی عجیب الجھن کا اظہار کیا کہ آپ کی تقریر کے بعد میری بیوی یک لخت بدل گئی ہے اور اب وہ میری کوئی بات نہیں مانتی۔ بلکہ ہر کام میری مرضی کیخلاف کیا جاتا ہے۔ بحث کی جاتی ہے۔ بلکہ وہ اعلانِ جنگ کر دینے میں بھی نہیں جھجکتی

سیاست کے بھنور

سیلون کے دورے سے واپس آکر جواہر لال نہرو کو پھر سیاست کے بھنور میں پھنسنا پڑا ورکنگ کمیٹی کا اجلاس ہو رہا تھا۔ اور بہت سے اہم مسائل تصفیہ طلب تھے۔ جن میں سے ایک مسئلہ صوبہ متحدہ کے کسانوں کی شکایات کے متعلق تھا

وہاں کے کاشتکاروں کی حالت بہت زبوں ہوگئی تھی۔ صوبہ کی حکومت نے لگان اور مال گذاری میں تخفیف کے متعلق کوئی فیصلہ نہیں کیا بلکہ جبریہ وصولی شروع کر دی۔ بے دخلی اور قرقیاں عام ہوگئیں۔ نتیجہ کے طور پر کئی جگہ بلوے ہوئے صوبے کے گورنر سر مالکم ہیلی۔ ان دنوں نینی تال میں تھے۔ گاندھی جی ان واقعات کے متعلق ان سے گفتگو کرنے نینی تال گئے۔ لیکن کوئی خاص نتیجہ نہ نکلا حکومت نے تخفیف کے متعلق جو اعلان شائع کیا وہ توقع سے بہت ہی کم تھا۔

ورکنگ کمیٹی کے سامنے ایک اور مسئلہ سرخپوشوں کا تھا۔ حکام سرحدی گاندھی عبدالغفار خاں اور سرخ پوشوں کو شبہ کی نظر سے دیکھتے تھے۔ ان میں سے کسی کو یقین ہی نہ تھا کہ وہ عدم تشدد پر عمل کر سکیں گے۔ اور وہ سب یہ سمجھتے تھے کہ یہ کوئی گہری سازش ہے چنانچہ دہلی کے معاہدے سے صوبہ سرحد کو کچھ بھی امن نہیں ملا۔ وہاں نہایت معمولی سے معمولی قصور پر سخت ترین سزائیں دی جارہی تھیں۔ گاندھی جی اور جواہرلال نہرو کی خواہش تھی کہ وہ سرحد جاکر تمام حالات بچشم خود دیکھیں۔ حکومت نے اسے منظور نہیں کیا۔ اور معاہدہ دہلی کی موجودگی میں اسوقت ان لیڈروں نے بھی عدول حکمی مناسب نہیں سمجھی۔

بنگال کے برہمی بھی ورکنگ کمیٹی کو اپنی طرف متوجہ کئے بغیر نہ رہ سکی۔ وہاں بھی دہلی کے معاہدے کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ بلکہ معاہدے کے برعکس حالات بد سے بدتر ہوگئے۔ سول نافرمانی کے کچھ قیدی چھوڑے گئے۔ لیکن وہ بے شمار سیاسی کارکن جو سول نافرمانی کے مرتکب نہیں تھے جیل میں تھے۔ نظر بندوں کے کیمپ میں اور جیلخانوں میں بہت سے لوگ نظربند بھی تھے اور یہ غضب الگ تھا کہ سیاسی جدوجہد کے الزام میں یا سیاسی تقریر کرنے کے جرم میں لوگ برابر گرفتار کئے جارہے تھے۔

فرقہ وارانہ مسئلہ نے بھی اسوقت ورکنگ کمیٹی کو الجھن میں ڈالدیا تھا۔ یہ ایک مستقل اور بہت قدیم وبا ہے جو روپ بدل بدل کر سامنے آتی ہے۔
گول میز کانفرنس کے انعقاد کے سبب اسکو کسی نہ کسی طرح سلجھانا ضروری تھا ورنہ صاف ظاہر تھا۔ کہ برطانوی حکومت لازمی طور پر اس چنگاری کو ہوا دے گی اور ہر مسئلہ کو صرف ایک اس مسئلہ پر منحصر کر کے رکھ دیا جائے گا۔ اور پھر کوئی سیاسی یا معاشی مسئلہ طے نہ ہو سکے گا۔
گول میز کانفرنس میں کانگریس کی نمائندگی کا مسئلہ بھی بہت زیادہ اہم تھا۔ حکومت کہتی تھی۔ گول میز کانفرنس دستور اساسی کا ڈھانچہ پہلے ہی بنا چکی ہے اور اب تصویر کے خاکے میں صرف رنگ بھرنے کی کسر ہے۔ لیکن کراچی کانگریس نے واضح طور پر طے کر دیا تھا کہ صرف وہی دستور اساسی قابل قبول ہو سکتا ہے۔ جس کی رو سے ہندوستان کی معاشی اور مالی پالیسی، امور خارجہ اور فوج پر کلّی اختیارات ملیں۔ اور یہ بھی وعدہ کیا جائے۔ کہ ہندوستان پر انگلستان اور دوسرے غیر ملکوں کے قرض کی ذمہ داری ڈالنے سے پہلے اچھی طرح چھان بین کر لی جائے گی۔ بنیادی حقوق کی تجاویز میں بھی بہت سی ان سیاسی اور معاشی تبدیلیوں کا ذکر کیا گیا تھا جو کانگریس کو مطلوب تھیں۔
سرکاری ملازمین کی طرف سے معاہدہ دہلی کی جو خلاف ورزی ہو رہی تھی اس کے متعلق بھی ورکنگ کمیٹی کو غور و فکر کرنا تھا۔ ملک کے طول و عرض سے مقامی کانگریس کمیٹیوں کو برابر شکائتیں پہنچ رہی تھیں کہ سرکاری ملازمین نے فلاں فلاں مقام پر معاہدہ دہلی کی خلاف ورزی کی ان میں سے اہم شکایات حکومت کو بھیجی بھی گئیں۔ حکومت معاہدہ کی خلاف ورزی کا الزام کانگریس پر لگاتی تھی اور دونوں طرف سے شکائتیں بڑھتی جا رہی تھیں۔

گاندھی جی کی یادگار سپیشل ٹرین

گاندھی جی مذکورہ بالا مسائل پر وائسرائے سے گفتگو کرتے دوبارہ شملے گئے اور جواہر لال نہرو کو بھی انہوں نے شملہ بلایا۔

گاندھی جی کی خواہش تھی کہ جب تک انہیں یہ اطمینان نہ ہو جائے کہ انکی عدم موجودگی میں ہندوستان میں امن رہیگا۔ تب تک وہ ہندوستان کو چھوڑکر نہ جائیں۔ وہ ہندوستان کو سخت مشکل کے زمانے میں چھوڑتے ہوئے ہچکچاتے تھے۔

گفت وشنید، بحث و مباحثہ اور خط وکتابت کے ذریعہ آخرکار حکومت سے فیصلہ ہوگیا اور کانگریس گول میز کانفرنس میں نمائندگی کے لئے تیار ہوگئی اسکے بعد بڑا سوال یہ درپیش تھا کہ کون کون سے لوگ بھیجے جائیں۔ کانگریس اس کٹھن زمانے میں اپنے بہت سے آدمیوں کو ہندوستان سے باہر نہیں بھیج سکتی تھی۔ اس دوران میں تمام تحریک کو قابو میں رکھنے کیلئے بڑی ہوشیاری کی ضرورت تھی۔ اسکے علاوہ اصل محور جس پر تمام حالات گھوم سکتے تھے ہندوستان ہی میں تھا۔ لندن میں گول میز کانفرنس کے اندر نہ تھا۔ یہاں جو حالات رونما ہوتے لازمی طور پر گول میز کانفرنس پر انکا اثر پڑتا۔ علاوہ ازیں کانگریس کوئی اسلئے گول میز کانفرنس میں شرکت نہیں کر رہی تھی کہ وہ وہاں جاکر ملک کے دستور کی ضمنی تفصیلات کے متعلق اس قسم کی بحثیں چھیڑے جو کبھی ختم نہیں ہو سکتیں۔ کانگریس کے خیال میں اصل سوال صرف اتنا تھا کہ ہندوستان کو درحقیقت کتنی طاقت منتقل کیجاتی ہے۔ تفصیلات بعد میں بھی طے کی جا سکتی تھیں۔

اس لئے باوقار طریقہ یہی سمجھا گیا کہ کانگریس کی طرف سے صرف گاندھی جی

کانفرنس میں شرکت کریں اور اپنا اٹل مسلک پیش کرکے ذہن نشین کرا دیں کہ وہ کسقدر معقول ہے۔

یہ طے کر لیا گیا تھا کہ اگر اتفاقاً بنیادی اصولوں پر سمجھوتے کی کوئی شکل پیدا ہو جائے تو گاندھی جی فوراً مجلس عاملہ کے ممبروں کو لندن طلب کر لیں تاکہ تفصیلی بات چیت میں سب لوگ شریک ہو سکیں۔

حکومت اور کانگریس کا وہ تصفیہ جس کے سبب کانگریس گول میز کانفرنس میں شرکت پر آمادہ ہوئی بہت آخر وقت میں ہوا تھا۔ گول میز کانفرنس کے نمایندوں کے آخری جہاز کی روانگی کی تاریخ بالکل قریب تھی۔ شملہ سے گاندھی جی کے لئے ایک اسپیشل ٹرین کا انتظام کیا گیا تھا اور دوسری تمام گاڑیاں روک دی گئی تھیں۔ تاکہ گاندھی جی جلد از جلد بمبئی پہنچ سکیں۔ جواہرلال نہرو اس سفر میں گاندھی جی کے ہمراہ بمبئی تک گئے۔ گاندھی جی کی ہدایت تھی کہ اگر وہ انہیں لندن طلب کریں تو بذریعہ ہوائی جہاز سفر کیا جائے تاکہ وہ جلد از جلد لندن پہنچکر گاندھی جی سے مل سکیں۔

اگست کے آخر ہفتہ کی ایک صبح کو گاندھی جی کا جہاز روانہ ہوا اور ان دونوں نے ایک دوسرے کو الوداع کہی۔ اس کے بعد دو برس کے لمبے عرصہ تک وہ ایک دوسرے کو نہ دیکھ سکے

گاندھی جی کے لئے زہر کا پیالہ

گاندھی جی کا جہاز راجپوتانہ ساحل بمبئی سے روانہ ہوا تو انہیں بہت سے تار موصول ہوئے۔ انمیں سے ایک وائسرائے کی جانب سے تھا اور بہت سے دوستوں اور رفیقوں کی طرف سے تھے۔ ایک تار کی تحریر یہ تھی۔ "آپ جیتے

تو بہت کچھ جیتینگے۔ ہارے تو بہت کچھ ہاریں گے۔ خدا کرے آپ کی جیت ہو"
ایک اور تار کا اقتباس ہے۔" آپ نے اپنی عمر میں بہت سے کڑوے گھونٹ
پیے ہیں۔ چاہیئے اب یہ زہر کا آخری پیالہ بھی پی لیجئے۔

ہندوستان کے لئے مصر کے تحفے

مصر سے بذریعہ لاسکی جہت سے پیغامات موصول ہوئے۔ بیگم زاغلول کا پیام تھا" اس مبارک موقع پر جب ہندوستان کا رہبر اعظم مصر کے سمندر سے گذر رہا ہے میں خلوص کے ساتھ سلام بھیجتی ہوں کہ ہندوستان اپنے مقصد میں کامیاب ہو" مصر کے ممتاز اخبار البلاغ نے پیغام بھیجا تھا" اخبار البلاغ آپ کے توسط سے ہندوستان کو سلام بھیجتا ہے اور کانفرنس میں ہندوستان کی پوری کامیابی کی دعا کرتا ہے" نحاس پاشا صدر جمعیت وفد نے ایک طویل تار بھیجا تھا۔ جسکا اقتباس ہے" خدا آپ کو سلامت رکھے اور آپ کی سعی کے صلے میں زبردست اور دائمی فتح عطا فرمائے۔

لندن کا سیوا گرام

لندن میں گاندھی جی کے قیام کے لئے بہت سے دوستوں نے اپنے مکانات کی پیشکش کی۔ مس موریل لیسٹر کا پر خلوص اور محبت بھرا اصرار سب پر غالب آیا۔ اور گاندھی جی نے ان کے ہمراہ کنگسلے ہال میں قیام کرنا منظور کرلیا۔
مس صاحبہ اپنی فطری رحمدلی کے سبب لندن میں اصلاح معاشرت کا زبردست کام کر رہی ہیں۔ وہ اسی سلسلہ میں ہندوستان بھی آچکی ہیں۔ اس موقع پر وہ ڈاکٹر ٹیگور اور گاندھی جی کے ہاں مہمان رہ گئیں تھیں۔ لندن کے اس محلے میں جہاں

ہنگامہ خیز شراب خانوں کی بھرمار ہے۔ اور افلاس، گندگی اور بداعمالی کا دور دورہ ہے۔ انہوں نے کنگسلے ہال کا افتتاح کیا تاکہ ان محلوں میں جہاں خاندانوں کی تباہی، کام حاصل کرنے کی ناکام کوشش، ذلت، مایوسی، اور اقدام خودکشی کے مناظر روزمرہ دیکھنے میں آتے ہیں۔ وہ مخلوق کی دلدہی اور دستگیری کرسکیں اور انہیں راحت و مسرت کا پیام پہنچائیں۔

گاندھی جی نے کنگسلے ہال کے قیام کے دوران میں وہاں کی فضا بالکل اسی قسم کی پائی جسے وہ دل سے پسند کرتے ہیں۔ اس بستی کے رہنے والے اپنے ہاں جھاڑو خود دیتے ہیں۔ خود ہی کھانا پکاتے ہیں۔ خود ہی کپڑے دھوتے ہیں اور جو لوگ وہاں آکر بطور مہمان رہتے ہیں۔ ان سے بھی یہی توقع رکھی جاتی ہے۔ کہ روزمرہ کے کام میں شرکت کرکے حلال کی روٹی کھائیں۔

گاندھی جی نے وہاں بہت خوشی سے وقت گذارا۔ کیونکہ وہاں انہیں اس زندگی کا تھوڑا بہت لطف میسر تھا جس کے بسر کرنے کا وہ عہد کرچکے ہیں۔

لندن میں کانگریس کے یورپین ہمدرد

گاندھی جی کے دوران قیام لندن میں درجنوں معزز اور معروف لوگ ان سے ملاقات کرنے ان کی قیام گاہ پر آئے اور بہت سے حضرات نے ملاقات کے لئے انہیں اپنے ہاں مدعو کیا۔ گاندھی جی گول میز کانفرنس سے اول ہی سے ناامید سے تھے۔ لیکن کانفرنس کے باہر انہوں نے جو تقریریں کیں اور نجی ملاقاتوں میں لوگوں کے سامنے ہندوستان کے جو حالات رکھے اور کانگریس کے مطالبہ کو دوہرایا۔ اس سے کانگریس کے کام کو بڑی تقویت پہنچی۔ لوگوں میں ہندوستان کے مطالبہ سے ہمدردی ہوگئی۔ اور ان کے رویہ میں مہربانی کا رنگ

جھلکنے لگا۔

چارلی چپلن کی ہمدردی

ایک روز دنیا کے مشہور مسخرے چارلی چپلین نے گاندھی جی سے ملنے کی درخواست کی۔ سالہا سال سے گاندھی جی کو اپنے سے غیر متعلق معاملات کو سننے دیکھنے یا پڑھنے کا موقع نہیں ملتا۔ اس لئے وہ اس شہرۂ آفاق آرٹسٹ کا نام سنکر بولے یہ کون بزرگ ہیں۔ جب انہیں یہ بتایا گیا کہ مسٹر چارلی اپنی زندگی کا زیادہ وقت غریبوں کی خدمت میں بسر کرتے ہیں اور انہوں نے دنیا بھر کے لاکھوں کروڑوں لوگوں کو ہنسایا ہے۔ تو گاندھی جی ان سے ایک دوست کے مکان پر ملاقات کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ مسٹر چارلی کو دنیا نے مسخرے کی حیثیت سے دیکھا ہے۔ لیکن وہ بجید ملنسار اور بہت منکسر المزاج آدمی ثابت ہوئے۔ فلم میں جو بات نظر آتی ہے۔ اس کی کوئی جھلک ان میں نہیں دکھائی دیتی۔ گاندھی جی ان سے ناواقف تھے۔ لیکن مسٹر چارلی گاندھی جی سے اور ان کے چرخے سے واقف نکلے۔ انہوں نے سب سے پہلا سوال یہ پوچھا کہ آپ مشینوں کی مخالفت کیوں کرتے ہیں۔ گاندھی جی نے انہیں بتایا کہ ہندوستان کے سارے کسان سال میں چھ مہینے بیکار رہتے ہیں۔ اس لئے ہم یہ کوشش کیوں نہ کریں کہ وہ پرانی صنعت پھر ان کے ہاتھ میں آجائے جو ان کے ہاتھ سے نکل گئی ہے۔ مسٹر چارلی کا دوسرا سوال یہ تھا کہ خصوصیت کے ساتھ کپڑے پر ہی یہ پابندی کیوں ہے۔ گاندھی جی نے انہیں بتایا کہ کھانے اور پہننے کے سلسلہ میں کسی قوم کو دوسری قوم کا محتاج نہ ہونا چاہیئے انگلستان جو بڑی تعداد میں کپڑا بناتا ہے اپنے مال کی کھپت سے اب کوئی اور

مارکیٹ تلاش کرے۔ ہم اسے ایک قسم کی لوٹ سمجھتے ہیں۔ ایسی صورت میں کہ لنکا شائر انگلستان دنیا بھر کے لئے خطرناک ہے۔ اگر ہندوستان بھی مشینوں سے کام لیکر ضرورت سے زیادہ کپڑا بنانے لگے تو ظاہر ہے کہ وہ بھی دنیا بھر کے لئے ایک آفت بن جائے گا۔ مسٹر چارلی نے گاندھی جی سے ایک اور سوال دریافت کیا کہ اگر ہندوستان بھی روس کی طرح آزاد ہو جائے اور وہاں کے بے روزگاروں کے لئے دوسرے کام مہیا ہو جائیں اور اسی کے ساتھ دولت کی منصفانہ تقسیم کا انتظام بھی ہو جائے تو کیا آپ مشینوں سے کام لینے کی اجازت دیدیں گے۔ تاکہ مزدوروں کے کام کے گھنٹے کم ہو جائیں اور پھر انہیں زیادہ فرصت ملے گاندھی جی نے کہا بیشک اس صورت میں مشینیں نقصان رساں ثابت نہیں ہو سکتیں

مسٹر چارلی نے ہندوستان سے اپنی ہمدردی کا اظہار کیا اور وہ بالکل ہی بے تعصب ثابت ہوئے۔

دوسری گول میز کانفرنس

اس گول میز کانفرنس ۱۹۳۱ء کے اراکین حکومت کے نامزد کئے ہوئے تھے۔ ان میں راجہ تھے، مہاراجہ تھے، لاٹ تھے، اور اسی طرح حکومت کے چہیتوں کی بھر مار تھی۔ اس کے برعکس حریت پسندوں اور قوم پروروں کی تعداد صفر کے برابر تھی۔ اس لئے فرقہ وارانہ مسئلہ کا رنگ وہاں خوب جما اور اچھی طرح چمکا۔ اصل معاملات میں حکومت برابر ٹال مٹول سے کام لیتی رہی اور ہندوستانی اراکین کانفرنس بدقسمتی سے برطانوی سامراج کے ہاتھوں میں کھیلتے رہے۔

یہ استثنائے چند سب کو اپنی اپنی پڑی ہوئی تھی۔ اور اپنے لئے خدمتیں حاصل کرنے کے واسطے ایڑی چوٹی کا زور لگایا جا رہا تھا۔ مسلمان کچھ کہتے تھے۔

ہندو کچھ اور چاہتے تھے۔ اسی طرح سکھوں کی خواہش کچھ تھی اینگلو انڈین کچھ اور بولتے تھے۔ یورپینوں کا مطالبہ کچھ اور تھا تو پست اقوام کا نعرہ اس سے متضاد ہوتا تھا۔ خدمتیں اور نشستیں حاصل کرنے کے فکر میں آزادی یا اختیارات کی منتقلی کا ذکر کم آتا تھا۔ اور اگر اتفاقاً کوئی اہم معاملہ زیر بحث آ بھی جاتا تھا تو حکومت کسی طرح بھی اپنے آپ کو پابند نہ ہونے دیتی تھی اس کی طرف سے وعدہ کیا جاتا تھا کہ وہ مزید غور و فکر کے بعد کچھ بولیگی۔ حکومت کے خود اپنے جمع کردہ اس جمگھٹ میں جہاں منصب داری، سامراجی، مالیاتی، صنعتی، اور فرقہ واری کی کافی نمایندگی تھی۔ فضول اور بیکار معاملات پر طول طویل بحثیں کرنی اور حقیقی معاملات کو جان بوجھ کر پس پشت ڈال دینے کے سوا اور ہوتا بھی کیا۔

قوم پرور حلقوں میں کانفرنس کی کامیابی کا یقین تو کبھی ہوا ہی نہیں تھا۔ لیکن آپس کی فرقہ وارانہ سر پھٹول دیکھکر افسوس ضرور ہوا کہ حکام ہمیں یوں برت سکتے ہیں۔ اور ایک سے دوسرے کو اتنی آسانی سے زک دلوا سکتے ہیں۔

گاندھی جی یا چند اور قوم پرور جو وہاں جمع تھے حیرت انگیز صبر کے ساتھ کام کرتے رہے۔ لیکن جہاں سیاسی ترقی کے دشمن راہ میں حائل ہوں اور جہاں ہر معاملہ میں فرقہ وارانہ مسئلہ کو آڑ بنایا جا رہا ہو وہاں حریت پسندی کا بیج مشکل ہی سے بویا جا سکتا تھا۔ پھر اس کے علاوہ ضابطہ کی کارروائی چونکہ حکومت کے خود اپنے ہاتھ میں تھی۔ اور اس نے فرقہ وارانہ مسئلہ کو وہاں کا اہم ترین مسئلہ بنا دیا تھا۔ اسلئے یہ بالکل ہی ناممکن ہوگیا کہ وہ لوگ جن میں کا ہر فرد اپنی ذات کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچانا چاہتا

تھا کسی مسئلہ پر متفق ہو جائے

سیاسی دستور کی وضاحت

گاندھی جی نے سیاسی اصطلاحات کے معاملات میں گول میز کانفرنس کے اندر اور اس کے باہر نجی طور پر جو تقریریں کیں وہ ہندوستانیوں کے حقیقی خیالات و جذبات کا مظہر تھیں۔

ہندوستان اپنے لیئے کیسا سیاسی دستور چاہتا ہے۔ اس کی وضاحت کرتے ہوئے انہوں نے کانفرنس کو بتایا کہ "ہمیں محض سیاسی دستور نہیں چاہیئے۔ اس دستور سے کانگریس ہرگز مطمئن نہوگی جو پڑھنے میں تو ایسا معلوم ہوتا ہو کہ ہندوستان کو منہ مانگے سیاسی حقوق دیتا ہے۔ لیکن حقیقت میں کچھ بھی نہ دے ہمیں کامل آزادی چاہیئے۔ اور وہ ہم لیکر رہیں گے"۔

حکومت کی نامزد کمیٹی

حکومت کی طرف سے گول میز کانفرنس نامزدہ ممبروں سے پُر کی گئی تھی۔ قوم کی آواز کو اس میں دخل نہ تھا۔ بیکار بحث و مباحثہ میں وقت ضائع کیا جا رہا تھا۔ اور کام کی بات شروع ہونے ہی میں نہ آتی تھی۔ یہ رنگ دیکھکر گاندھی جی کی بے چینی بڑھی۔ کانفرنس کے اندر دستور وفاقی کی کمیٹی میں جب دوسری بار تقریر کرنے کا وقت آیا تو گاندھی جی نے بڑے پس و پیش کے بعد شرکت کی اور اپنی تقریر میں حکومت کو صاف طور پر بتایا کہ پہلی بات جو میرے دل میں کھٹک رہی ہے یہ ہے کہ ہم لوگ جس قوم کی نمائندگی کے لئے آئے ہیں اس کے منتخب کیئے ہوئے نہیں ہیں۔ بلکہ ہمیں حکومت نے چنا ہے

مختلف فرقوں اور جماعتوں میں سے بعض اہم لوگ جو ہونے چاہیئے تھے یہاں نہیں ہیں۔ دوسری بات جو تکلیف دہ ہے۔ وہ یہ ہے کہ کمیٹی کے سامنے جو فروعی مسائل پیش ہیں وہ ان ہی میں الجھی ہوئی بال کی کھال نکالا کرے گی اور کمیٹی کی کارروائی ختم ہونے میں نہ آئے گی۔"

ملک معظم کے مشیروں کے خلاف شکایت

گاندھی جی نے ملک معظم کے مشیروں کی بھی شکایت کی کہ ہمیں سات سمندر پار سے بلایا ہم اپنے ضروری کام چھوڑ کر آئے اور کمیٹی کے توسط سے مشیروں سے درخواست بھی کی کہ ہمیں اپنے خیالات سے آگاہ کریں اور معینہ تجاویز ہمارے سامنے رکھکر ہم سے رائے لیں اور اگر کمیٹی کو دارالمباحثہ بنالیا گیا اور ہر ممبر دھواں دھار تقریروں میں وقت صرف کرتا رہا تو جس مقصد کے لئے ہم سب جمع ہوئے ہیں۔ وہ پورا نہ ہوسکے گا۔

نامزدگی کی مخالفت

مجلس واضع قوانین کے ممبروں کے متعلق جب اس سوال پر بحث ہوئی کہ نامزد ممبر ہوں یا نہوں تو گاندھی جی نے کانفرنس کو بتایا کہ کانگریس نامزدگی کی مخالف ہے۔ البتہ ضرورت کے وقت ماہرین فن یا وہ لوگ جن سے مشورہ لیا جانا ضروری ہو بُلا لئے جائیں وہ آکر مشورہ دیں اور چلے جائیں۔ عوام کی کونسل میں صرف جمہور کے نمائندے ہی حصہ لے سکتے ہیں۔ کانگریس کسی ایسے نظام کی تائید نہیں کرسکتی جسمیں نامزدگی کا اصول باقی رکھا جائے

فرقہ وارانہ مسئلہ کا حل

بنیادی مسائل کی بجائے وہاں فروعی مسائل میں جب حد سے زیادہ وقت خراب ہونے لگا تو گاندھی جی نے کہا کہ پہلے دستور اساسی کے بنیادی مسائل جلد از جلد طے کرنے چاہئیں۔ اور اگر دستوری مسائل کو حل کرنے سے پہلے فرقہ وارانہ مسئلہ کا حل لازمی قرار دیا گیا تو در حقیقت یہ کانفرنس کی کارروائی میں رکاوٹ کا مترادف ہوگا۔ کیونکہ اس طرح فرقہ وارانہ مسئلہ کو خواہ مخواہ اہمیت حاصل ہو جائے گی۔ اور ہر فرقہ اپنے مطالبات کو دل کھول کر بڑھانے کی کوشش کرے گا۔ اس لئے میں سب سے پہلے یہ پوچھنا چاہتا ہوں۔ کہ آپ ہمیں کیا دے رہے ہیں کوئی چیز تو ایسی ہو جو دیکھنے والے کو نظر آئے پھر میں اس رنگ برنگ مجمع میں بھی اتحاد پیدا کرنے کی کوشش کروں گا۔ اور ان سب سے کہہ سکوں گا کہ آپ بنا بنایا کھیل بگاڑ رہے ہیں اور اگر مفاہمت کی کوئی صورت پیدا ہی نہ ہو تو مجبوراً دستور میں ایک ایسی دفعہ بڑھا دی جائے جس کی رو سے ایک خاص عدالت مقرر ہو جو تمام مطالبات کی جانچ کرے اور تصفیہ طلب امور کا قطعی فیصلہ کر دے۔

ہندوستان کی پریوی کونسل

ہندوستان کی اپنی علیحدہ پریوی کونسل کے متعلق گاندھی جی نے زور دیا کہ آئندہ اہم معاملات کا فیصلہ انگلستان کی پریوی کونسل کے ہاتھ میں دینے کی بجائے، ہم اپنے ججوں کی دانشمندی اور انصاف پر پورا بھروسہ کرینگے غریب سے غریب آدمی کے لئے بھی انصاف کے دروازے کھلے ہونے چاہئیں

اس لئے ہندوستان کی علیحدہ پریوی کونسل ہوتا کہ تمام اہم معاملات میں غریبوں کی دادرسی ہو سکے۔

دیو اور بالشتیے

جب تنخواہوں کا معاملہ زیر بحث آیا تو گاندھی جی نے کہا کہ "ہم لوگ جو دولت کے لحاظ سے بالشتیے ہیں۔ برطانوی حکومت کا جو آج دیوزاد سمجھی جاتی ہے۔ کسی طرح مقابلہ نہیں کر سکتے۔ ہندوستان کی اوسط آمدنی تین آنے روز ہے۔ اسلئے اس کی یہ بساط نہیں ہو سکتی کہ وہ اتنی اونچی اونچی تنخواہیں دے سکے۔ یہ اسی وقت تک دی جا رہی ہیں جب تک برطانوی سنگینیں موجود ہیں کہ غریبوں سے دباکر محصول لیا جائے۔ اور پانچ پانچ ہزار۔ دس دس ہزار بلکہ بیس بیس ہزار روپے ماہوار تنخواہیں تقسیم کیجائیں۔

مسلمانوں اچھوتوں اور عیسائیوں کی نمائندگی کا ثبوت

گاندھی جی نے کانگریس کے اس دعویٰ کو کانفرنس میں پورے زور کے ساتھ دوہرایا کہ کانگریس حق خدمت کی بنا پر نہ صرف برطانوی ہند بلکہ پورے ہندوستان کی پچاسی فیصدی آبادی کی نمائندہ ہے۔ انہوں نے بتایا کہ پچھلے سال بھی کئی ہزار مسلمان کانگریس کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو کر جیل گئے تھے ہندوستانی جیل خانوں کے رجسٹروں سے اسکا ثبوت مل سکتا ہے۔ اسکی علاوہ آپ کانگریس کے رجسٹروں میں آج بھی ہزاروں مسلمانوں کے نام موجود پائیں گے۔ اسیطرح اسکے اندر ہزاروں اچھوتوں کے نام بھی ہیں اور بہت سے دیسی عیسائی بھی اسکے ممبر ہیں۔

قومی فوج کا مطالبہ

حفاظتی فوج اور بیرونی امور کے متعلق بھی گاندھی جی نے کانگریس کے خیالات کی صراحت کی انہوں نے بتایا کہ "جس قوم کو اپنی محافظ فوج اور امور خارجیہ پر اختیار نہو وہ آزاد قوم نہیں کہلا سکتی۔ اگر ہماری فوج کسی ایسی بیرونی قوت ہی کے ماتحت ہوں جو ہماری دوست ہو تب بھی اسکو ذمہ دارانہ حکومت ہرگز نہیں کہا جا سکتا۔ اسلئے میں فوج، حفاظت ملک اور امور خارجیہ کے کامل اختیارات کا مطالبہ کرتا ہوں اور اگر مجھے ملکی حفاظت پر اختیار نہ ملا تو میں قیامت تک ذمہ دارانہ حکومت قبول نہیں کروں گا۔"

غیر ملکی ہندوستانی فوج

برطانوی حکومت کی موجودہ فوج کی حیثیت کیا ہے۔ اسکا نقشہ گاندھی جی نے اسطرح کھینچا کہ "موجودہ فوج خواہ برطانوی ہو یا ہندوستانی ہو محض تسخیری فوج ہے۔ اس کے سپاہی خواہ گورکھے ہوں یا پٹھان ہوں، مدراسی ہوں یا راجپوت ہوں۔ سب غیر ملکی حکومت کے ماتحت ہیں۔ اسلئے ہمارے خیال میں وہ سب کے سب خود بھی غیر ملکی ہیں۔ انکو یہ سکھایا جاتا ہے کہ وہ ہمیں اپنا ہموطن نہ سمجھیں اسلئے انکے اور ہمارے درمیان ایک دیوار حائل ہے جو کبھی نہیں ہٹتی خصوصیت کے ساتھ فوج کا برطانوی حصہ محض برطانیہ کے اغراض کی حفاظت کیلئے رکھا گیا ہے اور اسکا کام یہ ہے کہ انگریزوں کے خلاف جو بغاوت ہو اسے دبایا جائے۔ میں پورے زور کے ساتھ کہتا ہوں کہ یہ فوج یا تو ہمارے اختیار میں دی جائے ورنہ ایک سرے سے موقوف کر دی جائے۔

جیل کی کوٹھڑی میں کامل آزادی

ہندوستان میں انگریزوں کو فوجداری مقدمات کے متعلق جو حقوق حاصل ہیں۔ جب انکو بدستور رکھنے پر زور دیا گیا تو گاندھی جی نے اس کی زبردست مخالفت کی اور کہا۔ "کسی کے خصوصی حقوق کی کسی طرح بھی حفاظت نہیں کیجا سکتی اور قومی حکومت ایسی پابندیوں کو ہرگز قبول نہ کرے گی۔ کیونکہ اس قسم کے تحفظات ذمہ دارانہ حکومت کو ہڑپ کر جائیں گے۔ اور یہ حکومت بعینہٖ اسی قسم کی ہوگی جیسی قیدیونکو جیل خانہ میں حاصل ہوتی ہے ۱۰ فٹ مربع یا ۳×۷ فٹ کی کوٹھڑی کے اندر بند ہونے اور جیلر کے چلے جانے پر انہیں بھی کامل آزادی ہوتی ہے۔ اسلئے ہمیں ایسی کامل آزادی نہیں چاہیئے جسمیں جیلر صاحب مزے سے اپنے تمام حقوق کا تحفظ کرلیں"

ہندوستانی قرضہ کی جانچ

مالی ذمہ داریوں کے متعلق گاندھی جی نے لارڈ ریڈنگ سے خطاب کرتے ہوئے کہا "مالی ذمہ داریونکو تمام و کمال ہندوستان کے سر منڈھنا سراسر بیجا ہے کیونکہ اس میں سے بعض قرض خواہ مخواہ ہندوستان کے ذمہ فرض کر لئے گئے ہیں انگلستان کو لازم ہے کہ وہ انہیں اپنے ذمہ لے ہم مالی ذمہ داریاں قبول کرنیسے پہلے انکی پڑتال کرانا چاہتے ہیں۔ اور ہمارا مطالبہ ہے کہ یہ جانچ بالکل غیر جانبدار طریقہ سے کیجائے

مرکزی کمزور حکومت

صوبونکی حکومتوں کو جب مرکز کے ماتحت رکھے جانے پر زور دیا گیا تو

گاندھی جی نے اسکی زبردست مخالفت کی اور کہا "صوبوں کی خودمختاری صرف اسی صورت میں ممکن ہوسکتی ہے کہ مرکز میں بھی ذمہ دارانہ حکومت ہو یا پھر مرکزی حکومت کو اتنا کمزور رکھا جائے کہ صوبے اپنی بہتری کیلئے اس سے جو چاہیں کرالیں ورنہ ہم سب نظربندوں کو رہا نہ کرسکیں گے۔ اور بنگال کے ضابطوں کو منسوخ کرنے میں بھی معذوری ہوگی۔ حالانکہ ہم حقیقی خودمختاری چاہتے ہیں مثال کے طور پر ہم بنگال کو اسیطرح آزاد دیکھنا چاہتے ہیں جسطرح نٹال ہے جو ایک چھوٹی سی نوآبادی ہی لیکن اپنی جداگانہ زندگی اور اپنی رضاکارانہ فوج رکھتی ہے

انگریزوں کو مراعات دینے سے انکار

انگریزوں اور اینگلو انڈینوں کو مخصوص مراعات دینے سے انکار کرتے ہوئے گاندھی جی نے ایک نجی جلسہ میں انگریزوں سے کہا۔ بڑے شرم کی بات ہے کہ انگریز ہندوستان کو کھوکھلا کر دینے کے باوجود اب بھی خاص رعائتیں مانگتے ہیں اس بے جا مطالبہ میں اینگلو انڈین بھی ان کے ہمنوا ہیں اور غریبوں کی مجلس وضع قوانین میں جداگانہ انتخاب طلب کر رہے ہیں آخر انہیں یہ اندیشہ کیوں ہے کہ انکی حق تلفی ہوگی۔ وہ محض اسلیئے ڈرتے ہیں کہ انہوں نے ہندوستان کی خدمت نہیں کی۔ انہیں پارسیوں سے سبق لینا چاہئے جنہوں نے ہندوستان کی خدمت کی ہے۔ لیکن پھر بھی جداگانہ انتخاب کا مطالبہ نہیں کرتے۔ دادا بھائی نوروجی کی ایک پوتی جنھوں نے انگلستان کی لڑکیوں کی طرح ہی تعلیم و تربیت پائی ہے ایک صوبہ میں ڈکٹیٹر بنائی جاچکی ہیں اسکے بعد جب وہ صوبہ کی کونسل میں ممبری کے لیئے امیدوار ہوئیں تو انہیں سب سے زیادہ ووٹ ملے اس کے بعد انہوں نے سرحد کے پٹھانوں میں چرخے کو رواج دیا اور ان کے دلوں پر

حکومت کی اینگلو انڈین اور انگریزوں کو بھی چاہیئے کہ وہ خدمت کے کھلے دروازے سے کونسلوں میں داخل ہوں۔ میں اس جرم کا ارتکاب کبھی نہیں کر سکتا کہ اپنے ملک کو جماعتوں میں تقسیم کر ڈالوں۔

اچھوتوں کے جداگانہ انتخاب سے بیزاری

اچھوتوں کی علیحدہ نمائندگی کی مخالفت کرتے ہوئے گاندھی جی نے وضاحت کی کہ دوسری اقلیتوں کے مطالبے تو سمجھ میں آسکتے ہیں لیکن اچھوتوں کی طرف سے جو دعویٰ کیا جاتا ہے وہ میرے لئے سوہان روح ہے۔ اس طرح یہ لوگ ہمیشہ کے لئے ذات باہر ہو جائیں گے۔ جداگانہ انتخاب اور مخصوص نمائندگی ان کے کلنک کے ٹیکہ کا علاج نہیں ہے میں اچھوتوں کے اہم حقوق کو ہندوستان کی آزادی کی قیمت پر بھی بیچنے کے لئے تیار نہیں ہو سکتا اور میں یہ نہیں دیکھ سکتا کہ مردم شماری کے رجسٹروں میں اچھوتوں کو ہندوؤں سے علیحدہ جماعت قرار دیا جائے۔ کیونکہ اگر ایسا ہوا تو ہندو دہرم میں ایسی تفریق پیدا ہو جائے گی جس کا خیال میرے لئے خوشگوار نہیں ہو سکتا اگر اس چیز کی مخالفت میں کوئی ایک شخص بھی میرا ساتھ نہ دے تب بھی میں اس کو رد کرتا رہوں گا خواہ اس میں میری جان ہی کیوں نہ چلی جائے۔ کیونکہ اگر انھیں علیحدہ نمائندگی کا حق دے دیا گیا تو خود ان کا اس میں بہت بڑا نقصان ہے اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلے گا کہ ہندو دھرم کے پرسے باندھکر ان کے مقابلے پر آجائیں گے اور نخواہ مخواہ جنگ برپا ہوجائے گی۔

اچھوتوں کے لئے جداگانہ انتخاب کی مخالفت کے ساتھ ساتھ گاندھی جی کا خیال یہ تھا جو انھوں نے پورے زور کے ساتھ ظاہر کیا کہ کونسلوں میں ان

کے نمائندے ان ہی میں سے ہونے چاہئیں۔ اور اگر بالفرض وہ منتخب نہ ہوسکیں تو دستور کی رو سے منتخب شدہ ممبران کا ایزدی انتخاب کرا سکتے ہیں۔

دکھاوے کا تماشہ

ایک روز جارج برنارڈ شا گاندھی جی سے ملنے آئے اور ایک گھنٹے کی اس ملاقات میں انھوں نے بہت سے مذہبی، نسلی، سیاسی، معاشی اور نہ معلوم کیسے کیسے سوال کر ڈالے اور گول میز کانفرنس کے متعلق بھی جس کے اجلاس شیطان کی آنت سے لمبے ہوتے جا رہے تھے اور نتیجہ کے لحاظ سے بیکار محض ثابت ہوتے تھے ایک عجیب سوال دریافت کیا کہ کیا گول میز کانفرنس سے آپ کی طبیعت نہیں اکتاتی؟ گاندھی جی نے افسوس کے ساتھ تسلیم کیا کہ سارا تماشہ محض دکھاوے کا ہے اور وقت ٹالا جا رہا ہے۔ میں چاہتا ہوں فیصلہ ادھر ہو یا ادھر لیکن یہ امر انگریزوں کی سیاسی فطرت سے بعید نظر آتا ہے وہ چکر دار راہ اختیار کرتے ہیں اور پیچدار باتیں پیدا کرتے ہیں۔ اس لئے صبر ایوب کی ضرورت ہے

گاندھی جی کی بے لاگ باتیں

گول میز کانفرنس کی کارروائی سے جب گاندھی جی پورے طور پر ناامید ہوگئے تو بالآخر انھیں کہنا پڑا کہ میں ہزاروں میل کا سفر کر کے بات چیت کرنے اس خیال سے آیا تھا کہ آپ کے ہم وطن لارڈ ارون نے اپنے ہنگامی ضابطوں سے غالباً ہماری اچھی طرح آزمائش کر لی ہوگی اور انھیں ثبوت مل گیا ہوگا کہ ہزار ضابطے جاری ہوں، لاکھ لاٹھیاں برسیں لیکن لاکھوں ہندوستانی

مردوں اور عورتوں کے دل میں جو جذبات کا طوفان اُمنڈ رہا ہے اور بے پناہ سیلاب آرہا ہے وہ کسی کے روکنے سے نہ رک سکے گا۔ اب میں جس بات سے ڈر رہا ہوں وہ یہ ہے کہ میں نے برطانوی قوم اور برطانوی وزراء سے اتحاد عمل کا جو باریک رشتہ قائم کیا تھا وہ ٹوٹنے والا ہے اور آپ کے سامنے مجھے پھر اعلان کرنا پڑے گا کہ میں پکا تارک موالاتی ہوں اور سول نافرمانی کا عادی ہوں چنانچہ ترک موالات اور سول نافرمانی کا یہ پیام مجھے پھر ہندوستان کے کروڑوں باشندوں کو پہنچانا پڑے گا خواہ ہندوستان کی فضا پر کتنے ہی غبارے اُڑائے جائیں اور اس کے میدانوں میں کتنے ہی ٹینک دوڑائے جائیں ان چیزوں کا ہم پر کوئی اثر نہ ہوگا۔ شاید آپ کو خبر نہ ہو کہ اب یہ چیزیں بچوں کے ننھے دلوں پر بھی اثر نہیں کر سکتیں۔ کیونکہ اب ہم ان کو یہ سکھلاتے ہیں کہ ان کے آس پاس جب گولیاں پٹاخوں کی طرح چل رہی ہوں۔ تو وہ خوشی سے اُچھلیں اور خوب کودیں۔ اور ہم اُنھیں یہ تعلیم دیتے ہیں کہ اپنے ملک کی آزادی کے لئے ہر قسم کی تکلیفیں سہیں :۔

مشن والوں کی غلطیاں

جب گاندھی جی سے اکسفورڈ کے تعلیم یافتہ ایک انگریز نے دریافت کیا کہ کیا ہندوستان کو عیسائیت سے فائدہ پہنچا ہے تو انھوں نے کہا مشن والوں نے ہندوستان کو عیسائیت سے متنفر کر دیا اور کلیسا نے ہندو اور مسلمانوں کی زندگی کے درمیان ایک دیوار حائل کر دی میں آپ کی مقدس کتابیں پڑھتا ہوں تو مجھے یہ دیوار نظر نہیں آتی لیکن جہاں میں نے کسی مشنری کو دیکھا میرے آگے یہ دیوار اٹھنی شروع ہو جاتی ہے۔ کالجوں

اور ہسپتالوں میں کام کرنے والے مستریوں کی خدمت میں بھی یہ لاگ ہوتی ہے کہ لوگ کالجوں اور ہسپتالوں کے ذریعہ عیسائی بن جائیں۔ آپ کو عیسائیت کی خوشبو ہمارے دماغ میں پہنچاتی ہے تو آپ کو گلاب کی طرح بن جانا چاہیئے کہ گلاب بے اختیار لوگوں کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔

نظام سلطنت سے پرخاش

ایک اور سوال کے جواب میں گاندھی جی نے بتایا کہ عدم تعاون کرنے والوں نے جنرل ڈائر یا انگریزوں کے متعلق کبھی یہ نہیں کہا کہ وہ بذات خاص بُرے ہیں۔ بلکہ شکایت درحقیقت اس نظام سے ہے جس کے نیچے میں وہ خود بھی گرفتار ہیں۔ اس لیئے اس نظام کو مٹانا چاہیئے کسی ذات خاص سے پرخاش غلط ہے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ اس حلقہ میں رہنے کے باوجود جہاں دلوں میں آزادی کا جوش بھرا ہوا ہے برطانوی افسروں پر کبھی آنچ نہیں آتی اور ان کا بال بھی بیکا نہیں ہوتا۔

قصر بکنگھم میں گاندھی جی کا بلاوا

قصر بکنگھم کی دعوت جس میں گاندھی جی کو ملک معظم شہنشاہ جارج پنجم اور ملکہ معظمہ کی ملاقات کے لیئے مدعو کیا گیا تھا عوام کی نظروں میں ایک اہم واقعہ تھا۔ دعوت میں شرکت سے قبل "فرینڈس" کے ایک جلسہ میں گاندھی جی نے بتایا اُس ہفتہ مجھے ایک اخلاقی مسئلہ درپیش ہے میں ملک معظم کی دعوت میں بلایا گیا ہوں۔ ہندوستان میں جو واقعات پیش آرہے ہیں اُن سے مجھے اس قدر صدمہ ہے کہ ایسی تقریبوں میں میرا دل نہیں لگتا۔ مگر مہمان

ہونے کے سبب میں پس و پیش میں ہوں مجھے فیصلہ میں جلدی نہیں کرنی چاہیئے مجھے اس مسئلہ کے قانونی پہلو سے بحث نہیں بلکہ اس کے اخلاقی پہلو کی بڑی فکر ہے۔

چنانچہ اسی اخلاقی پہلو کی بنا پر اُنھوں نے دعوت میں شرکت کا فیصلہ کیا اور لارڈ ڈجمبر لین کو ایک چھٹی لکھی جس میں دعوت کا شکریہ ادا کیا اور لکھا کہ میں اور میرے ساتھی اپنے معمولی کپڑے پہن کر دعوت میں شریک ہوں گے۔ چنانچہ جس وقت گاندھی جی قصر بکنگھم گئے وہ حسب معمول اپنا دیہی لباس پہنے ہوئے تھے۔

صلح کا خاتمہ

گول میز کانفرنس کے انعقاد کے باوجود حکومت کے اپنے بیان کے مطابق صلح کی ایک کوشش تھی۔ حکومت ہند نے نرمی کا کوئی ثبوت نہیں دیا اور صلح جویانہ رویہ اختیار نہیں کیا۔ صوبہ متحدہ کے کسانوں کی مشکلات روز بروز بڑھتی چلی جا رہی تھیں۔ اور حکومت ٹس سے مس نہیں ہوتی تھی۔ اسی طرح بنگال اور سرحد میں بھی بے چینی برابر بڑھ رہی تھی

دہلی کے معاہدہ صلح کے فوراً ہی بعد مارچ ۱۹۳۱ء میں کانگریس نے صوبہ متحدہ کے کسانوں کو مشورہ دیا کہ سول نافرمانی روک دی گئی ہے۔ اس لئے اب لگان ادا کر دینا چاہیئے۔ چونکہ عالمگیر کساد بازاری اُس وقت پورے شباب پر تھی اور تمام چیزوں کی قیمتوں میں بے حساب کمی ہو گئی تھی اس لئے پورا لگان ادا کرنا کسانوں کے لئے کسی طرح بھی ممکن نہ تھا اسلئے کسانوں کے نمائندوں نے کانگریسی رہنماؤں سے ملکر لگان میں پچاس فیصدی اور بعض مخصوص حالات میں اس سے کچھ زیادہ چھوٹ کی تجویز کی۔

مالگزاری صوبہ متحدہ کی حکومت کا خاص جز تھا اور اس میں کمی کے لئے وہ تیار نہ تھی۔ لیکن اُسے دیہاتی بے چینی کا بھی ڈر تھا اس لئے وہ کسی نہ کسی طرح کسانوں کو بھی مطمئن کرنا چاہتی تھی چنانچہ مجبور ہو کر حکومت نے چھوٹ کا اعلان کیا۔ جو چھوٹ دی گئی تھی وہ بیحد مایوس کن تھی۔ ایک غضب یہ تھا کہ وہ صرف وقتی مطالبہ کے متعلق تھی۔ کسانوں پر جو پچھلی بقایا رقم تھی یا جو قرض تھا اس کے متعلق کوئی فیصلہ نہیں کیا گیا۔ کسانوں کی حالت یہ تھی کہ اُن کے لئے وقتی مطالبہ ادا کرنا مشکل تھا۔ ایسی صورت میں پچھلی بقایا یا قرض کی رقم ادا کرنے کا انتظام کیا ہو سکتا تھا۔ زمینداروں کا ایک معمول یہ بھی تھا کہ اسامی سے وقتی لگان کے متعلق جو رقم وصول ہوتی وہ پچھلی بقایا رقم میں یا قرض میں اُسے منہا کر لیتے تھے اس لئے آسامیوں کا کہنا یہ تھا کہ وقتی لگان کے ادا کرنے کے بعد جس کا ادا کرنا ہی مشکل ہے۔ اُن مظلوم و بیکسوں پر ہر وقت مقدمہ چلایا جا سکتا ہے۔ اور انھیں بے دخل کیا جا سکتا ہے۔ اس الجھن کے باوجود بہت سے آسامیوں نے مطالبہ کا ایک حصہ ادا بھی کیا۔ لیکن حکومت کا جوشِ غضب بروئے کار آ چکا تھا۔ قانونی اور غیر قانونی شکل میں جبر کی مشین نے اپنا کام پورے زور سے شروع کیا۔ ہزاروں آسامیوں کے خلاف بے دخلی کے مقدمات چلائے گئے۔ گائے بیل اور دوسری چیزیں جن پر آسامیوں کی موت و زندگی کا دار و مدار ہوتا ہے قرق کی جانے لگیں زمینداروں کے کارکنوں نے الگ لوٹ کا بازار گرم کیا۔ اور آسامیوں کے ساتھ اُنھوں نے سخت سے سخت سلوک روا رکھا۔ کانگریس کمیٹی کا دفتر اور جواہر لال نہرو کا مکان صبح سے شام تک اُن غریب کسانوں سے گھرے رہتے تھے جو اپنی شکایتیں سنانے وہاں آتے تھے اور ان میں سے بہت سے ایسے ہوتے تھے جن کے

جموں پر چوٹ اور مار کی نشان ہوتے تھے۔ جواہر لال نہرو اور کانگریس کمیٹی عجیب اُلجھن میں مبتلا تھی کہ وہ اس کا کونسا حل نکالیں کیونکہ وہ سب مجبور محض تھے اور سوائے اس کے کہ زخمیوں کو علاج کے لئے اسپتال بھیجدیں۔ اور حکومت کو حالات سے آگاہ کردیں اور کرہی کیا سکتے تھے۔ ان کے طول وطویل خطوط کے جوابات میں حکومت سرد مہری برتتی تھی اور مختصر ترین جملوں میں اُنھیں صرف یہ جواب آتا تھا۔ کہ وہ مقامی حکام سے رجوع ہوں کانگریس کے لئے یہ بڑی مصیبت کا وقت تھا۔ پھر بھی اس کی انتہائی کوشش یہی تھی۔ کہ جس طرح بھی ہو مصیبت جھیلی جائے اور وقت کاٹا جائے وہ گاندھی جی کی آمد کی منتظر تھی اور ان کی عدم موجودگی میں کوئی اہم قدم اٹھانا نہیں چاہتی تھی۔

بارشیں شروع ہوئیں تو دُشواری اور بڑھی یہ کھیتوں کے بونے اور جوتنے کا وقت تھا۔ اور کسان یہ کسی طرح بھی برداشت نہیں کرسکتا تھا کہ ہاتھ پر ہاتھ رکھے مُنہ تکا کرے اور اس کے کھیت بنجر پڑے رہیں۔

گاندھی جی کو تمام حالات سے برابر آگاہ کیا جارہا تھا۔ خیال یہ تھا۔ کہ وہ نومبر تک واپس آجائیں گے۔ اور آئندہ قدم اُن کے مشورے سے اٹھایا جائیگا۔ جب غیر متوقع طور پر ان کے آنے میں دیر ہوئی۔ اور دیہات کے معاملات تیزی سے بڑھنے شروع ہوئے تو انھیں ایک طویل تار بھیجا گیا کہ ہمیں حکومت طرح طرح سے مجبور کررہی ہے گاندھی جی نے بھی ایسی صورت میں بے بسی کا اظہار کیا اور لکھا کہ میں لندن میں بیٹھے بیٹھے تم لوگوں کے لئے کیا کرسکتا ہوں اس لئے انھوں نے مقامی کارکنوں کو اجازت دی کہ وہ جس طرح مناسب سمجھیں آگے بڑھیں۔

اکتوبر سے چونکہ اگلی تحصیل وصول کرنے کا وقت شروع ہونے والا تھا۔

اس لئے وصولی کی شکلیں سوچنے کے لئے اور رعایتوں پر غور کرنے کے لئے حکومت نے ایک چھوٹی سی کمیٹی بنائی جس میں کسانوں کا کوئی نمائندہ نہیں لیا گیا اس میں صرف حکومت کے کچھ عہدے دار تھے یا سرکاری کونسلوں کے زمیندار تھے اس کمیٹی نے اپنی رپورٹ شائع کی تو اس میں چند مبہم اور پیچیدہ سفارشیں تھیں۔ اور چھوٹ پچھلی فصل کے مقابلے میں کچھ زیادہ تھی۔ لیکن کسانوں اور کانگریسی رہنماؤں کے نقطہ نظر سے کافی نہ تھی۔ اس کے علاوہ اس رپورٹ میں صرف آئندہ لگان کا ذکر تھا۔ پچھلی بقایا رقم یا قرض کا ذکر نہ تھا اور نہ ان کسانوں کے متعلق کوئی لفظ تھا۔ جو بیچارے بے دخل کئے جا چکے تھے۔ اور اس وقت سخت مشکل میں مبتلا تھے۔

کانگریس گاندھی جی کے آنے سے پہلے کوئی ذمہ دارانہ قدم اٹھانا نہیں چاہتی تھی۔ اس لئے اس نے پھر حکومت سے سفارش کی کہ حکومت اپنی نئی تجویزوں میں کچھ تبدیلی کر دے تاکہ کسانوں کو واقعی فائدہ پہنچ سکے لیکن حکومت کا رویہ دن بدن بدلتا جا رہا تھا۔ اس نے حسب معمول وہی ٹکا سا جواب دیا کہ مقامی عہدے داروں سے رجوع کرو۔

صوبہ متحدہ کی حکومت نے یہ غضب اور کیا کہ چھوٹ کے متعلق کسانوں میں پرچیاں تقسیم کرا دیں جس میں تحریر تھا۔ کہ اتنی چھوٹ دی گئی ہے۔ اور ساتھ ہی یہ الٹی میٹم بھی تھا کہ ایک ماہ کے مختصر ترین عرصہ میں واجب الادا رقم ادا نہ کی گئی تو وہ چھوٹ جو دی گئی ہے واپس لے لی جائے گی اور پوری رقم قانون کے ذریعہ وصول کی جائے گی۔ اس سے پہلے ہوتا یہ تھا کہ اسامیاں تھوڑا تھوڑا دو تین مہینے میں لگان ادا کرتی تھیں کمیٹی کی نئی سفارشات نے وہ آسانی بھی چھین لی۔ اس سے کسانوں میں بہت ہیجان پھیل گیا۔ اور وہ

سخت پریشان ہوئے کہ کیا کریں آخر کار کانگریس نے بہت غور وفکر کے بعد کسانوں کو مشورہ دیا کہ فی الحال اُس وقت تک لگان اور مالگزاری کی ادائیگی روک دی جائے۔ جب تک کہ حکومت سے بہتر شرطیں طے نہ ہو جائیں صوبہ کی حکومت سے نامہ و پیام شروع ہوا لیکن کوئی خاص نتیجہ نہیں نکلا فضا اس قدر مکدر ہو گئی تھی۔ کہ ہر حلقہ میں یہ یقین کیا جارہا تھا کہ صلح ٹوٹ کر رہے گی۔ اور مقابلہ ہو کر رہیگا۔ کانگریس نے اس خیال سے کہ کہیں غیر متوقع طور پر لڑائی فوراً ہی نہ چھڑ جائے بطور حفظ ماتقدم کچھ ضروری تیاریاں شروع کر دیں اور ایک قرارداد میں کسانوں کو مشورہ دیا کہ جب تک گفتگو جاری رہے اور بہتر شرطیں طے نہ پائیں اس وقت تک تمام ادائیگیاں روک دو حکومت اس قرارداد پر خوب بگڑی اور اُس نے اس تجویز کو وجہ جنگ قرار دے کر کسی قسم کا کوئی معاملہ کرنے سے انکار کر دیا۔

ہجلی کا بلوہ

صوبہ بنگال میں بھی حالت کی رفتار بحد تشویشناک تھی اسی اثناء میں ہجلی کے بلوے نے اور آگ پر تیل کا کام کیا۔ وہاں نظر بندوں کے لئے ایک خاص جیل تھا۔ کہا جاتا ہے۔ کہ وہاں نظر بندوں نے جیل کے اسٹاف پر حملہ کیا۔ اسٹاف نے گولی چلائی جس سے ایک نظر بند مارا گیا اور بہت سے زخمی ہوئے۔ فوراً ہی مقامی طور پر سرکاری تحقیقات ہوئی۔ اور حسب دستور بتایا گیا کہ اسٹاف بے قصور ہے۔ اس کو اس کے سوا کوئی چارہ ہی نہ تھا لیکن دوسرے ذرائع سے رفتہ رفتہ جو واقعات منظر عام پر آئے تو معلوم ہوا کہ مذکورہ بیان صداقت سے خالی ہے۔ چنانچہ ملک نے تفصیلی تحقیقات

کا بڑا سخت مطالبہ کیا اور حکومت بنگال کو عدالت کے اعلیٰ عہدیداروں کی ایک کمیٹی مقرر کرنی پڑی جو از اوّل تا آخر سرکاری تھی۔ اس نے شہادتیں لینے اور معاملات پر غور کرنے کے بعد تسلیم کیا کہ جیل کے اسٹاف کی غلطی زیادہ تھی۔ اور اُسے گولی نہیں چلانی چاہیئے تھی۔ غالباً یہ اپنی قسم کی پہلی رپورٹ تھی۔ جس سے معلوم ہوا کہ سرکاری رپورٹوں میں صرف وہ ہوتا ہے جو سرکار چاہتی ہے۔

حکومت پر معین الزامات

اسی اثناء میں جاٹ گام میں فساد ہو گیا۔ اور اس سے جو نتائج پیدا ہوتے انھوں نے حالات کو اور بدتر بنا دیا۔

وہاں کسی تشدد پسند نے ایک دوسرے مذہب کے پولس انسپکٹر کو گولی سے اُڑا دیا جس کے سبب ہندو مسلم فساد ہو گیا دراصل تشدد پسند کی فعل کو فرقہ داری سے کوئی واسطہ نہ تھا اس کا وہ فعل صرف پولس کے خلاف تھا لیکن قاتل اور مقتول کے مذہب جُدا جُدا تھے۔ اس لئے آسانی کے ساتھ اُسے ہندو مسلم مسئلہ بنا لیا گیا۔ اُسے کس طرح ہندو مسلم مسئلہ بنایا گیا اور یہ فساد کس طرح شروع ہوا یہ باتیں صاف نہیں ہوئیں ذمہ دار لوگوں نے حکام پر سخت ترین الزامات بھی لگائے لیکن اس وقت انھیں تریت کا گھونٹ سمجھا گیا مذکورہ فساد میں ایک یہ خصوصیت بھی عجیب تھی۔ کہ سرکاری ملازموں اور ریلوے کے اینگلو انڈین نوکروں نے اس میں بڑا حصّہ لیا۔ اور وسیع پیمانہ پر منتقمانہ کارروائیاں کیں۔ مسٹر جے۔ ایم۔ سین گپتا اور دوسرے بنگالی رہنماؤں نے جاٹ گام کے اس فساد کے متعلق معین الزامات لگائے اور پرزور مطالبہ کیا کہ ان الزامات کی تحقیقات کرائی جائے یا ہمارے خلاف

ازالہ حیثیت عرفی کا مقدمہ چلایا جائے۔ مگر حکومت نے ان تمام مطالبات بہرے کانوں سے سُنا۔

تشدد پسندوں کی جواہر لال نہرو کو دھمکی

جواہر لال نہرو کی زبردست خواہش تھی۔ کہ وہ بنگال اور سرحد کا دورہ کریں۔ اس وقت صوبہ متحدہ کے ساتھ ساتھ جن صوبجات میں طوفان کا زبردست دور دورہ تھا وہ بھی یہ دونوں صوبے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ وہاں جاکر تمام حالات بچشم خود دیکھیں چونکہ صوبہ سرحد کے متعلق حکومت پہلے ہی پابندی لگا چکی تھی کہ جواہر لال نہرو یا کوئی ممتاز کانگریسی وہاں نہ جائے اس وقت کانگریسی رہنما بھی خواہ مخواہ حکومت سے الجھنا نہیں چاہتے تھے۔ اس لئے سرحد کا پروگرام اُنھیں ترک کرنا پڑا۔ البتہ نومبر ۱۹۳۱ء میں وہ چند روز کے لئے کلکتہ گئے۔ اور وہاں متعدد جلسوں میں تقریریں کیں۔ اور خصوصیت کے ساتھ سیاسی تشدد پسندی پر بہت کچھ کہا اور بتایا۔ کہ اس قسم کا تشدد غلط اور بے سود ہے اور ہندوستان کی آزادی کیلئے نقصان رساں ہے انہوں نے تشدد پسندوں پر لعن طعن نہیں کی اور نہ ان پر نامردی اور بزدلی کا الزام لگایا۔ ان کا خیال ہے کہ جو عورتیں یا مرد جان ہتھیلی پر لئے پھرتے ہوں) اُنھیں بزدل کہنا خود بزدلی ہے۔

کلکتہ سے روانگی کے دن ریلوے اسٹیشن پر روانہ ہونے کے وقت شام کو دو جوان لڑکے جن کی عمریں تقریباً بیس بیس سال ہونگی ان سے ملاقات کے لئے آئے وہ جواہر لال نہرو سے بہت خفا تھے کہ اُنھوں نے سیاسی تشدد کی خلاف کیوں تلقین کی اُنھوں نے کہا کہ آپ کی تقریروں سے نوجوانوں پر بہت بُرا اثر پڑا ہے۔ اور نوجوان اس قسم کی مداخلت کو کسی طرح برداشت نہیں کر سکتے

روانگی کا وقت قریب تھا۔ اس لئے پنڈت جی ان سے کوئی مفصل گفتگو نہ کر سکے اس کے برعکس بحث کے دوران میں طرفین کا لہجہ سخت ہو گیا۔ اور جب جواہر لال نہرو ان سے رخصت ہونے لگے تو لڑکوں نے تنبیہ کی کہ آئندہ اس قسم کی باتوں سے احتیاط برتئے۔ ورنہ آپکے ساتھ بھی وہی کیا جائیگا جو اوروں کے ساتھ ہو رہا ہے۔

کلکتہ سے روانہ ہونے کے بعد ریل میں پنڈت جی کو بہت دیر تک ان لڑکوں کا خیال رہا۔ اور انھیں افسوس ہوا کہ عجلت کے باعث وہ اُن لڑکوں سے اچھی طرح بات چیت نہ کر سکے بہت ممکن تھا کہ وہ اپنے خیالات بدل لیتے اور صحیح راستہ اختیار کر لیتے

حکومت کا وار

ہندوستانی سیواؤں والے ڈاکٹر این۔ ایس ہرڈیکر نے جواہر لال نہرو کو دہلی میں مدعو کیا تھا۔ کہ وہ وہاں آکر دل کی مختلف تقریبوں میں شامل ہوں اس کے علاوہ کملا نہرو پھر بیمار پڑ گئیں تھیں اور بمبئی میں ان کے علاج کا انتظام کیا گیا تھا۔ اس لئے دسمبر کے مہینے میں جواہر لال نہرو۔ کملا نہرو کو ہمراہ لیکر بمبئی گئے

وہ جیسے ہی بمبئی پہنچے اطلاع ملی کہ حکومت نے گاندھی جی کے آنے سے پہلے ہی وار کر دیا حکومت ہند نے صوبہ متحدہ کے لئے ایک آرڈیننس جاری کیا تھا اور غرض یہ ظاہر کی گئی تھی کہ دیہاتی شورش کو دبایا جائے لیکن اس کی تفصیلات میں ایسی ایسی چیزیں پیدا کر دی گئی تھیں کہ ہر قسم کے سیاسی کاموں کو روکا جاسکے

جواہر لال نہرو چاہتے تھے کہ دہلی جانے کی بجائے وہ الہ آباد واپس جائیں تاکہ آزمائش میں اپنے ساتھیوں کے دوش بدوش رہ سکیں لیکن پھر یہی فیصلہ کیا گیا کہ طے شدہ پروگرام پر عمل کیا جائے۔ چنانچہ وہ دہلی گئے اور ڈاکٹر این ایس

ہرڈیکر کے ہمراہ کرناٹک کا مختصر دورہ کر کے وہاں متعدد تقریریں کیں جو کافی تیز و تند تھیں

مجسٹریٹ کے نام دلچسپ خط

کرناٹک کے دورہ سے واپس آکر جواہرلال نہرو پھر بمبئی گئے۔ گاندھی جی کی واپسی کے متعلق خبر تھی کہ وہ ایک ہفتہ میں بمبئی پہنچ جائیں گے۔ اس لئے سیاسی رہنماؤں کا مشورہ تھا کہ جواہرلال نہرو ان کی واپسی تک بمبئی میں قیام کریں ہی اثناء میں الہ آباد سے پرشوتم داس ٹنڈن اور بعض دوسرے ممتاز کارکنوں کی گرفتاری کی خبر آئی اس لیے پنڈت جی جلد از جلد الہ آباد پہنچنا چاہتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ اگر چھ روز تک اور آزاد رہا تو بمبئی واپس آکر گاندھی جی سے مل لوں گا الہ آباد پہنچنے سے پہلے ہی ان پر چیوکی کے اسٹیشن پر نئے آرڈیننس کے ماتحت ایک حکم کی تعمیل کی گئی۔ اس حکم کی رو سے اُنھیں الہ آباد میونسپلٹی کی حدود میں نظر بند کر دیا گیا تھا اور ہدایت کی گئی تھی کہ وہ نہ کسی عام جلسہ میں تقریر کریں اور نہ کسی جلسہ میں شریک ہوں۔ اور نہ کسی اخبار یا اشتہار میں کچھ لکھیں۔

جب وہ الہ آباد اسٹیشن پر پہنچے تو دوبارہ پھر اسی حکم کی تعمیل کی کوشش کی گئی۔ اور گھر پہنچنے پر تیسری بار پھر اس کا اعادہ کیا۔ یہ سب کچھ بار بار شاید اس لئے کیا گیا ہو گا کہ جواہرلال کو حکم یاد رہے اور وہ کہیں اُسے بھول نہ جائیں۔

تصدق احمد خاں شروانی پر بھی جو صوبہ کانگریس کمیٹی کے صدر تھے اور اس عہدے کے سبب صوبہ کی ورکنگ کمیٹی اور دیہی کمیٹی کے بھی صدر تھے۔ اسی حکم کی تعمیل کی گئی نیز بعض اور سرکردہ کارکنوں کے لئے بھی یہی حکم نافذ کیا گیا تھا

دوسرے روز جواہرلال نہرو نے ضلع کے اس مجسٹریٹ کے نام جس نے یہ حکم جاری کیا تھا ایک خط لکھا جس میں ان کے بھیجے ہوئے حکم کی رسید دی اور

انھیں بتایا کہ انھیں مجسٹریٹ سے یہ شورہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے کہ وہ کیا کریں اور کیا نہ کریں۔ نیز انھوں نے مجسٹریٹ کو یہ بھی لکھا کہ وہ اپنے طریقہ کار کو تبدیل نہیں کریں گے۔ اور جلد از جلد بمبئی جائیں گے تاکہ گاندھی جی سے مل سکیں اور بمبئی میں ہونیوالے مجلس عاملہ کے اجلاس میں بھی شرکت کرسکیں جسکے وہ سکریٹری تھے

حکومت کے تہوار کا تحفہ

جواہر لال نہرو نے الہ آباد سے بمبئی روانہ ہونے کے لئے ۲۶ دسمبر مقرر کرلی تھی۔ اس موقع پر مجلس عاملہ نے تصدق احمد خاں شروانی کو بھی خاص طور پر بمبئی میں مدعو کیا تھا تاکہ ان سے صوبہ متحدہ کے حالات کے متعلق مشورہ کیا جاسکے۔

مذکورہ دونوں رہنماؤں کو حکم دیا جاچکا تھا کہ وہ الہ آباد سے باہر نکلیں اور یہ وہ آرڈیننس تھا جس کے متعلق کہا جاتا تھا کہ دیہات میں ادائیگی ٹیکس کی مخالفت کو روکنے کے لئے جاری کیا گیا ہے اس لئے حکومت اگر دیہات کی طرف رخ کرنے والے سیاسی لوگوں کو ان کی منزل مقصود تک نہ جانے دیتی تو یہ بات سمجھ میں آسکتی تھی لیکن بمبئی کا راستہ روکنا جہاں اس شورش کے جا پہنچنے کا کوئی امکان نہ تھا قطعی لغو تھا بلکہ حکومت کو تو اطمینان کا سانس لینا چاہیے تھا۔ کہ صوبہ سے سیاسی رہنما دور دراز جگہ جا رہے ہیں۔

۲۶ دسمبر کی صبح کو جب جواہر لال نہرو اور تصدق احمد خاں شروانی بمبئی میل میں سوار ہوئے تو صبح کے اخبارات سے معلوم ہوا کہ صوبہ سرحد میں بھی ایک نیا آرڈیننس جاری کردیا گیا ہے۔ اور خان عبدالغفار خاں اور ڈاکٹر خانصاحب گرفتار کر لئے گئے ہیں۔

الہ آباد اسٹیشن سے میل روانہ ہوا لیکن درمیان میں ایک چھوٹے سے اسٹیشن الادت گنج پر جہاں میل نہیں ٹھیرا کرتا تھا اسے روک لیا گیا۔ جیل خانے کی گاڑی

لائن کے قریب ہی کھڑی تھی۔ جواہر لال نہرو اور تصدق احمد خاں شیروانی کو حکومت نے اپنے تہوار کا یہ تحفہ دیا کہ انھیں گرفتار کرکے اور قیدیوں کی بند گاڑی میں سوار کرکے نینی جیل بھیج دیا۔

لندن سے گاندھی جی کی واپسی

گول میز کانفرنس کی مصروفیتوں سے فارغ ہو کر گاندھی جی ۲۸۔ دسمبر ۱۹۳۱ء کو بمبئی پہنچے۔ بنگال کے تعزیری قوانین کے نفاذ کا علم انھیں لندن میں ہو چکا تھا اور انھیں سخت تشویش تھی لیکن ہندوستان پہنچکر انھیں معلوم ہوا کہ حکومت نے صوبہ متحدہ اور صوبہ سرحد کے تعزیری قوانین کی شکل میں بڑے دن کے چند تحفے انکے لیے اور تیار کر رکھے ہیں علاوہ ازیں سرحد اور صوبہ متحدہ میں گاندھی جی کے بہت سے رفقاء گرفتار کر لیے گئے تھے۔ اور معاملہ حد سے زیادہ خراب ہو چکا تھا اور صلح کی تمام اُمیدیں پاش پاش ہو گئی تھیں۔

گاندھی جی کی گرفتاری

حالات کے بیحد ناسازگار ہونیکے باوجود گاندھی جی نے معاملہ کو سُلجھانے کی ایک آخری کوشش کی اور لارڈ ولنگڈن کے پاس ملاقات کی درخواست بھیجی وائسرائے نے ملاقات کو چند شرائط پر مشروط کرنا چاہا۔ ان میں سے چند شرطیں شاید یہ تھیں کہ ملاقات میں بنگال، سرحد اور صوبہ متحدہ کی نئی صورت حالات، تعزیری قوانین اور تازہ ترین گرفتاریوں کا ذکر نہ آئے لیکن ممنوعہ مسائل کو چھوڑ کر گاندھی جی کے لیے اور کونسا موضوع باقی رہ جاتا تھا جس کے لیے ملاقات کی جاتی۔

حکومت کے رویے سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ صلح کو قایم رکھنے کیلئے تیار نہیں ہے اسلیئے ورکنگ کمیٹی کے لیئے اسکے سوا چارہ نہ تھا کہ سول نافرمانی پھر شروع کر دے۔

اس کے ممبروں کی گرفتاری کا ہر وقت خدشہ تھا اس لیئے یہ انتہائی ضروری معلوم ہو کہ گرفتاری سے پہلے قوم کے سامنے صحیح راہِ عمل پیش کر دی جائے اس کے باوجود سول نافرمانی کی قرار داد محض عارضی طور پر منظور کی گئی اور گاندھی جی نے حالات کو ساز گار بنانے کے لئے وائسرائے کو دوسرا تار دیا۔ کہ میں غیر مشروط ملاقات کا خواہشمند ہوں مجھے ملاقات کا موقعہ دیا جائے اس کے جواب میں حکومت نے گاندھی جی اور کانگریس کے صدر ولبھ بھائی پٹیل کو گرفتار کر لیا اور تشدد کی مشین ہندوستان بھر میں پورے زور سے کام کرنے لگی۔

حکومت کا حملہ

۴ جنوری ۱۹۳۲ء کی صبح کو سویرے ہی گاندھی جی اور کانگریس کے صدر کو گرفتار کر لیا گیا۔ پھر انھیں شاہی قیدی کی حیثیت سے بغیر عدالتی کارروائی کے نظر بند کر دیا گیا چار نئے تعزیری قانون نافذ کئے گئے جن کی رو سے مجسٹریٹوں اور پولس کے افسروں کو بے انتہا اختیارات دیدیئے گئے حکام اپنی مرضی سے افراد کو قید کر سکتے تھے اور اُن کی املاک کو منبط کر سکتے تھے۔ کانگریس خلاف قانون جماعت قرار دیدی گئی۔ اور وہ تمام ادارے بھی خلاف قانون قرار دیدیئے گئے جو کانگریس سے کسی قسم کا تعلق رکھتے تھے۔ کسان سبھائیں، کاشتکاروں کی انجمنیں، نوجوانوں کی کمیٹیاں، طلبا رنے ایسوسی ایشن، انتہا پسند سیاسی ادارے، قومی مدرسے اور یونیورسٹیاں، قومی اسپتال، سودیشی ادارے، اور کتب خانے سب اسی دار سے گھائل کر دیئے گئے

حکومت نے اسی پر بس نہیں کیا بلکہ اس نے چاروں طرف سے حملہ شروع

کردیا۔ تمام ملک بھر کے لیئے جو قانون نافذ کیئے گئے تھے انکے ساتھ ساتھ علیحدہ علیحدہ صوبوں کے لیئے بھی عجیب عجیب تعزیری ضابطے نافذ کیئے گئے عمارتیں، جائیداد، موٹریں اور بنک کی رقمیں ضبط کرلی گئیں۔ جلسوں اور جلوسوں کی ممانعت کردی گئی اخبارات اور مطبعوں کو اچھی طرح جکڑ دیا گیا۔ اور ہندوستان بھر کی بے شمار عمارتوں پر قبضہ کرلیا گیا۔ سوراج بھون بھی جس میں کانگریس کا اسپتال قائم کیا تھا۔ ضبط ہوا اور اس کے تمام قیمتی ساز و سامان پر حکومت کا قبضہ ہوگیا۔

ہزار ہا آدمی گرفتار کرلیئے گئے اس سلسلہ میں عورتیں بھی پیش پیش تھیں۔ عورتوں کو لمبی لمبی سزائیں دے کر اور جیل خانہ میں ان کے ساتھ سختی کا برتاؤ کر کے حکومت نے اس بات کی انتہائی کوشش کی کہ ہمت ہار بیٹھیں۔ اس لیئے عورتوں کو مردوں سے زیادہ تکلیفیں جھیلنی پڑیں۔

مجسٹریٹ کی بوکھلاہٹ

اسی دن ۴ جنوری ۱۹۳۲ء کو نینی جیل میں صوبہ متحدہ کے ضابطہ اختیارات ہنگامی کے ماتحت جواہر لال نہرو اور تصدق احمد خاں شروانی کے مقدمے کی پیشی ہوئی۔

دونوں رہنماؤں کا جرم ایک تھا۔ ان دونوں کو حکم دیا گیا تھا کہ الہ آباد سے باہر نکلیں ان دونوں نے بمبئی جانے کی کوشش کر کے احکامات کی خلاف ورزی کی تھی۔ دونوں ایکساتھ گرفتار کیئے گئے تھے اور ایک ہی دفعہ کے ماتحت مجرم قرار پائے تھے لیکن دونوں کو جو سزائیں سنائی گئیں وہ ایک دوسرے سے بہت مختلف تھیں۔ تصدق احمد خاں شیروانی کو چھ مہینے کی قید با مشقت اور ڈیڑھ سو روپئے جرمانے کی سزا ملی۔ اور جواہر لال نہرو کو دو سال کی قید

بامشقت اور پانچسو روپے جرمانے کی سزا دی گئی بصورت عدم ادائگی جرمانہ جواہر لال نہرو کے لیئے مزید چھ ماہ کی سزا کا حکم تھا

دونوں سزاؤں میں شاید فرق اس لیئے ہو کہ جواہر لال نہرو نے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کو تحریری اطلاع بھیجدی تھی۔ کہ میں آپ کے حکم کو ماننے کے لیئے تیار نہیں اور بمبئی ضرور جاؤنگا اور تصدق احمد خاں شروانی اس جرم کے مرتکب نہوئے تھے لیکن ان کی روانگی کی خبر بھی کسی سے چھپی ہوئی نہ تھی اور اخباروں میں ان کے بمبئی جانے کا پروگرام شائع ہو چکا تھا۔

سزاؤں میں عجیب اختلاف دیکھ کر تصدق احمد خاں شروانی نے مجسٹریٹ سے فوراً ہی یہ دلچسپ بات پوچھی کہ مجھے جو کم سزا دی گئی ہے کیا اس میں فرقہ وارانہ تناسب کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ مجمع اس ظریفانہ سوال پر کھل کھلا کر ہنس پڑا اور مجسٹریٹ بیچارہ ٹپٹا کر رہ گیا۔

لاٹھی چارج

اسی دن ۴ جنوری کو تمام ملک میں بہت سے اہم واقعات رونما ہوئے بہت سی جگہ لاٹھی چارج ہوا۔ اور سول نافرمانی کے قیدیوں سے جیل بھر گئے۔ اور جب جیلوں میں جگہ نہ رہی۔ تو بڑے بڑے جیل کیمپ کھولنے پڑے۔

الہ آباد میں بھی ایک بہت بڑے مجمع کا پولیس اور فوج سے مقابلہ ہوا جس میں بہت سے لوگ ہلاک اور زخمی ہوئے اور بہت بڑی تعداد میں قیدی بنائے گئے۔

ڈسٹرکٹ جیل جب بھر گئے تو پھر دوسرے سنٹرل جیلوں میں بھیج دیئے گئے نینی جیل کے اس چھوٹے سے احاطہ میں جہاں جواہر لال نہرو کو رکھا گیا تھا بہت کم لوگوں کو رکھا گیا۔ بارک نمبر ۶ کی اس چھوٹی سی برادری میں صرف

نربدا پرشاد، رنجیت پنڈت اور اُن کے رشتہ دار کے بھائی موہن لال نہرو شامل کئے گئے لیکن بعد میں سیلون کے ایک بیرسٹر صاحب جو جواہر لال نہرو کے دوست تھے ان میں جا شامل ہوئے۔

کچھ دن بعد جواہر لال نہرو کی دونوں بہنوں کو بھی ایک ایک سال کی سزائیں دیدی گئیں۔ ان کی بیوی بمبئی میں بیمار پڑی ہوئی تھیں وہ سول نافرمانی میں حصہ لینے کو تڑپتی ہی رہیں لیکن بیماری نے اُنھیں اس قابل نہ ہونے دیا۔ کہ وہ میدان میں نکل سکتیں۔

عوام کو دراصل جن پر قومی تحریک منحصر تھی دبانے کے لئے حکومت کو نئے ہتھیاروں سے کام لینا پڑا ان کے پاس نہ موٹریں تھیں نہ بینکوں میں رقم تھی اور نہ کوئی اور املاک تھی جس پر قبضہ کیا جا سکتا اور جیل خانے بھی خوب بھر چکے تھے۔ اس لئے بہت سے لوگ مار پیٹ کر چھوڑ دیئے جاتے تھے۔ یہ ایک ایسی سزا تھی جس کا بار بار اعادہ کیا جا سکتا تھا۔

قومی رہنماؤں کی گرفتاری کے بعد صوبہ متحدہ میں حکومت کی طرف سے چھوٹ کا اعلان کیا گیا۔ اگر وہ اعلان اس سے پہلے کر دیا جاتا تو حالات شاید اس قدر خراب نہ ہونے پاتے۔ حکومت کا مقصد یہ تھا۔ کہ اس چھوٹ کا سہرا کہیں کانگریس کے سر نہ بندھ جائے۔ حالانکہ یہ ظاہر بات ہے کہ کسانوں کو اس چھوٹ کی صورت میں جو کچھ ملا۔ وہ کانگریس ہی کی کوششوں کا نتیجہ تھا۔ چنانچہ جہاں کہیں کانگریسی تحریک کا سب سے زیادہ زور پڑا تھا وہیں سب سے زیادہ چھوٹ ملی۔

چھوٹ اگر معقول تھی اور اس سے کسانوں کو کچھ سہولت ضرور ہو گئی۔ لیکن اس سے کسانوں کی مشکلات کا حل نہ ہوا۔ اس کے علاوہ صوبہ متحدہ کے بعض بعض اضلاع کے کسانوں نے سول نافرمانی میں پُرجوش حصہ لیا۔ چنانچہ مار پیٹ کی

سوغات کے ساتھ ساتھ لاتعداد بے دخلیاں اور قرقیاں کی گئیں اور املاک و مویشی بھی بکثرت نیلام کئے گئے کسان یہ دیکھکر تڑپ تڑپ جاتے تھے کہ ان کے پاس جو معمولی سا اساسہ ہے وہ بھی ان سے چھینا جا رہا ہے اور ان کی نگاہوں کے سامنے مفت برابر لٹایا جا رہا ہے۔

حکومت کے ہز مائسٹر وائس ریکارڈ

حکومت نے سراسر پیش قدمی کی تھی اور کانگریس آخر تک مدافعت کرتی رہی پھر بھی شروع ۱۹۳۲ء میں حکومت اس کا پروپیگنڈا کرتی رہی کہ حکومت بڑی نیک اور امن پسند ہے۔ اور ہم جمہوریت کے حامی ہیں۔ اور کانگریس پر الزام لگاتی رہی کہ وہ فسادات کی ذمہ دار ہے۔ سخت جھگڑالو ہے اور ڈکٹیٹری کی حامی ہے کانپور کے فساد کا الزام بھی کانگریس کے سر تھوپا گیا اور خوفناک فساد کی تباہ کاریوں کو بیان کر کے بار بار یہ کہا گیا۔ کہ کانگریس اس کی ذمہ دار ہے۔

ہندوستان میں انگریزوں کے جو اخبارات ہیں وہ حکومت ہند کی آواز کو دہرانا فرض منصبی سمجھتے ہیں۔ اُنھوں نے بھی اس بازاری پروپیگنڈہ میں بڑے زور شور سے حصہ لیا۔ لیکن شاید وہ وزیر ہند سر سموئیل ہور کے اس اقرار پر شرمندہ ہوں جو ۲۴ مارچ ۱۹۳۳ء کو انھوں نے دار العوام میں کیا تھا کہ "مجھے تسلیم ہے کہ ہم نے جو تعزیری قوانین نافذ کئے ہیں وہ نہایت سخت ہیں اور ہندوستانیوں کی زندگی کے تقریباً ہر شعبہ پر حاوی ہیں"

سروپ رانی نہرو پر لاٹھی چارج

قومی ہفتہ کے دوران میں جو ۶ اپریل سے ۱۳ اپریل تک منایا جاتا ہے

الہ آباد میں نہایت خوفناک حادثہ پیش آیا۔

جواہر لال نہرو کی والدہ سروپ رانی نہرو قومی ہفتہ کے جلوس میں شامل تھیں۔ پولس نے جلوس کو راستہ میں روک کر اس پر لاٹھی چارج کیا۔ جس وقت جلوس کو روکا گیا۔ اس وقت سروپ رانی نہرو کے لئے کسی نے ایک کرسی لاکر ڈالدی۔ اور وہ جلوس سے آگے سڑک پر بیٹھ گئیں جواہر لال نہرو کے سکریٹری اور دیگر چند لوگ خصوصیت کے ساتھ ان کی دیکھ بھال پر متعین تھے جب ان سب لوگوں کو پولس گرفتار کرکے لے گئی تو اس کے بعد جلوس پر حملہ ہوا اور سروپ رانی نہرو کرسی پر سے گر پڑیں اور اُن کے سر پر متواتر بیدیں لگیں جن کے صدمہ سے ان کا سر پھٹ گیا اور خون بہنے لگا اور وہ بے ہوش ہو کر سڑک پر گر پڑیں۔ کچھ دیر بعد جب جلوس اور راہ گیروں سے سڑک خالی ہو گئی تب ایک پولس افسر نے انھیں وہاں سے اٹھا کر آنند بھون پہنچایا۔ اسی رات کو الہ آباد میں یہ افواہ پھیل گئی کہ ان کا انتقال ہو گیا۔ اس خبر سے لوگوں میں ہر طرف غم و غصہ پھیل گیا۔ اور انھوں نے پولس پر حملہ کر دیا۔ پولس نے گولیاں چلائیں۔ جس کے سبب بہت سے لوگ ہلاک ہو گئے۔

جواہر لال نہرو کو جیل میں ایک ہفتہ وار اخبار ملتا تھا۔ انھوں نے جب اس حادثہ کی خبر پڑھی تو سخت ملال ہوا۔

ایک مہینے بعد جب وہ ذرا اچھی ہو گئیں تو اپنے بیٹے سے ملنے جیل گئیں۔ اسوقت بھی ان کے پٹیاں بندھی ہوتی تھیں لیکن وہ خوش تھیں اور فخر تھا کہ اپنے لڑکوں اور لڑکیوں کے مانند انھیں بھی لاٹھیاں کھانے کا موقعہ ملا لیکن ان کی صحت قائم نہ رہ سکی ضعیف العمری میں انھیں جو شدید صدمہ پہنچا تھا۔ اس نے انکے سارے نظام جسمانی کو ہلا ڈالا اور پرانی شکایات کو ابھار دیا جسکے سبب وہ ایک خطرناک صورت حالات میں مبتلا ہو گئیں۔

جیل میں جواہرلال کی بیماری

جواہرلال نہرو کو گرفتاری کے چھ ہفتہ بعد بھلی ڈسٹرکٹ جیل میں منتقل کر دیا گیا تھا. وہاں ان کی صحت خراب ہو گئی. انھیں بخار کی شکایت تھی اور حرارت رہا کرتی تھی. بعض اوقات درجہ حرارت ۹۹ ڈگری تک پہنچ جاتا تھا. ان کے سینہ میں بھی درد تھا اور ان کا وزن بھی کچھ کم ہو گیا تھا. اس کے باوجود ان کی رہائی پر کوئی توجہ نہیں دی گئی. البتہ جیل میں ان کا علاج ہوتا رہا.

کانگریس کے سالانہ اجلاس پر پابندیاں

کانگریس کے سالانہ اجلاس کا زمانہ قریب آ رہا تھا اور قوم کے بڑے بڑے لیڈر جیل خانوں میں بند تھے. اس کے باوجود اجلاس کی تیاریوں کے سلسلہ میں ہر طرف جوش و خروش پایا جاتا تھا. اس مرتبہ اجلاس کے لئے دہلی کا انتخاب ہوا تھا. حکومت کانگریس کی سول نافرمانی سے اس مرتبہ بہت زیادہ ناخوش تھی. اور اس کے رویہ سے صاف ظاہر تھا کہ وہ اجلاس پر پابندیاں لگائیگی. اخبار اسٹیٹسمین نے جو حکومت کا ذہن سمجھا جاتا تھا صاف طور پر لکھ دیا کہ کانگریس کو نہ صرف دہلی میں بلکہ ہندوستان میں کسی جگہ بھی اجلاس منعقد کرنے کی اجازت نہ دی جائے گی. آخر میں چیف کمشنر دہلی نے اسٹیٹسمین کی پیشین گوئی کی تصدیق کر دی اور کانگریس کی استقبالیہ کمیٹی کو لکھ دیا کہ اجلاس منعقد کرنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی

۲۴ اپریل اجلاس کی تاریخ مقرر تھی۔ حکومت کی ممانعت کے باوجود قومی کارکنان تیاریوں میں مصروف تھے بالآخر ۱۹ اپریل کو حکومت نے استقبالیہ کمیٹی کو خلاف قانون قرار دے دیا اور ۲۱ اپریل کو اس کے کارکن گرفتار کر لئے گئے۔

دہلی کی ناکہ بندی

باہر سے آئے ہوئے ڈیلی گیٹوں کو دہلی سے باہر ہی روک دینے کے زبردست انتظامات کئے گئے اور شہر کی سخت ناکہ بندی کر دی گئی۔ ریلوے اسٹیشن پر اور دہلی کے اطراف و جوانب پولس اور سی آئی۔ ڈی۔ کافی سے زیادہ تعداد میں تعینات کی گئی تھی۔ نتیجہ کے طور پر ریلوں یا موٹروں، لاریوں اور تانگوں میں آنے والے سینکڑوں ڈیلی گیٹ گرفتار کر لئے گئے۔ جا بجا لوگوں کی، حرکات و سکنات کی نگرانی ہونے لگی ہوٹلوں میں سے اور سڑکوں پر سے بہت سے دہلی گیٹ پکڑ لیے گئے۔ موٹر ڈرائیوروں اور موٹر کے مالکوں کو نوٹس دیدیئے گئے کہ تم میں سے جو کوئی والنٹیروں کو اپنی گاڑی میں بٹھا کر دہلی کی حدود میں لائے گا اس کا لائسنس ضبط کر لیا جائے گا۔ شہر میں آنے والی لاریوں اور دیگر سواریوں کی ذرا بھی شک ہو جانے پر اچھی طرح تلاشی لی جاتی تھی۔

سروجنی نائیڈو، چودھری افضل حق اور صدر منتخب مدن موہن مالوی جی پر جو اجلاس میں شرکت کی غرض سے دہلی آنا چاہتے تھے پابندیاں لگا دی گئیں کہ وہ دہلی کی حدود میں داخل نہ ہوں۔

سروجنی نائیڈو اور مالوی جی کی گرفتاری

سروجنی نائیڈو جنھیں بمبئی میں نظر بند کر دیا گیا تھا۔ نظر بندی کے باوجود ۲۲ اپریل کی شام کو بذریعہ فرنٹیر میل دہلی کے لیئے روانہ ہوئیں لیکن باندرے کے ریلوے اسٹیشن پر انھیں گرفتار کر لیا گیا اور ایک سال سزا دے دی گئی۔

مالوی جی بذریعہ کار دہلی روانہ ہوئے تھے۔ جب ۲۳ اپریل کی صبح کو ان کی کار جمنا کے پل میں داخل ہونے لگی تو انکی کار کو روک لیا گیا اور انھیں بمعہ موٹر ڈرائیو گرفتار کر لیا گیا۔

بیمار والنٹر کی پیشکش

حکومت کے تشدد کے سبب دہلی میں ہراس پھیلا ہوا تھا سدہا لوگ گرفتار کیئے جا رہے تھے اور سخت لاٹھی چارج ہو رہے تھے۔ اجلاس سے پہلے روز گرفتاریوں کی رفتار اور زیادہ بڑھ گئی اس روز قومی کارکنوں نے گھنٹہ گھر پر مورچہ جما دیا تھا۔ والنٹیر دل کے جتھوں پر جتھے جاتے تھے اور اپنے آپ کو گرفتار کرا دیتے تھے۔ شہر میں مکمل ہڑتال تھی۔ حکومت کی انتہائی کوشش تھی کہ دوکاندار دکانیں کھول لیں۔ خوف و ہراس کے سبب دوکاندار اس کی جرأت نہ کر سکے قومی کارکنوں میں کافی جوش و خروش تھا۔ اس روز بے خوفی اور دلیری کے بڑے بڑے عجیب واقعات دیکھنے میں آئے

ایک والنٹیر نے جو بہت گھبرایا ہوا تھا سپرنٹنڈنٹ پولس سے جا کر کہا کہ میں اپنے ساتھیوں کے ہمراہ اندھرا کانگریس کمیٹی کی جانب سے بطور ڈیلی گیٹ آیا

تھا جس وقت میرے سب ہمراہی گرفتار ہوئے میری کمر میں سخت درد تھا اس لئے اس وقت میں اپنی جگہ سے بھی نہ ہل سکا اب میں اس لئے آپ کے پاس آیا ہوں کہ میرا مقصد بھی وہی ہے جو ان کا تھا اس لئے مجھے گرفتار کر لیا جائے۔

کانگریس کی تاریخ میں بے نظیر اجلاس

سوائے ڈیلی گیٹوں کے اور کسی کو معلوم نہ تھا۔ کہ کانگریس کا اجلاس کس وقت اور کس جگہ منعقد ہوگا۔ پولس بھی کوشش کے باوجود اس راز کو معلوم نہ کر سکی اس لئے قدرتی طور پر اس کو اپنی طاقت شہر کے مختلف حصّوں میں تقسیم کرنی پڑی اور اُسے بہت محتاط اور چوکنا رہنا پڑا۔ اس کے باوجود اس کی تمام پیش بندیاں بیکار ثابت ہوئیں ۲۴ اپریل کو عین گھنٹہ گھر کے نیچے جہاں اتفاق سے چند سپاہی تعینات تھے تقریباً چار سو ڈیلی گیٹوں کے اجتماع اور عوام کے بے تعداد ہجوم کیساتھ کانگریس کا وہ شاندار ہنگامی اجلاس شروع ہوا جس کی روک تھام کے لئے حکومت ایڑی چوٹی کا زور لگا چکی تھی۔

سب سے پہلے احمد آباد کے مشہور تاجر سیٹھ رنچھوڑ داس نے جنھیں ہنگامی آرڈیننس کے ماتحت احمد آباد نہ چھوڑنے کا حکم دیا گیا تھا۔ ایک اونچے پلیٹ فارم پر کھڑے ہو کر ڈیلی گیٹوں سے معذرت کی کہ آپ کو دہلی آنے میں بڑی تکلیف اٹھانی پڑی اس قسم کے ہنگامی حالات میں کانگریس کے لئے کسی قسم کا تسلی بخش انتظام کرنا ناممکن تھا۔ اس کے بعد سنت بالیہ پنڈت کے چیرمین نے حکومت کی ہمہ گیر پالیسی کی سخت مذمت کی اور کہا کانگریس کا پروگرام ہر حالت میں جاری رہیگا۔ اسکے بعد ریزولیوشن پیش کئے گئے جن میں سول نافرمانی کی تصدیق کی گئی مذکورہ تجاویز ایک روز پہلے سبجیکٹس کمیٹی کے اجلاس میں پاس کی جا چکی تھیں اور تمام ڈیلی گیٹوں کے پاس اُن

کی کاپیاں موجود تھیں۔ تمام تجاویز فوراً اتفاق رائے سے منظور ہو گئیں۔

اس کے بعد جمعیۃ العلماء کے تیسرے ڈکٹیٹر محمد حفظ الرحمن جو کانگریس کے اس ۷، ۴۶ ویں اجلاس کی مجلس استقبالیہ کمیٹی کے ممبر تھے منظور شدہ تجاویز پر تقریر کرنے کھڑے ہوئے۔

تمام تقریروں اور تجاویز کی منظوری میں جو ہنگامی حالت میں ہنگامی ضابطہ کے لحاظ سے کی گئی تھیں بمشکل پندرہ منٹ لگے۔

اتنے مختصر عرصہ میں اجلاس کی خبر بجلی کی طرح شہر میں پھیل گئی تمام سڑکوں اور بالاخانوں پر آدمی ہی آدمی نظر آتے تھے۔

محمد حفظ الرحمن نے تقریر شروع ہی کی تھی کہ پولس کے ایک زبردست اجتماع نے جس میں گھوڑا سوار پولس، فوجی پولس اور مسلح لاریاں شامل تھیں اس اجتماع کو چاروں طرف سے آکر گھیر لیا۔ فوراً گرفتاریاں شروع ہو گئیں اندازہ ہے کہ اس روز دہلی میں آٹھ سو آدمی گرفتار کئے گئے۔

گاندھی ارون معاہدہ انگریزوں کی نظر میں

ایسٹ انڈین ایسوسی ایشن لندن کے ایک جلسہ میں مارکوئس آف زٹ لینڈ کے ایک بیان پر جو گاندھی ارون معاہدہ کے متعلق تھا سر مائیکل اوڈ وائر خوب گرم ہوئے اور انھوں نے کہا کہ وہ معاہدہ ایک شرمناک شے ہے۔ جس نے حکومت کا تختہ الٹنے والے انقلاب پسندوں کے سامنے ہتھیار ڈالدیئے ہیں۔ اور اسی کے ساتھ انھوں نے اس وقت کے وائسرائے اور وزیر ہند کو خراج تحسین پیش کیا۔ کہ وہ دونوں لارڈ ارون کی ان

خطرناک کارروائیوں کا بڑی ہمت اور خوبی سے مقابلہ کر رہے ہیں

یروداجیل میں گاندھی جی کی غذا

گاندھی جی اس وقت مئی ۱۹۴۳ء میں یروداجیل میں مقید تھے اور انکی خرابی صحت کی خبریں آرہی تھیں لیکن انھوں نے اپنے ایک دوست کو چھٹی لکھکر حسب ذیل الفاظ میں مطمئن کیا۔

بادام، سبزی، ٹماٹر اور لیموں میری غذا کے جزو ہیں اور ان سے میری طاقت بحال ہے۔ اسکے علاوہ میں دو اونس شہد پانی میں ملاکر پیتا ہوں اور اسکے ساتھ ہی چٹکی بھر کاربونیٹ آف سوڈا بھی استعمال کرتا ہوں۔ میری صحت کے متعلق تم لوگوں کو مطمئن رہنا چاہیے۔

ممبر پارلیمنٹ کو گاندھی جی سے ملنے کی ممانعت

میجر ملز لیبر ممبر پارلیمنٹ ان دنوں ہندوستان آئے ہوئے تھے۔ اس خیال سے کہ سیاسی حالات میں جمود زیادہ طول نہ پکڑے وہ گاندھی سے ملکر ان کا نظریہ معلوم کرنا چاہتے تھے تاکہ لندن جاکر لیبر پارٹی کے لیڈر مسٹر لاڈ ڈ بنسری کے روبرو ہندوستان کے تمام حالات رکھے جاسکیں بمبئی گورنمنٹ نے اس بے ضرر ملاقات کی بھی اجازت نہیں دی اور ممبر پارلیمنٹ کی درخواست نامنظور کردی گئی۔

جواہرلال کی خدمت میں ایک انگریز کا نذرانہ

بریلی جیل میں جواہرلال نہرو کی بیماری طول پکڑ رہی تھی اور وہاں ان کے ساتھی گوبند بلبھ پنتھ بھی بیمار تھے حکومت کے مقرر کردہ

ڈاکٹروں کے ایک بورڈ کی سفارش تھی کہ جواہرلال کو کسی سرد مقام پر تبدیل کر دیا جائے۔ جون ۱۹۳۲ء کے پہلے ہفتہ میں ان دونوں کو بریلی جیل سے دہرہ دون جیل میں منتقل کر دیا گیا۔

بریلی جیل سے روانگی کے وقت جب ان لوگوں کو موٹر میں بٹھایا گیا تو بریلی کے انگریز سپرنٹنڈنٹ پولس نے شرماتے ہوئے جواہرلال نہرو کو کاغذات کا ایک بنڈل پیش کیا اور کہنے لگا۔ اس میں جرمنی زبان کے کچھ رسالے ہیں میں نے سنا تھا۔ آپ جرمن زبان سیکھ رہے ہیں۔ اس لئے میں یہ آپ کو نذر کرنے لایا ہوں۔

اس انگریز کے اس جذبۂ ہمدردی سے جواہرلال نہرو بہت متاثر ہوئے

حکومت کو مظاہرہ کا خوف

ان دونوں کو بریلی سٹیشن سے ریل پر سوار کرانے کی بجائے وہاں سے پچاس میل آگے لیجا کر رات کے سناٹے میں ایک غیر معروف چھوٹے سے سٹیشن سے گاڑی میں سوار کرایا گیا تاکہ کوئی مظاہرہ نہ ہو سکے۔

حق رائے دہی کا عجیب معیار

گول میز کانفرنس کی بنائی ہوئی حق رائے دہی کی کمیٹی کی سفارش کے بموجب لوتھین کمیٹی ہندوستان بھیجی گئی تھی تاکہ اس کی سفارشات پر ہندوستان کی اصلاحات کا خاکہ تیار ہو۔ اس کے صدر مارکوئیس لوتھین تھے وہ پارلیمنٹ کے ممبران کے ساتھ ہندوستان آئے اور جون ۱۹۳۲ء میں اس کمیٹی نے اپنی رپورٹ شائع کی۔

رپورٹ میں رائے دہندگی کے لئے بلوغت کو معیار بنانے کی کمیٹی نے سخت مخالفت کی اور اسکی بجائے جائیداد اور تعلیم کو رائے دہی کا معیار بنایا۔ کمیٹی نے عورتوں اور مردوں کی نمائندگی اور خاص مفاد کے لئے بھی نشستیں مخصوص کیں اور جداگانہ نیابت کا حق تسلیم کیا۔

ہندوستان کا مطالبہ تھا کہ بلوغت کو رائے دہی کا معیار بنایا جائے کیونکہ غریب ہندوستان میں تعلیم اور جائیداد مختلف طبقوں اور جماعتوں کو یکساں طور پر حاصل نہیں ہے اگر تعلیم اور جائیداد کے معیار کو برقرار رکھا جائے تو بہت سے طبقوں اور بہت سی جماعتوں کو ان کی آبادی کے تناسب سے نمائندگی حاصل نہیں ہو سکتی تھی اس لئے صرف بلوغت ہی ایک ایسی شرط تھی جس سے مختلف افراد یا جماعتوں کے درمیان مطابقت پیدا ہو سکتی تھی لیکن کمیٹی نے جمہور کے اس مطالبہ کو رد کرنے کی ایک عجیب وجہ بیان کی اس کا خیال تھا کہ اس طرح انتظامی مشکلات بہت زیادہ بڑھ جائیں گی اور اس نے یہ بھی بتایا کہ ہندوستان میں ترقی یافتہ حکام کی تعداد اس قدر کافی نہیں ہے کہ وہ ایک وسیع پیمانہ پر انتخاب کی تسلی بخش طریقہ سے نگرانی کر سکے۔ کمیٹی کے سامنے سیلون کی زندہ مثال موجود بھی تھی لیکن سیلون کو اس نے اس لئے نظر انداز کر دیا کہ وہاں آبادی بہت کم ہے اور تعلیم بہت زیادہ ہے اس کے خیال میں ہندوستان میں اس طریقہ پر عملدرآمد کرنا بالکل ناممکن تھا

صاف ظاہر تھا کہ کمیٹی ہندوستان میں جمہوریت کا تجربہ نہایت سست رفتاری سے اور نہایت محدود پیمانہ پر کرنا چاہتی ہے اس لئے ہندوستانیوں کو کمیٹی کی سفارشات سے سخت مایوسی ہوئی۔

اچھوتوں کی جداگانہ نیابت کی مخالفت

اچھوتوں کی جداگانہ نیابت پر ہندوؤں میں زبردست مخالفت کی لہر دوڑ گئی۔ ان کے خیال میں اچھوتوں کی جداگانہ نیابت اچھوت پن کے مٹتے ہوئے امتیاز کو دائمی بنانے کا موجب تھی۔

نامکمل اصلاحات کا اعلان

۲۷ جون ۱۹۳۲ء کو وائسرائے نے ہندوستان میں اور وزیر ہند نے دارالعوام میں ان اصلاحات کا اعلان کیا جو ہندوستان کو دی جانے والی تھیں۔

اس اعلان میں بتایا گیا تھا کہ سب سے پہلے صوبہ جاتی آئین رائج کیا جائے گا اور فیڈریشن اس وقت تک قائم نہ ہو سکے گا۔ جب تک اس کے تمام اجزاء یعنی صوبے اور ریاستیں ایک رشتہ میں منسلک ہونے کے لئے تمام ضروری مراحل طے نہ کر لینگے مرکز کی ذمہ داری کا تذکرہ اس میں سرے سے ندارد تھا۔ اور دیگر اہم مسائل کو بجائے تیسری گول میز کانفرنس میں طے کرنے کے ان کے لئے ایک نئی صورت بیان کی گئی تھی کہ گول میز کانفرنس یا فیڈرل تعمیری کمیٹی جیسی بڑی بڑی انجمنوں کے اجلاس چونکہ تاخیر کا باعث ہوں گے۔ اس لئے اہم مسائل کا فوری علاج کسی ایسی دوسری صورت سے کیا جائے گا جسے مکمل تائید حاصل ہو گی۔

فرقہ دارانہ فیصلہ کے متعلق کہا گیا تھا۔ کہ اُسے اسوسم گرما میں طے کر دیا جائے گا۔

فرقہ وارانہ فیصلوں کی تکمیل کے بعد ان معاملات پر غور کرنے کے لئے جو برطانوی ہند اور ریاستوں سے متعلق تھے ایک مشاورتی کمیٹی بنائے جانے کی تجویز تھی۔

اعلان میں بتایا گیا تھا کہ مذکورہ کمیٹی کے مالی تحفظات جیسے معاملات باقی رہ جائیں گے۔ ان پر سب سے بعد میں لندن میں صرف چند ایسے ہی آدمیوں سے بے ضابطہ طور پر مشورہ کر لینا مناسب ہوگا جنہیں ان معاملات پر رائے زنی کا ذاتی تجربہ ہوگا۔

حکومت کی عہد شکنی

حکومت کی پیش کردہ اصلاحات بہت ہی ناقص اور نہایت ہی غیر مکمل تھیں۔ اس کے علاوہ حکومت نے اس اعلان میں اپنے بعض پچھلے وعدوں کو نظر انداز کر دیا تھا۔ اور اس سے بھی زیادہ عجیب و غریب بات تھی کہ اس اعلان میں حکومت اپنے کچھ وعدوں سے پورے طور پر منحرف ہو گئی تھی۔ ملک بھر میں ہر خیال اور ہر طبقہ کے لوگوں کی طرف سے اس کی شدید مذمت کی گئی۔

اصلاحات کی ترتیب کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے حکومت نے جو پروگرام گول میز کانفرنس کے ہندوستانی ممبروں کے صلاح و مشورے سے مرتب کیا۔ اس سے انحراف کرتے ہوئے کانفرنس اور کمیٹیوں کا طریقہ ترک کر دیا گیا۔

علاوہ ازیں تیسری گول میز کانفرنس کے انعقاد کو نقصان رساں کہکر اس کی جگہ ایک ایسی مشاورتی کمیٹی کو دیدی گئی تھی جو صرف اپنی ہی

نمائندہ تھی اور جسے ہندوستان کا اعتماد قطعی حاصل نہ تھا۔ پھر یہ طے کر دیا گیا تھا کہ جملہ متنازعہ امور کا فیصلہ وہی کمیٹی کرے گی۔

اہم مسائل یعنی مالی تحفظات وغیرہ کے متعلق یہ کہہ دیا گیا تھا کہ چند ہندوستانیوں سے لندن میں بے ضابطہ مشورہ کر لیا جائے گا گویا یہ اہم مسائل نہایت ہی حقیر سی باتیں تھیں جن کو طے کر لینے کے لئے چند ہندوستانیوں کو نامزد کر لیا جاتا۔ اور پھر یہ بھی ظاہر ہے کہ وہ ہندوستانی کون ہوتے یقیناً حکومت پرست اور جی حضوری، جو حکومت کی پیش کردہ ہر تجویز کی تائید ہی اپنا فرض سمجھتے ہیں۔

آرڈی نینس کی تلوار

۲۷۔ ہی جون کو جس روز کہ اصلاحات کا اعلان کیا گیا تھا۔ اور ہندوستان سے یہ خواہش کی گئی تھی کہ وہ حکومت کی اس "فیاضانہ" بخشش کو قبول کر لے سر سموئیل ہور نے دارالعوام میں اعلان کیا کہ ۴ر جنوری سال رواں کو جو آرڈی نینس جاری کئے گئے تھے ان کی میعاد ۳ر جولائی کو ختم ہو رہی ہے۔ لیکن اس تاریخ کے بعد بھی مخصوص اختیارات کی ضرورت ہو گی لہذا جو اختیارات اس تاریخ کو ختم ہو جائیں گے ان میں سے اکثر کو ایک آرڈی نینس کے ذریعہ دوبارہ جاری کر دیا جائے گا۔

ناقص اصلاحات کے ساتھ ساتھ آرڈی نینس کا تحفہ ملنے پر ہندوستان میں بجا طور پر خیال کیا گیا کہ حکومت کے ایک ہاتھ میں اصلاحات اور دوسرے ہاتھ میں تلوار ہے۔

۳۰ جون کو حکومت نے ایک ہمہ گیر آرڈی نینس جاری کر دیا۔

جس نے ان چاروں آرڈی نینسوں کی جگہ لے لی جن کی میعاد ۲ جولائی کو ختم ہو رہی تھی

یہ آرڈی نینس، ہنگامی اختیارات کے آرڈی نینس، خلاف قانون ترغیب دہی کے آرڈی نینس، خلاف قانون انجمنوں کے آرڈی نینس، اور بائیکاٹ وایذا رسانی کے آرڈی نینس پر مشتمل تھا۔

حکومت کی سیاسی عیاری

ہندوستان نے گول میز کانفرنسوں کو اپنے لئے کبھی فائدہ بخش نہیں سمجھا اس کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ ان کی ترتیب و تشکیل ہندوستانیوں کے مستند نمایندوں کے اختیار سے باہر تھی لیکن نئی صورت حال میں ہندوستانی رائے کو اتنا دخل بھی حاصل نہ تھا جتنا گول میز کانفرنس کی صورت میں ہو سکتا تھا۔ علاوہ ازیں دو اجلاسوں میں ہندوستانیوں کو شامل کر کے اور کم و بیش دو سال تک ان کے تعاون کا فائدہ اٹھا کر اب انہیں یکایک خیرباد کہہ دینا پرلے درجہ کی سیاسی عیاری تھی۔ درحقیقت حکومت یہ سمجھتی ہے کہ ہندوستان کی قسمت کا فیصلہ کرنا صرف برطانوی پارلیمنٹ کا کام ہے اور ہندوستانیوں کا کام فقط یہ ہے کہ وہ پارلیمنٹ کے فیصلوں کی غلامانہ اطاعت کریں۔

حکومت سے اعتدال پسندوں کی بے زاری

غیر ملکی اصلاحات کا اعلان اور حکومت کی عہد شکنی لبرل جیسے لوگوں کے لئے بھی جو اپنی آئین پسندی اور اعتدال پسندی میں شہرہ آفاق

ہیں باعث حیرت ثابت ہوئی اور ان کی امیدوں پر اوس پڑ گئی۔ ماڈریٹ لبرل، انڈی پینڈنٹ لیڈروں نے حکومت کی تجاویز کی مذمت کی۔

لبرل لیڈر مسٹر چنتامنی نے وزیراعظم اور وزیر ہند کو فوراً بذریعہ بحری تار اطلاع دی کہ مشاورتی کمیٹی کانفرنس کا نعم البدل نہیں ہو سکتی۔ مستند فیصلے کانفرنس ہی میں ہو سکتے ہیں۔ کانفرنس کا طریقہ ترک کرنے سے لازمی طور پر شکوک بڑھیں گے اور بے چینی کو تقویت پہنچے گی۔

سر عبدالرحیم نے زبردست اعتراضات کئے ان کا ایک خاص اعتراض یہ تھا کہ مالی تحفظات مشاورتی کمیٹی کے دائرے سے بھی نکال لئے گئے ہیں۔

سر فیروز سیٹھنا نے بیان جاری کیا کہ مالی تحفظات جیسے اہم مسائل پر صرف چند ایسے ہندوستانیوں کی بات سنی جائے گی جو انگلستان بھیجے جائیں گے۔ حکومت نے یقیناً اس طرح عہد شکنی کی ہے۔

سر پیر داور میسٹر جیکر نے بھی حکومت کو اچھی طرح جھاڑا اور کہا ہم وزیر ہند کی نئی تجاویز پر نکتہ چینی کرنے میں حق بجانب ہیں۔ گول میز کانفرنس کا اجلاس منعقد نہ کرنے کے معنی یہ ہیں کہ حکومت اپنی طے شدہ پالیسی سے انحراف کر رہی ہے اور اصرار کیا کہ تیسری گول میز کانفرنس منعقد کیجائے۔

مذکورہ بالا تاثرات ان لوگوں کے ہیں جو نہ کانگریسی ہیں نہ براہ راست عمل کے حامی ہیں بلکہ وہ اعتدال پسند ہیں۔ جن کی ساری عمر میں آئین پسندی میں گذری ہیں۔ حکومت کی عہد شکنی سے ان آئین پسندوں کا

اعتماد بھی لکھ دیا۔

سر سپرو اور مسٹر جیکار کے استعفے

اعتدال پسندوں کے بروقت انتباہ کے باوجود حکومت ٹس سے مس نہیں ہوئی۔ اور اس نے اپنے اعلان میں کسی قسم کا ردو بدل منظور نہیں کیا۔ سر سپرو اور مسٹر جیکار نے مجبور ہو کر جولائی ۱۹۳۲ء کے پہلے ہفتہ میں گول میز کانفرنس کی مشاورتی کمیٹی سے استعفے دیدے۔

سر سپرو نے استعفے کے ساتھ وائسرائے کو ایک چٹھی بھی لکھی کہ مشاورتی کمیٹی گول میز کانفرنس کی ورکنگ کمیٹی نہیں ہے بلکہ وہ ایک آزاد کمیٹی ہے۔ جس کے کام پر گول میز کانفرنس کو غور کرنے کا موقعہ نہ ملے گا۔ اس لئے کمیٹی میں میرے رہنے سہنے سے کوئی فائدہ نہیں ہے۔

اعتدال پسندوں کا حکومت سے عدم تعاون

۹ جولائی کو گول میز کانفرنس کے لبرل ڈیلی گیٹوں کی میٹنگ بمبئی میں منعقد ہوئی اور اس میں طے کیا گیا کہ حکومت کی پالیسی چونکہ اصولی طور پر تبدیل ہو گئی ہے۔ اس لئے جدید آئین مرتب کرنے کے کام میں لبرلوں کا مزید تعاون کرنا ناممکن ہے اس لئے ہم عدم تعاون کا فیصلہ کرتے ہیں لیکن اگر حکومت کانفرنس کے طریقہ کو برقرار رکھنے کے لئے تیار ہو جائے تو البتہ ہم تعاون اور حمایت کریں گے۔

جواہر لال کا ایکسرے معائنہ

جولائی میں جواہر لال نہرو جیل میں زیادہ بیمار ہو گئے۔ ایکسرے سے ان

کا معائنہ کرانے کی ضرورت تھی اور دہرہ دون میں ایکسرے کا کوئی انتظام نہ تھا اس لئے منصوری لیجایا گیا اور اسی شام کو انہیں واپس دہرہ دون بھیجدیا ایکسرے کے نتیجہ سے حکومت بھی پریشان ہو گئی۔

بالآخر ۳ جولائی کو ڈاکٹر انصاری نے جوان ہی دنوں جیل سے رہا ہو کر آئے تھے دہرہ دون جیل میں ان کا معائنہ کیا اور فرمایا کہ جواہر لال نہرو درد گردہ میں مبتلا تھے لیکن اب درد سے افاقہ ہے۔ البتہ اب پائیریا کی تکلیف ہے۔

سروپ رانی نہرو کی توہین

سروپ رانی نہرو، کملا نہرو، اندرا نہرو الہ آباد ڈسٹرکٹ جیل میں رنجیت ایس پنڈت سے ملنے گئیں وہاں جیلر کی غلط روش سے ایک سخت ناگوار واقعہ پیش آیا۔

مسٹر پنڈت کے بچے پونہ میں تعلیم حاصل کر رہے تھے انہوں نے اپنے بچوں کی صحت و تعلیم کا حال دریافت کیا۔ اتفاق سے ان کی صحت و تعلیم کی رپورٹ پونہ سے آئی ہوئی تھی جو ایک پرچہ کاغذ پر تحریر تھی اندرا نہرو رپورٹ پڑھ کر مسٹر پنڈت کو سنانے لگیں بعد ازاں اس کاغذ کو مسٹر پنڈت نے اپنے ہاتھ میں لے لیا جیل کلرک نے جو دوران ملاقات میں وہاں موجود تھا اس "حادثہ" کی اطلاع دینے کے لئے جیلر کو بلا لیا وہ ننگے پیر دوڑتا ہوا آیا اور اس کے آتے ہی اس کے اور سروپ رانی نہرو کے درمیان تیز و ترش الفاظ کا تبادلہ ہوا۔

جواہر لال نہرو کو اس واقعہ سے بڑا دکھ ہوا۔ اور اس خیال سے کہ کہیں پھر جیل کے ملازموں کے ہاتھوں والدہ کی توہین نہ ہو انہوں

نے حکومت کو کہہ دیا کہ جبتک اس امر کا اطمینان نہ دلایا جائے گا کہ جو افراد مجھ سے ملنے آئیں انہیں عزت واحترام کے ساتھ ملاقات کی اجازت دی جائے گی میں مزید ملاقاتیں منظور نہ کروں گا۔ اس کے بعد انہوں نے سات مہینے تک کسی سے بھی ملاقات نہ کی۔

کملا نہرو کی شدید علالت

ان ہی دنوں میں کملا نہرو کی بیماری شدید تر ہو گئی ان کا بخار سو درجہ تک پہنچ جاتا تھا اور وہ نہایت لاغر اور کمزور ہو گئیں تھیں۔

ایک آئرش کھدر کے لباس میں

کھدر کو بغاوت کا نشان سمجھنا اور گاندھی ٹوپی تک سے حکومت کا بھڑکنا سرکاری روایات میں شامل ہے اس سلسلہ میں ۹ اگست ۱۹۳۳ سنہ کو بمبئی پریزیڈنسی مجسٹریٹ کی عدالت میں ایک دلچسپ واقعہ پیش آیا:

آئرلینڈ کا ایک باشندہ جو بمبئی میں تجارت کرتا تھا کھدر میں ملبوس ہو کر ایک کانگریسی کارکن کے مقدمہ کی سماعت دیکھنے عدالت میں چلا گیا۔ خفیہ پولس نے اس آئرش تاجر سے اس کا نام اور پتہ دریافت کیا۔ لیکن اس نے نام و پتہ بتلانے سے انکار کر دیا۔ انسپکٹر نے اسے گرفتار کر کے نصف درجن پولیس میٹنوں کے سپرد کر دیا۔ آئرش تاجر نے بذریعہ فون پولیس کمشنر سے شکایت کی تب اس کو رہائی ملی۔

فرقہ وارانہ مسئلہ پر وزیر اعظم کا اعلان

اگست کے درمیانی ہفتوں میں فرقہ وارانہ مسئلہ پر وزیر اعظم کا وہ بیان شائع کر دیا گیا جس کے متعلق عرصہ سے کہا جا رہا تھا کہ حکومت اس کے حل میں اپنی امکانی کوششیں صرف کر رہی ہے۔

اس بیان میں وزیر اعظم نے کہا تھا کہ اقلیتیں جداگانہ فرقہ وارانہ انتخاب کو اپنے حقوق کی حفاظت کے لئے ضروری سمجھتی ہیں اس لئے حکومت کے واسطے ناممکن تھا کہ وہ ان تحفظات کو نظر انداز کر دیتی۔ بدیں وجہ آئینی ترقی کے ہر ایک مرحلہ پر جداگانہ انتخاب کو قائم رکھنا ضروری سمجھا گیا۔ چنانچہ حکومت جداگانہ انتخاب اور فرقہ وارانہ نیابت کے اصول کو جاری کرتی ہے۔

تفصیلات جو بیان کی گئی تھیں ان میں پنجاب اور بنگال میں اکثریت کے لئے نشستوں کا تحفظ کیا گیا تھا۔

تمام ملک میں ۱۲۳۶ نشستیں تھیں جن میں سے ۴۹۰ مسلمانوں کو دی گئی تھیں اور ۷۴۶ ہندوؤں اور دیگر چھوٹی اقلیتوں کے لئے مخصوص کر دی گئی تھیں۔

پنجاب کی نشستوں میں ہندو مسلمان اور سکھوں کی تقسیم حسب ذیل تھی:۔ مسلمانوں کو ۴۹ فیصدی، سکھوں کو ۱۸ فیصدی اور ہندوؤں کو ۲۷ فیصدی۔

چنانچہ پنجاب کی کل ۱۷۵ نشستوں میں سے ۸۶ نشستیں مسلمانوں کو دی گئی تھیں اور سکھوں اور عیسائیوں کی نشستیں ملا کر ۷۷ تھیں

بنگال کی نشستوں کی تقسیم میں مسلمانوں کو ۴۸ فیصدی حصہ دیا گیا تھا چنانچہ بنگال کی کل ۲۵۰ نشستوں میں سے ۱۱۹ مسلمانوں کو، ۸ مزدوروں کو، ۱۱ انگریزوں کو، ۴ اینگلو انڈینوں کو اور ۱۹ تجارت پیشہ لوگوں کو دی گئی تھیں۔

تجارت پیشہ لوگوں کی نشستوں میں سے ۱۴ انگریز تاجروں کے لئے اور ۵ دیسی تاجروں کے لئے مخصوص تھیں۔

بمبئی میں مسلمانوں کو ۱۷ فیصدی نیابت دی گئی

سندھ اور صوبہ سرحد کو علیحدہ صوبہ بنا دیا گیا اور عورتوں کے جداگانہ اور فرقہ وارانہ انتخاب کے حق کو تسلیم کیا گیا۔

جداگانہ نیابت کے متعلق یہ تشریح کر دی گئی تھی کہ یہ اصول فی الحال دس سال تک جاری رہے گا۔ اس کے بعد اگر متعلقہ فرقے چاہیں تو اپنی رضامندی سے اسے ختم کر سکیں گے۔

وزیر اعظم نے یہ بھی کہہ دیا تھا کہ جدید گورنمنٹ ایکٹ کے قانونی شکل اختیار کرنے سے قبل اگر ہندوستانی چاہیں تو کوئی بہتر متفقہ حل پیش کر سکتے ہیں۔

ہندوستان کے ہر گوشہ میں آئینی سکیم کے بغیر فرقہ وارانہ مسئلہ کے اس حل کو بیکار سمجھا گیا۔

اعتدال پسندوں کو منانے کی کوشش

تیسری گول میز کانفرنس کے انعقاد سے قوم پرستوں کو کوئی دلچسپی نہیں تھی لیکن لبرل اس کے انعقاد پر برابر زور دے رہے تھے حکومت

کو اس وقت بظاہر قوم پرستوں کی کوئی پرواہ نہیں تھی۔ لیکن لبرلوں کو ناراض کر کے ہندوستان میں اپنے حامیوں کی تعداد کم کرنا اسے کسی طرح بھی منظور نہ تھا۔ لبرلوں کو منانے کی برابر کوششیں کی جارہی تھیں۔

۲۸؍ اگست کو وائسرائے نے ۵؍ دن میں سر سپرو سے ملے اور ایک گھنٹہ تک اہم معاملات پر ان سے گفتگو کی۔

۳۱؍ اگست کو قایم مقام کارس ممبر حکومت ہند کو مسٹر جیکر سے ملنے پونہ بھیجا گیا تاکہ وہ مسٹر جیکر کا زاویہ نگاہ معلوم کر کے وائسرائے کو اطلاع دیں مسٹر جیکر نے حسب سابق گول میز کانفرنس کے طریق کو بحال کرنے پر زور دیا۔

تیسری گول میز کانفرنس کا اعلان

۵؍ ستمبر ۱۹۳۲ء کو وائسرائے نے شملہ میں اسمبلی کے اجلاس میں حسب ذیل الفاظ میں تیسری گول میز کانفرنس کا اعلان کیا۔

ایسا مسالہ فراہم کرنے کی غرض سے جو حکومت کو جدید آئین کی ترتیب کے لئے درکار ہوگا حکومت نے لندن میں مزید غور و خوض کا فیصلہ کیا ہے۔ وسط نومبر میں دیسی ریاستوں اور برطانوی ہند کے تھوڑے سے نمایندے لندن میں مدعو کئے جائیں گے۔

ان نمایندوں کا درجہ وہی ہوگا جو گول میز کانفرنس کے نمایندوں کا درجہ تھا۔ اب معاملات ایسے طریقہ کار کا تقاضہ کرتے ہیں جو کم باضابطہ ہو اور جلد مکمل ہو سکے اور اس صورت میں اسی وقت عمل کیا جا سکتا ہے جبکہ مقررہ ایجنڈے پر عمل کیا جائے اور اجلاس پبلک نہ ہو۔

اس کے بعد حکومت مشترکہ چیدہ کمیٹی اور پارلیمنٹ کے رو برو اپنی سفارشات پیش کرے گی۔

حکومت کی شرطیں

قوم پرست حلقے پہلی گول میز کانفرنسوں کو بھی لغو اور بیکار سمجھتے تھے۔ کانگریس نے پہلے اجلاس کا بائیکاٹ کر دیا تھا اور دوسرے اجلاس میں بھی اس کے واحد نمایندے نے اس شرط پر شریک ہونا منظور کیا تھا کہ وہاں تمام مسائل پر از سر نو کھلی بحث ہو سکے گی۔ بد قسمتی سے وہ اجلاس بھی ناکام رہا۔ مگر اس کے باوجود وزیر اعظم نے کانفرنس کے خاتمہ پر یقین دلایا تھا کہ ہم مستقبل قریب میں یہاں پھر ایک بار جمع ہونے کے لئے منتشر ہو رہے ہیں۔

وزیر اعظم نے آخر میں جس تیسری گول میز کانفرنس کے انعقاد کا وعدہ کیا تھا۔ وہ وسط نومبر میں منعقد کی جا رہی تھی۔ لیکن اس طرح کہ قوم کے حقیقی نمایندے آہنی سلاخوں میں بند تھے۔

برطانوی ہند اور ریاستی نمایندوں کی جس چھوٹی سی جمعیت کو لندن مدعو کیا جانے والا تھا۔ وہ بھی حکومت کے ساتھ صرف باقی ماندہ مسائل ہی پر غور کر سکتی تھی۔

اس جدید کانفرنس کو عام اجلاس کرنے کی اجازت نہ تھی۔

لائحہ عمل معین کر دیا گیا تھا اور صرف معینہ ایجنڈے ہی پر

غور کیا جا سکتا تھا۔

ہندوستانی نمایندوں کا انتخاب وائسرائے کی مرضی پر یا یوں کہنا چاہیئے کہ وائٹ ہال اور شملہ کی واحد مرضی پر تھا عوام کو اس میں دخل دینے کی اجازت نہ تھی۔ وائسرائے کے بیان میں کانگریس سے تعاون کی خواہش کا مطلق تذکرہ نہیں تھا۔

گاندھی جی اور حکومت کے مابین خط و کتابت

اقلیتوں کی جداگانہ نمایندگی کی تجویز کے گاندھی جی اتنے سخت مخالف تھے کہ اس کو بدلوانے کے لئے انہوں نے مسلسل بھوک ہڑتال کر کے جان دے دینے کا عزم کر لیا اس سلسلہ میں گاندھی جی اور حکومت کے درمیان مندرجہ ذیل خط و کتابت ہوئی۔

۱۱ر مارچ ۱۹۳۲ء

یرودا جیل

ڈیر سر سیموئیل

آپ کو شاید یاد ہو گا کہ گول میز کانفرنس کے اختتام پر جبکہ اقلیتوں کا مطالبہ پیش کیا گیا تھا۔ میں نے اپنی تقریر میں کہدیا تھا کہ اگر ہریجن بھائیوں کو جداگانہ نیابت دی گئی تو میں اس کی مخالفت اپنی جان پر کھیل کر کروں گا۔ یہ الفاظ فوری جذبہ کے زیر اثر یا کسی قسم کی ترغیب دینے کے لئے نہیں کہے گئے تھے بلکہ یہ ایک سنجیدہ بیان تھا۔ ہندوستان واپس آنے پر مجھے امید پیدا ہو گئی تھی کہ میرے اس بیان کے باعث کم از کم ہریجنوں کو جداگانہ نیابت دینے کے خلاف رائے پر نمایاں اثر پڑے گا۔ لیکن ایسا نہیں

ہوا۔ ان اخبارات سے جو مجھے پڑھنے کے واسطے ملتے ہیں۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ ہر وقت ملک معظم کی حکومت اس سلسلہ میں اپنے فیصلہ کے متعلق اعلان کر سکتی ہے پہلے میں نے یہ خیال کیا تھا کہ اگر اس سلسلہ میں اچھوتوں کو جداگانہ نیابت دی گئی۔ تو میں ایسی کارروائی کروں گا جو میں اپنے عہد کے پورا کرنے کے لئے ضروری خیال کروں گا۔ لیکن میں نے محسوس کیا کہ حکومت برطانیہ کو پہلے سے اطلاع دئے بغیر کوئی قدم اٹھانا میرے لئے غیر مناسب ہوگا۔ کیونکہ یہ قدرتی امر ہے کہ میں اپنے بیان کو جس قدر اہمیت دیتا ہوں اس قدر اہمیت حکومت اس بیان کو نہیں دیگی۔

اچھوتوں کے لئے جداگانہ نیابت منظور کرنے کے متعلق مجھے جو اعتراضات ہیں ان کو دوبارہ بیان کرنے میں چنداں ضرورت نہیں سمجھتا۔ میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ گویا میں بھی ان میں سے ایک ہوں ان کا معاملہ دیگر فرقہ جات کے معاملہ سے قطعی مختلف ہے میں مجالس آئین ساز میں ہر یجنوں کی نمایندگی کا مخالف نہیں ہوں نہ میں اس امر کی مخالفت کروں گا کہ ان کے ہر ایک بالغ مرد و عورت کو بلا تخصیص جائداد اور استعداد ووٹ دینے کا حق حاصل ہو۔ خواہ دیگر فرقہ جات کے لئے حق رائے دہی کے قواعد زیادہ سخت کیوں نہ ہوں لیکن میں نے یہ کہہ دیا تھا کہ جداگانہ طریق انتخاب ان کے نیز ہندو مذہب کے لئے نقصان رساں ہے خواہ یہ قطعی سیاسی نقطہ نگاہ ہی سے کیوں نہ ہو جداگانہ طریق انتخاب سے جو نقصان ان کو ہوگا اس کو سمجھنے کے لئے

یہ جاننا ضروری ہے کہ دلت نام نہاد اونچی ذات کے ہندوؤں سے
کس قدر علیحدہ ہیں اور وہ لوگ ان کے کس قدر محتاج ہیں
جہاں تک ہندو مذہب کا تعلق ہے۔ جداگانہ نیابت اس کے
ٹکڑے ٹکڑے کر کے اس کو کمزور بنا دے گی۔ میرے لئے ہریجنوں
کا سوال خاص طور سے اخلاقی اور مذہبی اہمیت رکھتا ہے۔ اس کا
سیاسی پہلو گو اہم ضرور ہے لیکن اخلاقی اور مذہبی پہلوؤں کے
مقابلہ میں پس پشت رہ جاتا ہے آپ یہ یاد کرے کہ میں اس فرقہ سے
اپنے لڑکپن ہی سے دلچسپی لے رہا ہوں اور اس کی خاطر میں نے
بعض اوقات اپنا سب کچھ قربان کر دیا ہے۔ میرے خیالات کی
تعریف کریں گے میں یہ بات فخر سے نہیں کہتا۔ کیونکہ میں یہ
محسوس کرتا ہوں کہ نام نہاد اونچی ذات کے ہندو گزشتہ
کئی صدیوں سے ان کو تنزل کے جس گھڑے میں گرا رہے ہیں
اس کا معاوضہ بڑی سی بڑی تپسیا سے بھی ادا نہیں کر سکتے
لیکن میں یہ جانتا ہوں کہ جداگانہ طریق انتخاب اس تباہ کن تنزل
کے لئے جس کے تلے ہریجن قومیں چیخ رہی ہیں۔ نہ تو کوئی تپسیا ہے
اور نہ اس کا علاج ہے

لہذا میں ملک معظم کی حکومت کو نہایت ادب سے مطلع کر دینا
چاہتا ہوں کہ اگر حکومت نے اپنے فیصلہ میں ہریجنوں کے لئے جداگانہ طریق
انتخاب منظور کیا۔ تو میں بھوک ہڑتال کر کے اپنی جان دے
دوں گا۔

میں اس امر واقعہ سے بھی پورے طور پر آگاہ ہوں کہ ایسی

کارروائی سے اس حالت میں جبکہ میں قیدی ہوں ملک معظم کی حکومت کو بہت پریشانی ہوگی اور بہت سے اشخاص اس کارروائی کے متعلق یہ خیال کریں گے کہ یہ میری پوزیشن کے لئے بہت زیادہ غیر مناسب ہے کہ میں سیاسیات میں اپنے طریقے رائج کرنا چاہتا ہوں جو اگرچہ ان کی رائے میں بدترین نہیں تو سٹریکل ضرور ہوں گے میں اپنی صفائی میں صرف اس قدر کہہ سکتا ہوں کہ میرے لئے سوچی ہوئی کارروائی کوئی طریقہ نہیں ہے بلکہ یہ میرے ضمیر کی آواز ہے جس کی حکم عدولی میں اس حالت میں بھی نہیں کر سکتا جبکہ میری دانشمندی کی شہرت ضائع ہوتی ہو۔

جہاں تک میں سمجھتا ہوں مجھے یہ واضح کر دینے میں کوئی پس و پیش نہیں ہے کہ قیدی سے میری رہائی کا بھی میرے برت پر کوئی اثر نہ پڑے گا۔ لیکن مجھے یہ امید ہے کہ میرا اہتمام خوف قطعی حق بجانب نہیں ہے اور غالباً حکومت برطانیہ کا کوئی ارادہ نہیں ہے کہ وہ ہریجنوں کے لئے جداگانہ نیابت رائج کرنے کا فیصلہ کرے۔

میرے لئے ایک اور معاملہ کا بھی اس جگہ ذکر کر دینا مناسب ہوگا جو کہ میرے دماغ میں شورش برپا کر رہا ہے اور مجھے ایسا ہی برت رکھنے کے لئے مجبور کر سکتا ہے یہ معاملہ موجودہ تشدد کا طریقہ ہے۔ مجھے اس کا کوئی علم نہیں ہے کہ میرے دل میں اب ایسا خیال پیدا ہوگا جو مجھے اس قربانی کے لئے مجبور کر سکے گا۔ جبر و تشدد مجھے جائز حدود سے گزرتا ہوا معلوم ہو رہا ہے۔ ملک میں حکومت کی دہشت انگیزی

پھیل رہی ہے انگریز اور ہندوستانی افسروں کو وحشی بنایا جا رہا ہے۔ موخر الذکر اعلیٰ اور ادنیٰ افسران کے چال چلن خراب ہو رہے ہیں۔ کیونکہ حکومت عوام کے ساتھ ان کی غداری اور اپنے عزیز و اقارب کے ساتھ ان کے وحشیانہ سلوک کو ان کا مستحق فعل تصور کر رہی ہے۔ آزادانہ تقریر پر پابندیاں عاید کر دی گئی ہیں۔ قانون اور اس کے نام پر غنڈہ پن کیا جا رہا ہے جو عورتیں پبلک کی خدمات کے لئے میدان میں آتی ہیں انہیں اپنی بے حرمتی کا خوف ہے۔

اور مجھے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب کچھ آزادی کی اس اسپرٹ کو کچلنے کے لئے کیا جا رہا ہے جس کی کانگریس نمایندگی کرتی ہے جبر و تشدد صرف عام قانون کی خلاف ورزی کی تعزیر تک ہی محدود نہیں بلکہ یہ عوام کو مطلق العنانی کے نئے قواعد کی خلاف ورزی کے لئے بھی مجبور کر رہا ہے جو کہ محض ان کی تذلیل کے لئے بنائے گئے ہیں۔

ان جملہ طریقوں میں مجھے جمہوریت کی کوئی اسپرٹ نظر نہیں آتی لندن کے سفر سے میرا یہ خیال اور بھی پختہ ہو گیا ہے کہ آپ کی جمہوریت ایک نمائشی محدود شے ہے۔ اہم ترین معاملات میں چند افراد یا پارٹیاں ہی فیصلے کر لیتی ہیں اور وہ پارلیمنٹ میں نہیں بھیجے جاتے اور ان کی تصدیق وہ ممبران کر دیتے ہیں جن کو اس کا قطعی خیال نہیں ہوتا کہ وہ کیا کر رہے ہیں مصر کے متعلق بھی یہی معاملہ پیش آیا ۱۹۱۴ء کی جنگ کے متعلق بھی ایسا ہی ہوا اور ہندوستان کے متعلق

بھی یہی ہو رہا ہے۔ میرا تمام وجود اس خیال کے خلاف بغاوت کر رہا ہے کہ ایک ایسے نظام حکومت میں جو کہ جمہوری کہلاتا ہے ایک شخص کو ایک غلام قوم کے متعلق جس کی تعداد ۳۰ کروڑ سے بھی زیادہ ہے متعلق العنان اختیارات حاصل ہوں اور اس کے فیصلے جو کہ تباہی کی خوفناک ترین طاقتوں کو تقویت پہنچاتے ہوں نافذ کر دئے جائیں میرے نزدیک یہ جمہوریت نہیں ہے ان جبر و استبداد کے سبب اقوام کے درمیان تعلقات کشیدہ ہوئے ہیں اس کشیدگی کو زیادہ عرصہ تک جاری نہیں رکھا جا سکتا جہاں تک میں ذمہ دار ہوں اور یہ سوچتا ہوں کہ میں اس طریقہ کار کو کیسے روک سکتا ہوں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ میں اس طریقہ کو تحریک سول نافرمانی بند کر کے نہیں روک سکتا۔ میرے لئے یہ عقیدہ کا معاملہ ہے میں خود کو قدرتی طور پر جمہوریت پسند سمجھتا ہوں لیکن میرے دماغ میں جو جمہوریت ہے وہ اس جمہوریت سے کوئی مطابقت نہیں رکھتی جو کہ دوسروں کو اپنی مرضی پر چلانے کے لئے جسمانی طاقت کا استعمال جائز سمجھتی ہے اندریں حالات پر امن مزاحمت کو جسمانی طاقت کا ہر ایک ایسے موقع کے لئے نعم البدل تصور کر لیا گیا جہاں اس کی ضرورت ہو یا جہاں اس کا استعمال حق بجانب ہو یہ مصائب انگریزی کا طریقہ ہے۔ اس پروگرام کا ایک جزو یہ بھی ہے کہ ستیہ گرہی ضرورت پڑنے پر بھوک ہڑتال کر کے اپنی جان دیدے۔ میرے لئے ابھی وہ وقت نہیں آیا مجھے ابھی یہ کارروائی کرنے کے لئے اپنے ضمیر کی آواز سنائی نہیں دیتی لیکن باہر جو واقعات رونما ہو رہے ہیں وہ میری بنیادی قوتوں کو ہلا دینے کے لئے کافی ہیں۔ بدیں وجہ ہر یجنوں کے سلسلہ میں برت کے امکانات کے متعلق آپ کو تحریر کرتے ہوئے

میں نے یہ محسوس کیا ہے کہ اگر میں آپ کو یہ تحریر نہ کروں کہ ایسے بیرٹ کا دوسرا امکان بھی موجود ہے۔ تو میں دروغگوئی کا مرتکب ہوں گا

یہ کہنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے کہ میری جانب سے اس تمام خط وکتابت کو جو میرے اور آپ کے درمیان ہوگی صیغہ راز میں رکھا جائے گا۔ صرف سردار ولبھ بھائی پٹیل اور مسٹر مہادیو ڈیسائی جو حال ہی ہمارے پاس بھیجدئے گئے ہیں اس کے متعلق سب کچھ جانتے ہیں لیکن آپ بلاشبہ اس چٹھی سے جس طرح چاہیں سلوک کریں۔

آپ کا صادق

دستخط۔ ایم۔ کے گاندھی

۱۴ اپریل کو سر سیموئل ہورنے گاندھی جی کی چٹھی کا جواب دیا

ڈیر مسٹر گاندھی

بجواب آپکی چٹھی مورخہ ۱۱ مارچ میں یہ عرض کرتا ہوں کہ میں ہر یجنوں کی جداگانہ نیابت کے متعلق اپنے خیالات کی طاقت کو بخوبی محسوس کرتا ہوں میں صرف یہ کہہ سکتا ہوں کہ ہم ایسا فیصلہ دینے کا ارادہ کر رہے ہیں جو پورے طور پر ضروری ہوگا اور وہ فیصلہ معاملہ کے ہر پہلو کو پیش نظر رکھتے ہوئے دیا جائے گا۔ آپ کو معلوم ہے لارڈ لوتھین کی کمیٹی نے ابھی تک اپنا دورہ ختم نہیں کیا ہے اور وہ کمیٹی جن نتائج پر پہنچے گی ان کو معلوم کرنے کے لئے ابھی چند مہینے درکار ہوں گے جب ہم کو اس کمیٹی کی رپورٹ موصول ہو جائے گی اس وقت ہم کو اس کی سفارشات پر نہایت احتیاط سے غور کرنا پڑے گا اور

ہم اس وقت تک کوئی فیصلہ نہ دیں گے جب تک ہم کمیٹی کی سفارشات اور آپ کے اور ان لوگوں کے جو آپ کے ہم خیال ہیں ان خیالات پر جو اس قدر پر زور طریقہ پر پیش کئے گئے ہیں پورے طور پر غور نہ کر لیں گے۔

میرا خیال ہے کہ اگر آپ اس پوزیشن میں ہوتے جس میں ہم ہیں تو آپ بھی بالکل یہی کارروائی کرتے جو ہم کر رہے ہیں۔ آپ کو کمیٹی کی رپورٹ کا انتظار کرنا چاہیئے اس کے بعد آپ کو اس پر کافی غور و خوض کرنا چاہیئے اور انقطاعی فیصلہ کرنے سے قبل آپ کو ان خیالات پر غور کرنا چاہیئے جو مخالف فریقوں کی جانب سے ظاہر کئے گئے ہیں میرا خیال ہے کہ آپ مجھ سے اس سے زیادہ معلوم کرنے کی توقع نہ کریں گے۔

آرڈی نینسوں کے متعلق میں صرف وہ الفاظ دوہرانا چاہتا ہوں جو میں پرائیویٹ طور پر اور پبلک میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں یعنی حکومت کی بنیادوں پر دیدہ و دانستہ حملہ ہونے کی صورت میں اس کا مقابلہ کرنے کے لئے آرڈی نینسوں کا نفاذ ضروری تھا مجھے یہ بھی یقین ہے کہ حکومت ہند اور لوکل حکومتیں ان وسیع اختیارات کا استعمال نہیں کر رہی ہیں اور ضرورت سے زیادہ اور جارحانہ کاروائی سے گریز کرنے کی پوری کوشش کر رہی ہیں۔ ہنگامی تدابیر صرف اس وقت تک نافذ رکھی جائیں گی جب تک کہ ہم امن اور قانون کی حفاظت اور دہشت انگیزوں کے حملوں سے اپنے افسروں کو محفوظ رکھنے کے لئے ان کو نافذ رکھنے پر مجبور رہوں گے۔ جب ان کی ضرورت نہ رہے گی اس وقت انہیں واپس لے لیا جائیگا۔

آپ کا صادق
دستخط سموئیل ہور

۱۸ اگست کو گاندھی جی نے وزیر اعظم کو چٹھی لکھی۔

پیارے دوست

اس میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا کہ سر سموئیل ہور نے آپ کو اور کیبنٹ کو وہ چٹھی دکھلادی ہوگی جو میں نے ۱۱ مارچ کو ہریجن قوموں کی نمائندگی کے سوال کے متعلق روانہ کی تھی اس چٹھی کو اس چٹھی کا ایک جز تصور کیا جائے اور اس کے ساتھ ہی پڑھا جائے۔

میں نے اقلیتوں کی نمائندگی کے متعلق حکومت برطانیہ کے فیصلہ کو پڑھا ہے اور اپنی نیند یں حرام کر کے اس پر غور کیا ہے مجھے اپنی چٹھی کی تعمیل میں جو میں نے سر سموئیل ہور کو تحریر کی تھی نیز اس اعلان کی تکمیل کے لئے جو میں نے ۱۳ نومبر سنہ ۱۹۳۱ء کو اقلیتوں کی کمیٹی کے اجلاس منعقدہ سینٹ جیمس پیلیس میں کیا تھا کہ اپنی جان کی بازی لگا کر آپ کے فیصلہ کی مخالفت کرنی ہے۔ یہ کام میں صرف اس طریقہ پر کر سکتا ہوں کہ موت کی گود میں جانے تک متواتر برت رکھوں اور نمکین یا سادہ پانی اور سوڈے کے سوا کسی قسم کا کھانا نہ کھاؤں یہ برت درمیان میں اس حالت میں ختم ہوگا۔ جب کہ حکومت خود یا رائے عامہ کے دباؤ سے اپنے فیصلہ پر نظر ثانی کرے گی۔ اور ہریجنوں کے لئے جداگانہ طریق انتخاب کی اپنی اسکیم واپس لے لیگی اور ان کے نمائندوں کا عام حلقہ ہائے انتخاب سے عام حق رائے دہی کے قواعد کے ماتحت خواہ وہ کسی قدر وسیع کیوں نہ ہوں منتخب کیا جانا منظور کرے گی۔

اگر حکومت نے مذکورہ بالا طریقہ پر اپنے فیصلہ پر نظر ثانی نہ کی تو مجوزہ برت ۲۰ ستمبر سنہ ۱۹۳۲ء کی دوپہر سے شروع ہو جائیگا۔

میں یہاں حکام سے یہ درخواست کر رہا ہوں کہ وہ اس چٹھی کا مسودہ بذریعہ بحری تار آپ کے پاس بھیجدیں تاکہ آپ کو کافی نوٹس مل جائے لیکن بہرحال میں نے کافی میعاد مقرر کی ہے اور اس دوران میں یہ چٹھی کسی نہ کسی صورت میں آپ کے پاس پہنچ جائے گی۔

میں یہ بھی چاہتا ہوں کہ یہ چٹھی اور میری وہ چٹھی جو میں نے سر سموئیل ہور کو تحریر کی تھی جلد از جلد شائع کر دی جائیں میں نے جیل کے قواعد کی پوری پابندی کی ہے۔ اور میں نے اپنی خواہش یا ان خطوط کے متعلق سردار ولبھ بھائی پٹیل اور مہادیو ڈیسائی کے علاوہ کسی شخص کو بھی مطلع نہیں کیا ہے۔ لیکن میں چاہتا ہوں کہ آپ اس امر کا امکان پیدا کریں کہ میری چٹھیوں کا رائے عامہ پر اثر پڑے اور اس وجہ سے میں نے ان کو جلد شائع کر دینے کی درخواست کی ہے۔

میں نے جو فیصلہ کیا ہے۔ اس پر مجھے افسوس ہے۔ لیکن بحیثیت ایک مذہبی آدمی کے جیسا کہ میں خود کو سمجھتا ہوں میرے لئے کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے میں نے چٹھی میں سر سموئیل ہور کو مطلع کر دیا ہے۔ کہ اگر حکومت برطانیہ خود کو پریشانی سے بچانے کے لئے مجھے رہا کر دے گی تب بھی میرا یہ برت جاری رہے گا۔ کیونکہ اب میں کسی دوسرے طریقہ سے اس فیصلہ کی مخالفت کرنے کی امید نہیں کر سکتا اور میری یہ خواہش نہیں ہے کہ میں باعزت طریقہ کے علاوہ کسی دوسرے طریقہ سے رہائی حاصل کر دوں۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ میرا فیصلہ غلط ہو اور میں جداگانہ طریق انتخاب کو ہریجنوں یا ہندو مذہب کے لئے نقصان دہ سمجھنے میں غلطی کر رہا ہوں

اگر ایسا ہوا تو بھی یہ، عین اغلب ہے کہ اپنے فلسفہ کے دیگر حصص میں بھی میں غلطی کا مرتکب ہو سکتا ہوں۔ اس حالت میں برت رکھ کر جان دے دینے سے میری غلطی کا ازالہ ہو جائے گا۔ اور ان لاتعداد مردوں اور عورتوں کے سر سے ایک بوجھ اتر جائے گا۔ جو بچوں کے مانند مجھ پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ لیکن اگر میرا فیصلہ صحیح ہے جس میں مجھے کوئی شک نہیں ہے۔ تو زندگی کے دور کی تکمیل کے لئے جس میں میں نے ۵۰ سالہ کوششوں کے باوجود بھی کوئی نمایاں کامیابی حاصل نہیں کی میری سوچی ہوئی کاروائی ہی مناسب ہے۔

آپ کا صادق

دستخط۔ ایم۔ کے۔ گاندھی

۸۔ ستمبر کو وزیر اعظم نے گاندھی جی کو جواب لکھا۔

۱۰۔ ڈاؤننگ اسٹریٹ لندن۔

۸۔ ستمبر ۱۹۳۲ء

ڈیر مسٹر گاندھی۔

مجھے آپ کا خط پڑھ کر بہت تعجب ہوا اور اس کے ساتھ ہی

بہت افسوس بھی ہوا علاوہ اس کے ہیں یہ خیال کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ آپ نے یہ خط ملک معظم کی گورنمنٹ کے اس فیصلہ کے متعلق جو ہریجن قوموں کے متعلق ہے۔ اس کا حقیقی منشا، سمجھے بغیر غلط فہمی کا شکار ہو کر لکھا ہے۔

ہم نے اس بات کو سمجھا ہے کہ آپ ہندو قوم سے ہریجنوں کو مستقل طور پر علیحدہ کرنے کے قطعی خلاف ہیں۔ آپ نے اس بارے میں اپنی پوزیشن گول میز کانفرنس کی کمیٹی کی اکثریت کے روبرو اچھی طرح واضح کر دی تھی نیز آپ نے اس امر کو اس چٹھی میں بھی واضح کر دیا تھا جو آپ نے سر سموئیل ہور کو ۱۱ر مارچ کو تحریر کی تھی۔

ہم کو یہ بھی معلوم تھا کہ آپ کے خیال سے ہندوؤں کی ایک کثیر جماعت کو اتفاق ہے۔

چنانچہ ہم نے اس بارے میں نہایت غور و خوض سے کام لیا تھا۔ جب کہ ہم ہریجن قوموں کی نمائندگی کے متعلق غور کر رہے تھے۔

ہریجن قوموں کی جانب سے جو متعدد اپیل موصول ہوئے انمیں عام طور پر تسلیم کیا گیا ہے کہ ان مجلسی پابندیوں سے جن کا ہریجن قومیں شکار ہو رہی ہیں۔ اور جن کو آپ بارہا تسلیم بھی کر چکے ہیں۔ ان کا تحفظ کیا جائے۔ یعنی ہریجن قوموں کو کافی تناسب کے ساتھ لیجسلیچروں میں نمائندگی دی جائے ساتھ ہی ہم اس بارے میں بھی ہوشیاری رکھنا چاہتے ہیں کہ کوئی کام ایسا نہ کیا جائے جس سے ہریجن قومیں ہندو قوم سے علیحدہ ہو جائیں۔

آپ نے بھی اپنی چٹھی مورخہ ۱۱ر مارچ میں بیان کیا ہے کہ آپ

لیجسلیچر میں ان کی نمائندگی کے خلاف نہیں ہیں۔ گورنمنٹ کی اسکیم کے بموجب ہریجن قومیں ہندو قوم کا حصہ رہیں گی اور ہندو حلقہ انتخاب کے ساتھ مساویانہ حقوق رکھیں گی۔ لیکن اوّل بیس سال کے زمانہ میں اگرچہ انتخابی طور پر وہ ہندو قوم کا جزو رہیں گی۔ لیکن ان کو ایک محدود تعداد حلقہ جات خصوصی کے ذریعہ اپنے حقوق و مفاد کے تحفظ کے لیئے وہ ذرائع ملیں گے جن کے متعلق ہمارا عقیدہ ہے کہ موجودہ صورت حال میں وہ ضروری ہیں جہاں کہیں یہ حلقے تیار کیئے جائیں گے۔ اچھوت قوموں کے لوگوں کو عام ہندو حلقوں میں ان کے ووٹوں سے محروم نہ کیا جائے گا برخلاف اس کے ان کو دو ووٹ ملیں گے تاکہ ہندو قوم میں انکی شمولیت بجنسہ بغیر کسی ضرر کے برقرار رہے۔ اور اچھوت قوم کے تمام ووٹران عام حلقوں یا ہندو حلقوں میں شامل رہیں تاکہ اونچی ذات کے ہندو ان کے ووٹ کے متوقع رہیں۔ اور اچھوت قوم کا امیدوار اونچی ذات کا متوقع رہے۔

چنانچہ ہر ایک طریقہ سے ہندو سوسائٹی کے اتحاد کو قائم رکھا گیا تھا۔ باوجود اس امر کے ہم یہ محسوس کرتے ہیں کہ ذمہ دار حکومت کے ابتدائی زمانہ میں جب کہ صوبہ جات میں طاقت اس جماعت کے ہاتھ میں آجائے گی۔ جس کو لیجسلیچروں میں اکثریت حاصل ہوگی۔ یہ امر ضروری معلوم ہوا تھا کہ اچھوت قومیں جن کی بابت آپ نے سر سموئیل ہور کی چٹھی میں یہ تحریر کیا تھا کہ اونچی ذات کے ہندوؤں نے صدیوں سے ان کو گرا رکھا ہے۔ نو صوبوں میں سے سات صوبوں میں اپنی قوم کے چند ممبران لیجسلیچروں میں بھیجیں تاکہ وہ اپنی مشکلات کو پیش کریں اور

اپنے خلاف لیجسلیچروں سے باہر ان فیصلوں کو روکیں اور گورنمنٹ ان کے مطالبہ کی بابت غور کرے۔

مختصراً یہ کہ ان کو ایسی پوزیشن حاصل ہو جائے جسمیں وہ اپنے متعلق خود نمائندگی کر سکیں۔ یہ ایک ایسی بات ہے جس کو ہر انصاف پسند آدمی پسند کرے گا۔

ہم نے یہ خیال نہیں کیا تھا کہ مشترکہ انتخابات میں نشستوں کی تخصیص کے ذریعہ اچھوت قوموں کے لئے موجودہ صورتِ حالات میں کسی بھی طریقہ حق رائے دہی کے ماتحت جو قابلِ عمل ہو وہ ممبران حاصل ہو جائیں گے۔ جو ان کی حقیقی طور پر نمائندگی کر سکیں گے۔ اور اس کے لئے جواب دہ بھی ہوں گے۔ کیونکہ تمام صوبوں میں ایسے ممبران اکثریت کے ذریعہ منتخب کئے جائیں گے جن میں اونچی ذات کے ہندو شامل ہوں گے۔

ہماری اسکیم کے ماتحت اچھوت قوموں کو حلقہ جات خصوصی کی محدود تعداد کے ذریعہ علاوہ ان کے عام انتخابی حقوق کے جو اُن کو عام ہندو حلقوں میں حاصل ہوں ابتدائی مفاد خصوصی جو دیئے گئے ہیں وہ اپنی نوعیت میں اس طریقہ نمائندگی سے قطعی مختلف ہیں جو مسلمانوں جیسی اقلیت کے لئے جُداگانہ فرقہ وارانہ حلقہ جات کے ذریعہ قایم کئے گئے ہیں۔

مثلاً ایک مسلمان ایک حلقہ میں دو ووٹ نہیں دے سکتا اور امیدوار نہیں بن سکتا برخلاف اس کے ہر یجن قوموں کا منتخب شدہ ممبر ایک عام حلقے کے لئے رائے دے سکتا ہے اور کھڑا ہو سکتا

ہے۔

مسلمانوں کے لئے جو نشستیں علاقوں کے لحاظ سے دی گئی ہیں اُن کی تعداد قدرتاً اس امر کے تابع رکھی گئی ہے کہ ان کے لئے مزید علاقوں میں نشستیں حاصل کرنا ناممکن ہے۔ اور بہت سے صوبہ جات میں ان کو ویٹیج اپنی آبادی کے تناسب سے زیادہ حاصل ہے۔ اچھوت قوموں کے مخصوص حلقوں سے مخصوص نشستوں کی جو تعداد مقرر کی جائے گی دیکھنے میں چھوٹی معلوم ہوگی۔

چنانچہ اس کو اس طرح مقرر کیا گیا کہ اچھوت قوموں کے لئے نمائندگان کی کم از کم تعداد لیجسلیچروں میں ہو جن کو صرف اچھوت قوموں ہی نے منتخب کیا ہو۔ ان کی خاص نشستوں کا تناسب اچھوت قوموں کی کئی فی صدی سے ہر جگہ کم ہے۔

جہاں تک میں نے آپ کے نظریہ کو سمجھا ہے وہ یہ ہے کہ آپ بھوک ہڑتال کر کے جو جان دینا چاہتے ہیں اس کا منشا اس امر کی حصول یابی نہیں ہے۔ کہ اچھوت قوموں کو ہندوؤں کے ساتھ مشترکہ انتخاب کا حق حاصل ہو کیونکہ یہ تو پہلے ہی موجود ہے نہ ہی اس لئے کہ ہندوؤں میں اتحاد قائم رہے۔ کیونکہ یہ بھی پیشتر سے موجود ہے بلکہ اس کا خاص مقصد یہ ہے کہ اچھوت قوموں کو جو آج سخت ناانصافیوں کا شکار ہو رہے ہیں۔ اس امر سے روکا جائے کہ وہ اپنی مرضی کے مطابق لیجسلیچروں میں نمائندوں کو بھیج سکیں جس کا ان کے مستقبل پر ایک جامع اثر ہوگا۔

چنانچہ میں ان انصاف پرور اور دور اندیشانہ تجاویز کی موجودگی میں آپ کے اس فیصلہ کی معقولیت کو نہیں سمجھ سکتا۔ اور یہ خیال کرتا ہوں کہ آپ نے اصل

واقعات کے متعلق ایک غلط اندیشہ کے ماتحت یہ شبہ پیدا کر لی ہے۔

ہندوستانیوں کی ایک عام درخواست کے جواب میں جب کہ وہ کوئی فیصلہ آپس میں نہ کر سکے گورنمنٹ نے اپنی مرضی کے خلاف اقلیتوں کے مسئلہ پر فیصلہ دینا منظور کیا تھا۔

اب جب کہ گورنمنٹ یہ فیصلہ کر چکی ہے۔ اس سے تبدیلی کرانے کی امید ماسوا شرائط مندرجہ کے نہیں کرنی چاہیئے۔ لہذا میرا جواب یہ ہے کہ حکومت کا فیصلہ بدستور قایم رہے گا۔ اب صرف مختلف فرقوں کا باہمی طے کردہ فیصلہ ہی ان دیگر انتخابی انتظامات کی جگہ لے سکتا ہے۔ جس کو گورنمنٹ نے متضاد دعاوی کو جانچ تول کر مرتب کر لیا ہے۔

آپ نے یہ تحریر کیا ہے کہ یہ خط وکتابت جس میں آپ کی چھٹی مورخہ ۱۱، مارچ ۱۹۳۲ء بنام سر سموئیل ہور بھی شامل ہے۔ شائع کر دی جائے چونکہ یہ ایک غیر منصفانہ فعل ہوگا کہ آپ کی نظر بندی آپ کی بھوک ہڑتال کا سبب پبلک کو ظاہر کرنے میں مانع ہو۔

لہذا میں آپ کی درخواست منظور کرتا ہوں۔ اگر باوجود اس امر پر دوبارہ غور کرنے کے بھی آپ ضروری سمجھیں۔

آخر میں پھر آپ سے اس امر کے لئے اصرار کرتا ہوں کہ آپ گورنمنٹ کے فیصلہ کی تفصیلات پر غور کریں اور خود سے نہایت سنجیدگی کے ساتھ دریافت کریں کہ آیا مجوزہ اقدام میں آپ کہاں تک حق بجانب ہیں۔

آپ کا صادق

جے۔ رامزے۔ میکڈانلڈ

۹ ستمبر کو گاندھی جی نے وزیر اعظم کو پھر چٹھی لکھی:۔

یروداجیل ۹ ستمبر ۱۹۳۲ء

بنام رائٹ آنریبل مسٹر جے رامزے میکڈانالڈ لندن۔

پیارے دوست

میں آپ کی اس مکمل چٹھی کا جو بذریعہ تار مجھے ملی ہے جسمیں آپ نے صاف گوئی سے کام لیا ہے شکر گذار ہوں مجھے افسوس ہے کہ آپ نے میرے مجوزہ فعل کے وہ معنی اخذ کئے ہیں۔ جنکا مجھے خواب میں بھی خیال نہ تھا میں نے اس جماعت ہی کی جانب سے یہ کہنے کی جرأت کی ہے جس کے مفاد کو قربان کر دینے کا آپ مجھ پر الزام لگا رہے ہیں کہ میں بھوک ہڑتال کر کے اپنی جان دیدینا چاہتا ہوں۔ مجھے تو یہ امید تھی کہ یہ میرا انتہائی قدم بذات خود کسی خود غرضانہ معنی کی جو آپ مجھ پر عائد کر رہے ہیں کافی طور پر بیخ کنی کر دے گا۔

چنانچہ بغیر کسی اصرار کے میں یہ بیان کرنا چاہتا ہوں کہ میرے لئے یہ معاملہ خالص مذہبی حیثیت رکھتا ہے۔ محض یہ امر کہ اچھوت قوموں کو دو ووٹ حاصل ہوں گے ان کا یا ہندو قوم کا شیرازہ بکھرنے اور تین تیرہ ہونے کی حفاظت نہیں کر سکتا۔ جُداگانہ انتخاب کے قیام میں مجھے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کہ زہر کا انجیکشن لگایا جا رہا ہے۔ جس کا مقصد ہندو مذہب کی بیخ کنی کرنا ہی اور جس سے اچھوت قوموں کو بھی کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوگا۔

اب مجھے ظاہر کرنے کی براہِ عنایت اجازت دیجیے کہ خواہ آپ کتنا ہی ہمدردانہ نظر یہ رکھتے ہوں آپ ایک ایسے معاملہ میں جو فریقین متعلقہ کے کے لئے ایسا ضروری اور مذہبی اہمیت رکھتا ہو کسی درست فیصلہ پر نہیں

پہنچ سکتے۔ اگر اچھوت قوموں کو ضرورت سے زیادہ نمائندگی دے دی جائے تو بھی میں اس کا مخالف نہ ہونگا۔ میں جس امر کے خلاف ہوں وہ آئینی طور پر خواہ وہ محدود شکل ہی میں کیوں نہ ہوں اُن کی ہندوؤں سے علیحدگی ہے۔
جب تک کہ وہ اس کے برعکس خواہش نہ کریں کیا آپ سمجھتے ہیں کہ اگر یہ فیصلہ قایم رہا اور آئین پر عملدر آمد شروع ہو گیا تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہندو ریفارمروں نے جو حیرت انگیز کام کیا ہے اور جنہوں نے اپنے اچھوت بھائیوں کو زندگی کے ہر شعبہ میں اٹھانے کی کوشش کی ہے۔ اس کا تمام کام رُک جائیگا۔
لہذا میں اپنے اس فیصلہ پر قایم ہوں جس کے متعلق میں پہلے آپ کو اطلاع دے چکا ہوں۔ ممکن ہے کہ آپ کی چٹھی سے غلط فہمی پیدا ہو۔ میں یہ بیان کرنا چاہتا ہوں کہ آپ کے فیصلہ سے اچھوت قوموں کے سوال کو علیحدہ کرنے کے یہ معنی نہیں ہیں کہ میں نے آپکے فیصلہ کے بقایا حصوں کو پسند کر لیا ہے میرے خیال میں فیصلہ کے دیگر حصے نہایت قابلِ اعتراض ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ دیگر امور مجھے اس قربانی کے لئے مجبور نہیں کرتے۔ جیسا کہ دلت جاتیوں کے معاملہ نے میرے ضمیر کو مجبور کر دیا ہے۔

آپ کا وفادار دوست
موہن داس کرم چند گاندھی

سیاسی اسیروں کی درگت

امراؤتی اور رائے پور کی جیلوں میں سیاسی اسیروں پر جو ہولناک مظالم توڑے گئے۔ ان کی ایک ہلکی سی جھلک کونسل کے ممبروں کی ان تقریروں سے معلوم ہو سکتی ہے جو انہوں نے سی پی کونسل میں کیں۔

انہوں نے بتایا کہ ۲۱ ، اپریل کی شام کو قیدیوں نے خراب سبزی اور سڑی گلی پتیاں کھانے سے انکار کر دیا تھا۔ اس لئے انہیں زدوکوب کیا گیا۔ اس مار پیٹ کے سبب قیدیوں نے دوسرے دن کھانا کھانے سے انکار کر دیا۔

جیل کے ارباب اختیار نے نہ صرف کھانا واپس بھیج دیا بلکہ بارکوں سے پانی بھی ہٹوا دیا۔ اور ۲۲ ، اپریل سے ۲۶ ، اپریل تک بارکوں کے دروازے نہیں کھولے گئے۔ اور اس دوران میں قیدیوں کو بھوک پیاس سے مر جانے کے لئے مقفل کر کے چھوڑ دیا گیا۔

پانچ روز تک قیدیوں کو کھانا تو ایک طرف پانی تک کا قطرہ نہیں دیا گیا۔

امراؤتی میں گرمی بیحد پڑتی ہے۔ اس عرصہ تک بھوک پیاس سے قیدیوں کی جو حالت ہو سکتی ہے ظاہر ہے۔ رفع حاجب کے لئے بھی انہیں بارکوں سے باہر نہیں نکالا جاتا تھا اور انہیں مجبوراً وہیں حاجت رفع کرنی پڑتی اور آب دست کے لئے کپڑے استعمال کرتے پڑتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پانچ روز تک پاخانہ وہیں سڑتا رہا۔

قیدی جب پیاس سے تنگ آجاتے تھے تو پیشاب سے پیاس بجھاتے تھے۔

ممبران کونسل نے یہ بھی بتایا کہ قیدیوں کو ننگا کرکے زدوکوب کیا گیا بیماری کی حالت میں کوڑے لگائے گئے اور بی کلاس کے قیدیوں سے پریڈ کرائی گئی۔ اس سے بھی زیادہ ظلم یہ تھا۔ کہ نابالغ قیدیوں کے ہاتھ کرسی کے نیچے رکھوا کر حکام اس پر بیٹھ جاتے تھے۔

محشرستان بنگال کا نقشہ

بنگال کونسل میں بتایا گیا کہ صوبہ بنگال میں پانچ مہینے کے اندر تحریک سول نافرمانی کی روک تھام کے لئے گیارہ ہزار گرفتاریاں کی گئیں۔ اور ڈیڑھ لاکھ روپیہ جرمانہ کیا گیا۔ گرفتار شدگان میں چھ سو عورتیں شامل تھیں۔

بندوق کی گولیاں

۸ ستمبر ۱۹۳۲ء کو اسمبلی میں بیان دیا گیا کہ جنوری ۱۹۳۲ء سے اب تک خلاف قانون مجمعوں کو منتشر کرنے کے لئے پولس نے بنگال میں سات مرتبہ، یو۔ پی میں سات مرتبہ، بہار و اڈیسہ میں تین مرتبہ، مدراس اور صوبہ سرحد میں ایک ایک مرتبہ گولیاں چلائیں۔ جن سے تقریباً ایک سو آدمی ہلاک اور تین سو زخمی ہوئے۔

ہندوستان بھر میں ہیجان

گاندھی جی کے اس عزم صمیم نے کہ وہ بھوک ہڑتال کر کے جان تک دے دیں گے۔ ملک کے طول و عرض میں فکر و تشویش کی ایک زبردست لہر پیدا کر دی اور عوام کے دلوں کو اس وحشت اثر خبر سے بہت صدمہ پہنچا اُن کی زندگی کو بچانے کے لئے سیاسی حلقے ہر ممکن کوشش کے لئے تیار ہو گئے لیکن حکومت نے اس نازک مرحلے پر بھی گاندھی جی کو رہا کرنا منظور نہ کیا۔ صرف اچھوتوں کی نمائندگی کے سلسلہ میں باہمی غور و خوض کے لئے کچھ سہولتیں دے دیں اور ڈاک پر سے پابندی ہٹالی۔

ملک کی تشویش روز بروز بڑھ رہی تھی اور سیاسی حلقوں میں یہ رجحان پایا جاتا تھا کہ اگر حکومت اپنے فیصلہ میں صرف اپنی مقررہ شرائط کے بموجب ہی تبدیلی کرنے پر اصرار کرے تو متعلقہ فرقوں کو چاہیئے کہ وہ آپس میں باہمی فیصلہ کر کے گاندھی جی کی جان بچائیں۔

چنانچہ اس سلسلہ میں راؤ بہادر ایم سی راجہ اور ڈاکٹر امبیدکر سے تمام امیدیں وابستہ تھیں۔

جواہر لال نہرو کی تشویش

جواہر لال نہرو کو جب دہرہ دون جیل میں گاندھی جی کے اس عجیب ارادے کی خبریں ملیں تو ان کا سکون درہم برہم ہو گیا اور انہیں ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی گولہ آکر پھٹ گیا ہو۔ ان کے دل میں طرح طرح کے

خیالات پیدا ہونے لگے اور ہر قسم کے اتفاقات اور احتمالات سامنے آئے اس برت کے بعض نتائج کا خیال آتا تو ان کا دل بیٹھ جاتا۔ اس تشویش و تفکر کے سبب ان کا توازن ذہنی بگڑ گیا اور انہیں محسوس ہوا کہ ان کے ارد گرد تاریکی پھیل گئی ہے۔ انہیں ایسی کوئی روشنی نہیں دکھائی دیتی تھی جس میں کوئی راستہ نظر آتا۔

انہوں نے گاندھی جی کو سال بھر پہلے اس وقت دیکھا تھا جبکہ ان کی روانگی لندن کے موقعہ پر وہ انہیں چھوڑنے بمبئی گئے تھے۔ انہیں خدشہ تھا کہ کہیں وہ ان کا آخری دیدار ثابت نہ ہو۔

تحریک ہریجن سے جواہر لال کی بیزاری

اسی کے ساتھ ساتھ وہ بیحد پریشان تھے کہ گاندھی جی نے اتنی بڑی قربانی کے لیئے اتنا معمولی اور ضمنی مسئلہ کیوں چنا علاوہ ازیں انہیں یہ بھی خدشہ تھا۔ کہ گاندھی جی کے اس فعل سے آزادی کی تحریک پس پشت جا پڑے گی، اور وہ یہ بھی سوچتے تھے کہ روزہ سے اگر مقصد حاصل ہو بھی گیا اور مشترکہ انتخاب قبول بھی کر لیا گیا تو کیا اس کے معنی یہ نہ ہوں گے کہ حکومت کے پیش کردہ فرقہ وارانہ فیصلہ کو اور اس کی کل تجاویز کو ہم نے جزوی طور پر مان لیا اور اسے منظور کر لیا۔ اور پھر یہ کہ کیا یہ صورت ترک موالات اور سول نافرمانی کے اصولوں کے مطابق ہے۔؟

گاندھی جی کا مشہور برت

۲۰ ستمبر کی دوپہر کو گاندھی جی نے برت شروع کر دیا وہ بیمار تھے

ان کی طبیعت کئی روز سے خراب تھی ۲۳ ستمبر کی سہ پہر کو ان کا جی متلانے لگا اور صحت تشویش ناک طور پر خراب ہو گئی۔ ان کی اس حیرت انگیز قربانی سے ملک بھر میں حیرت خیز بیداری پھیل گئی۔ ان کی زندگی کو بچانے کے لئے ہر طرف سے اپیلیں شائع ہونے لگیں۔ چنانچہ اعلیٰ ہندو اور نیچ ذاتوں کے نمائندوں کی کانفرنس ہوئی کہ اس مسئلہ کو کسی نہ کسی طرح سلجھایا جائے۔

گاندھی جی کی جادوگری

جیل میں جب جواہر لال نہرو کو ملک کی بیداری کی خبریں پہنچیں اور انہیں معلوم ہوا کہ ساری ہندو قوموں میں جوش و خروش کی ایک لہر دوڑ گئی ہے۔ تو انہوں نے کہا کہ یہ دُبلا پتلا آدمی جو یروداجیل میں بیٹھا ہے سماج کے ان تاروں کو کتنی اچھی طرح جانتا ہے جس سے ہندو قوم کے دلوں کو جنبش دی جا سکتی ہے۔

زندگی اور موت کی کشمکش

۲۳ ستمبر کو گاندھی جی کی حالت خراب ہو گئی اور ان کے دوستوں کو ان سے بات چیت نہ کرنے کا مشورہ دیا گیا۔ لوگ صرف آتے اور دیکھکر واپس چلے جاتے تھے۔

۲۴ ستمبر کی صبح کو پھر ان کا جی متلانے لگا۔ پانی پینا چاہا تو لوگوں کی امداد سے بمشکل صرف ایک گھونٹ پیا گیا۔ سردار ولبھ بھائی پٹیل۔ سروجنی نائیڈو اور کستور بائی ان کے پاس تھیں۔ ڈاکٹر نے کہا کہ انکی حالت

یقینی طور پر کمزور ہوتی جا رہی ہے۔ غیر ضروری ملاقاتوں اور گفت و شنید سے ان پر کافی اثر پڑے گا۔ اور اگر یہ سلسلہ جاری رہا تو وہ لب دم ہو جائیں گے۔ اور ایک مرتبہ بھی ایسی حالت ہو گئی تو خواہ برت ترک بھی کیوں نہ کر دیا جائے لیکن جان خطرے میں پڑ جائے گی۔

۲۵ ستمبر کو ڈاکٹروں نے ان کا معائنہ کیا۔ اور انہیں تولا گذشتہ ۴۸ گھنٹے میں ان کا وزن ۲ ½ پونڈ گھٹ چکا تھا اور اس وقت صرف ۹۳ ½ پونڈ وزن رہ گیا تھا۔ انہوں نے نمک کا پانی بھی پینا بند کر دیا تھا اور صرف سوڈا پیتے تھے۔ ان کی صحت بہت تشویشناک حالت اختیار کرنے لگی تھی۔ ان کو چارپائی پر بذریعہ سٹریچر اتارا چڑھایا جاتا تھا اور بعض اوقات ان کے منہ سے کراہنے کی دھیمی آواز نکلنے لگی تھی۔

ڈاکٹروں کا خیال تھا کہ اگر چند ہی گھنٹوں میں گاندھی جی نے اپنا برت ترک نہ کیا تو ان کی زندگی سلامتی کے دائرے سے نکل جائے گی۔ کیونکہ ان کے جسم میں چربی نہ تھی اور وہ صرف اپنے شریانوں اور پٹھوں کی بدولت زندہ تھے اور یہ ایک ایسی صورت تھی جس میں ہر وقت تشنج ہو جانے کا خطرہ تھا۔ کسی کو ان سے ملاقات کی اجازت نہیں دی جا رہی تھی۔ لیکن ماتا سروپ رانی کو یہ اجازت دی گئی۔ انہوں نے گاندھی جی کو ایسی حالت میں دیکھا تو وہ زار و زار رونے لگیں۔ گاندھی جی نے جبر سے کام لے کر اپنے جذبات کو چھپایا اور ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر انہیں بیٹھنے کا اشارہ کیا اور ان کی ہمت بندھائی۔

۲۶ ستمبر کی صبح کو اخبارات کے نمائندے گاندھی جی کا بیان لینے گئے۔ لیکن ان کی آواز اس قدر دھیمی تھی کہ سنائی نہ دیتی تھی۔ آخر کار

مہادیو ڈیسائی نے ان کے منہ کے پاس اپنا کان لے جا کر ان کے الفاظ سنے اور پھر نمائندوں کو بتائے وہ نظارہ بڑا ہی دل سوز تھا دو منٹ تک نمائندے پس و پیش میں رہے لیکن آخر کار انہیں فیصلہ کرنا پڑا کہ مزید گفتگو غیر مناسب ہے۔

وزیر اعظم کے فیصلہ میں تبدیلی

اعلیٰ ذات کے ہندوؤں اور نیچ ذات کے لیڈروں کے درمیان سمجھوتے کی کوششیں برابر جاری تھیں۔ آخر چھ دن کی طویل گفت و شنید کے بعد سمجھوتہ مکمل ہو گیا اور دونوں طرف کے لیڈروں نے وزیر اعظم کے نام بجری تار دیا کہ سمجھوتہ ہو گیا شرائط سے بھی مطلع کیا اور درخواست کی کہ وہ اس سمجھوتے کی روشنی میں بغیر کسی تاخیر کے فرقہ وارانہ حل کا وہ جز منسوخ کر دیں جس کا تعلق نیچ ذات کے ہندوؤں سے ہے تاکہ گاندھی جی کی زندگی کو خطرے سے بچایا جا سکے۔

یہ اٹل فیصلہ تھا کہ گاندھی جی برت اسی وقت ترک کریں گے جبکہ وزیر اعظم اپنے فیصلہ میں سے ہریجنوں کے لئے جداگانہ انتخاب منسوخ کر دیں گے۔

اس سمجھوتے کی رو سے مرکز میں ۱۰ فیصدی نشستیں ہریجنوں کے لئے مخصوص کی گئیں اور قرار دیا گیا کہ ان مخصوص نشستوں کا انتخاب مشترکہ انتخاب کے ذریعہ ہوا کرے۔

برطانوی وزیر اعظم نے غیر معمولی عجلت کے ساتھ اس سمجھوتے کو قبول کر لیا اور اپنے پچھلے اعلان میں اس فیصلہ کے مطابق تبدیلی کر دی

برت کا خوشگوار خاتمہ

۲۶ ستمبر کی شام کو سوا چار بجے وزیر اعظم کی چٹھی گاندھی جی کو پہنچائی گئی انہوں نے چارپائی پر لیٹے لیٹے اس کو پڑھا ایک لمحہ تک کچھ سوچتے رہے۔ اس کے بعد انہوں نے وہ چٹھی ان لوگوں کو دے دی جو اس وقت وہاں ان کے ارد گرد موجود تھے۔ اور کہا اس کا مطلب سمجھاؤ۔

سب لوگوں نے اتفاق رائے سے کہا کہ یہ اعلان قطعی اطمینان بخش ہے اور آپ کو اپنا برت کھول لینا چاہیئے۔ چنانچہ گاندھی جی کو بدقت اٹھایا گیا۔ انکے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ سردار پٹیل اور مہادیو ڈیسائی نے انہیں سہارا دیا اور کملا نہرو نے دو میٹھے لیموں پانی میں نچوڑ کر اور شربت تیار کر کے پیش کیا۔ ماتا کستور بائی نے گلاس ان سے لے کر گاندھی جی کے ہاتھ میں دیا اور انہوں نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے گلاس پکڑ کر تھوڑا سا شربت پیا۔

جواہر لال نہرو اور گاندھی جی کے درمیان تار و نکا تبادلہ

گاندھی جی نے اس موقعہ پر بھی اپنے پیارے ساتھی کو یاد رکھا اور انہیں جیل میں تار دیا کہ کرب و بے چینی کے اس دوران میں تم میرے تصور کی آنکھوں کے سامنے رہے ہو۔ میں تمہاری رائے جاننے کا آرزومند ہوں۔ تمہیں معلوم ہے کہ میں تمہاری رائے کی کتنی قدر کرتا ہوں۔

جواہر لال نہرو کی سزایابی کے بعد گاندھی جی کا یہ پہلا پیام تھا۔ عرصہ بدید کے بعد ان کا پیام پہنچنے سے جواہر لال نہرو کو بڑی مسرت ہوئی۔ اور انہوں

نے سپرنٹنڈنٹ جیل کی اجازت سے گاندھی جی کے نام تار بھیجا۔ اور لکھا کہ آپ کا تار ملنے سے مجھے خوشی ہوئی۔ اور تصفیہ کی اطلاع سے بڑا اطمینان ہوا۔ شروع شروع میں برت کی اطلاع سے بڑی کوفت ہوئی تھی لیکن آخر میں آپ کی فتح یابی کی اطلاع سے گم شدہ اطمینان قلب کو واپس مل گیا۔

پسماندہ مظلوم طبقہ کے لئے جتنی قربانی کی جائے وہ کم ہے۔ کیونکہ آزادی کا معیار درحقیقت ادنیٰ گروہ کی آزادی ہے۔ لیکن اسی کے ساتھ ساتھ مجھے یہ ڈر بھی ہے کہ آپ کی ان باتوں سے ہمارا واحد مقصد پس پشت نہ جا پڑے مذہبی نقطۂ نظر سے میں اس کا مجاز نہیں کہ کوئی حکم لگا سکوں لیکن یہ خدشہ ضرور ہے کہ کہیں آپ کے طریقوں کو دوسرے لوگ بیجا طور پر نہ استعمال کرنے لگیں۔

بہر کیف میں آپ جیسے جادوگر کو کیا مشورہ دے سکتا ہوں۔

تیسری گول میز کانفرنس کے نمائندے

۲۲ر اکتوبر کو تیسری گول میز کانفرنس کے ان نمائندوں کے نام شائع کئے گئے۔ جنہیں شرکت کی دعوت دی گئی تھی لیکن کانگریس کے کسی نمائندے کا نام اس میں شامل نہ تھا۔

کملا نہرو کی شدید علالت

کملا نہرو قلب کی بیماری میں مبتلا تھیں۔ ڈاکٹر سید محمود ان کی تیمارداری میں لگے ہوئے تھے لیکن ۲ر نومبر کی صبح کو دس بجے ان کی حالت بہت زیادہ

خراب ہوگئی اور وہ ماتا سروپ رانی کی گود میں بیہوش ہوگئیں ان ہی دنوں الہ آباد میں ہندو مسلم اتحاد کانفرنس ہو رہی تھی۔ مالویہ جی اور مولانا شوکت علی اتحاد کی زبردست کوشش کر رہے تھے۔ کملا نہرو نے اس حالت میں بستر علالت سے بیان شائع کیا۔ جس میں لیڈروں سے اپیل کی کہ فرقہ وارانہ سمجھوتہ کرنے کے لئے موجودہ موقعہ کو کسی طرح ہاتھ سے نہ جانے دیا جائے۔

کملا نہرو کا علاج برابر جاری تھا لیکن حالت روز بروز ردی ہو رہی تھی۔ ۷ر نومبر کو ان کی طبیعت تشویشناک طور پر خراب ہوگئی۔

معاہدہ اٹاوہ

دسمبر ۱۹۳۲ء میں اٹاوہ بل پاس کر کے حکومت نے ہندوستانی صنعتوں کا بالکل گلا گھونٹ دیا۔ سر عبدالرحیم نے اسمبلی میں اس کی زبردست مخالفت کی۔ لیکن محب وطن ہندوستانیوں کی ایک نہ چلی یہ وہ معاہدہ تھا جس نے ہندوستان کو برطانوی سرمائے اور برطانوی صنعت کا اور بھی محتاج بنا دیا۔ دیگر نوآبادیوں نے جہاں تک ممکن ہو سکا۔ انگلینڈ سے عمدہ سے عمدہ شرائط حاصل کیں لیکن ایک اکیلا ہندوستان تھا جس سے سب کچھ لے لیا گیا۔

داخلہ منادر کے مسودہ قانون کا حشر

گاندھی جی اچھوت ذات کے ہندوؤں کے معاملات سے بہت

زیادہ دلچسپی لے رہے تھے اور ان کے لئے برت رکھ کر جان کی بازی تک لگا چکے تھے۔ اس لئے ہریجن تحریک زوروں پر تھی اور ہر طرف مطالبہ کیا جا رہا تھا کہ نیچ ذاتوں کو اعلیٰ ہندوؤں کے مندروں میں جانے پر کوئی رکاوٹ نہ رہے۔ ملک بھر کے بہت سے مندروں کے دروازے اچھوتوں کے لئے کھول دئے گئے تھے۔ لیکن وہ مندر جن پر قدامت پسند ہندوؤں کا قبضہ تھا بدستور نیچ ذاتوں کے لئے بند تھے ملابار کا مشہور مندر گروایور بھی قدامت پسند ہندوؤں کے زیر نگیں تھا۔ لیکن راج گوپال اچاریہ گروایور میں اچھوتوں کے داخلے پر مصر تھے۔

مندر گروایور زمورن کے زیر تحت تھا جو پہلے ملابار کا راجہ تھا۔ لیکن ملک پر برطانوی راج ہونے کے بعد وہاں کا برائے نام شہزادہ رہ گیا تھا۔ اس کے باوجود وہاں کے تمام ٹرسٹ اور مذہبی انسٹی ٹیوشن اسی کے کنٹرول میں تھے وہ مندر کے رسم و رواج میں تبدیلی کے لئے تیار نہ تھا۔

مندروں کے داخلے میں جو مذکورہ رکاوٹیں تھیں انہیں دور کرنے کے لئے اسمبلی میں ایک مسودہ قانون پیش کیا گیا۔ اس بل کا مقصد یہ تھا۔ کہ جہاں قدامت پسندوں کی اکثریت خود ہی اس بات کے حق میں ہو کہ ہریجنوں کو مندروں میں داخل ہونے دیا جائے وہاں قانونی یا اصلاحی وقتوں کو ان کے راستہ میں حائل نہ ہونے دیا جائے۔

راج گوپال اچاریہ نے اسمبلی کے ممبروں کو اس مسودہ قانون کی تائید پر

راضی کرنے کی انتہائی کوشش کی اور گاندھی جی نے بھی ممبران اسمبلی سے اپیل کی کہ وہ اس مسودہ کی تائید کریں۔

ہندوستان کی ہر معاشرتی ترقی حکومت کی آنکھوں میں کانٹے کی طرح کھٹکتی ہے تاکہ اسے یہاں کی سماجی خرابیوں پر نکتہ چینی کرنے کا موقعہ ملے اس نے داخلہ مندر کے مسودہ قانون کے متعلق بھی یہی طرزِ عمل اختیار کیا۔ اور اس نے اس کے حامیوں کی راہ میں طرح طرح رکاوٹیں ڈالیں۔ اس کو بار بار ملتوی کرتی رہی بالآخر جنوری سنہ ۱۹۳۴ء کے آخری ہفتہ میں لارڈ ولنگڈن نے اس بل کو نامنظور کر دیا۔

مخالفین سے حُسن سلوک کی توقع

سول نافرمانی جاری تھی۔ لوگ جیلوں میں جا رہے تھے۔ کانگریس نے اسمبلی کا بائیکاٹ کر دیا تھا اور کانگریس کے تمام ممبر اسمبلی سے استعفے دے کر چلے آئے تھے۔ ایسی حالت میں ممبران اسمبلی سے گاندھی جی کی اپیل پر جواہرلال نہرو کو حیرت ہوئی۔ یہ اپیل ان لوگوں سے تھی جو کانگریسی ممبروں کی جگہ منتخب ہوئے تھے اور جنہوں نے کانگریس کی ہمیشہ مخالفت کی تھی حکومت کا جا بے جا ساتھ دیا تھا۔ اور حکومت کو جابرانہ قانون کے پاس کرنے میں مدد دی تھی۔

اور یہ وہی لوگ تھے جن کے ہاتھوں تعزیری ضابطوں نے مستقل صورت اختیار کر لی تھی اور جنہوں نے اُٹاوہ کے معاہدہ کو چپ چاپ قبول کر کے ہندوستان کی تجارت کا گلا گھونٹ دیا تھا۔

جواہرلال نہرو کا خیال ہے کہ گاندھی جی کی اس اپیل اور راج گوپال

اچاریہ کی اس جد وجہد سے سول نافرمانی کو نقصان پہنچا اور گاندھی جی نیز کانگریسی لیڈروں کا وہ طرزِ عمل اخلاقاً جائز تھا اور ان ہزاروں آدمیوں سے ایک قسم کی بد عہدی تھی جو جیلوں میں تھے یا اس تحریک کو چلا رہے تھے۔

مقدمہ سازش میرٹھ کا فیصلہ

مشہور مقدمہ سازش میرٹھ ۱۹۲۸ء کے موسم گرما میں شروع ہوا تھا۔ ملزمین پر یہ الزام تھا کہ وہ لوگ ہندوستان میں روسی بالشویک حکومت قایم کرنا چاہتے ہیں۔

تین سال دس ماہ میں اس کی سماعت ختم ہوئی۔ تقریباً ۶۳۷ گواہوں کی شہادتیں قلمبند کی گئیں۔ اس کا ریکارڈ دس ہزار صفحات پر مشتمل ہے۔ اور سولہ لاکھ روپیہ اس پر خرچ ہوا تھا۔

بالآخر ۱۶ر جنوری ۱۹۳۳ء کو اس کا فیصلہ سنایا گیا۔ ۱۶ آدمیوں کو کالے پانی اور گیارہ کو قید سخت کی متعدد سزائیں دی گئیں اور تین آدمی بری کر دیئے گئے

نو سو میل کی چہل قدمی

کاشی پور کے کنور انند سنگھ، بجنور کے مولانا عبد اللطیف اور رام چند کپور جیل میں جواہر لال نہرو کے ساتھی تھے۔ جب یہ تینوں حضرات اپنی میعاد قید کی تکمیل کے

بعد رہا ہو گئے تو جواہر لال وہاں اکیلے رہ گئے۔ اس دوران میں وہ دنیا کی تاریخ لکھ رہے تھے۔ اور اسی زمانہ میں انھوں نے۔ آر۔ ایس۔ پنڈت کی ہوئی تاریخ کشمیر پر، دیباچہ بھی لکھا۔

جیل کے میدان میں صبح و شام چہل قدمی ان کا معمول تھا جیل کا وہ میدان ۴۰ گز لمبا تھا۔ ۶ فروری ۱۹۳۳ء تک انھوں نے اس میدان کے بارہ ہزار چکر لگائے تھے۔ اس طرح تقریباً نوسو میل چہل قدمی کی تھی۔

خون گلچیں سے چمن ہے لالہ زار اب کے برس

ہوم ممبر نے ۲ مارچ کو اسمبلی میں بیان دیا کہ تحریک سول نافرمانی کے دوبارہ شروع ہونے سے جنوری ۱۹۳۳ء کے اختتام تک سول نافرمانی کے سلسلہ میں ۹۰۳۰۰ افراد کو سزائیں دی گئیں۔

جنوری ۱۹۳۳ء کے آخر میں اسیروں کی تعداد جو سزا بھگت رہے تھے۔ ۱۳۷۸۸ تھی!

یوپی میں ۱۳۲۹۔ بمبئی میں ۴ ۱۳۲۔ بنگال میں ۱۲۰۹۱۔ بہار میں ۱۲۷۶۹ سرحد میں ۵۸۲۵۔ مدراس میں ۲۲۳۲۔ پنجاب میں ۱۲،۱۱ افراد سزا یاب ہوئے!

قرطاس ابیض کی اشاعت؟

۱۷ مارچ کی دوپہر کو تین بجے حکومت نے پارلیمنٹری وائٹ پیپر قرطاس ابیض شائع کیا!

وائٹ پیپر میں ہندوستان کے جدید آئینی نظام کے لئے صوبہ وار خود اختیاری کو ضروری قرار دیا گیا۔

صوبہ کی خود اختیاری کی تشریح میں بیان کیا گیا کہ ۔ہر صوبے کے لئے ایک گورنر ہو۔ علاوہ ازیں لیجسلیچر یعنی مجلس مقننہ اور اس کے ساتھ ایگزیکٹو کونسل یعنی مجلس عاملہ ہو جسے صوبے کے اندران امور میں جو کلیتاً صوبے کی حدود میں آئیں مکمل اختیارات حاصل ہوں "۔

بنگال، مدراس، بمبئی، یو۔پی۔ پنجاب، بہار اڑیسہ، صوبہ متوسط، آسام سرحد، اور برہما۔ اس وقت تک ہندوستان کے صوبے تھے۔ قرطاس ابیض، میں تجویز کیا گیا کہ سندھ اور اڑیسہ دو نئے صوبے بڑھا دیئے جائیں۔ سندھ کو بمبئی سے علیحدہ کیا جائے اور بہار کو اڑیسہ سے جدا کر دیا جائے نیز نئے صوبہ اڑیسہ میں مدراس کا ایک حصہ اور صوبہ متوسط کا تھوڑا سا حصہ شامل کر دیا جائے!

ہندوستان کے سب سے بڑے صوبے برہما کے متعلق قرطاس ابیض میں خصوصیت کے ساتھ کوئی بحث نہیں کی گئی!

گورنر چونکہ تاج کا نمائندہ ہوگا اس لئے قرطاس ابیض نے کل اختیارات، اور ذمہ داری گورنر کے سپرد کر دی گورنر کی امداد اور مشورہ کے لئے وزراء کی ایک کونسل مقرر کی۔ وزراء کے انتخاب کے لئے یہ ضروری قرار دیا کہ وہ مجالس قانون ساز کے ۔اراکین میں سے لئے جائیں۔ وزراء کو یہ حق دیا کہ وہ ان اختیارات پر عمل کر سکیں گے ۔جو دستور اساسی کے ذریعہ انھیں حاصل ہوں گے ۔ لیکن ان معاملات میں جنہیں دستور اساسی کی رو سے گورنر کی مرضی پر چھوڑ دیا گیا۔ وزراء کو آئینی طور پر مشورے دینے کا حق نہیں دیا گیا۔ اور اس کے جواز میں بتایا گیا کہ بعض صوبوں میں ایسے بھی ہیں جن کا اپنی پستی کے سبب کسی قسم کی سیاسی ترقی کرنا ناممکن ہے؟

گورنر کو وزیروں کے مشوروں سے اختلاف کرنے کا حق بھی دیا گیا تاکہ جب کبھی ضرورت ہو گورنر اپنی مرضی کے مطابق کام کر سکے!

گورنر کو مندرجہ ذیل امور میں مخصوص ذمہ داریاں دی گئیں!

(ا) صوبے یا اس کے کسی حصہ کے امن وسکون کو سخت خطرے میں پڑنے سے روکنا (ب) اقلیتوں کے جائز مفاد کا تحفظ کرنا۔ (ج) پبلک سروس کے ملازمین کو ان کے حقوق دینا جو دستور اساسی نے ان کے لئے منظور کئے ہیں اور ان کے جائز مفاد کا تحفظ کرنا (د) تجارتی امتیاز کو روکنا (ہ) دیسی ریاستوں کے حقوق کی حفاظت کرنا۔ (و) جن رقبہ جات کے متعلق ... جزوی طور پر خارج رقبہ کے طور پر اعلان ہو چکا ہو! ان کا نظم ونسق حسب قواعد وضوابط کرنا (ی) گورنر جنرل کے ایسے احکام کی تعمیل کرانا جو جائز طریقے پر نافذ کئے گئے ہوں!

وزراء کے انتخاب کے سلسلہ میں گورنر کو یہ ہدایت دی گئی کہ مجلس قانون ساز میں سب سے زیادہ ہر دلعزیز شخص کے مشورے سے وزیروں کو منتخب کرے اور ایسے لوگوں کا تقرر عمل میں لائے جن میں تا حد امکان اہم اقلیتوں کے اراکین شامل ہوں اور جو بہ حیثیت مجموعی مجلس کے بیشتر ارکان کے نزدیک لائق اعتبار ہوں یہ بھی تجویز کیا گیا کہ وزراء یا تو پہلے سے مجلس قانون ساز کے ممبر ہوں، ایک معینہ میعاد کے اندر ممبر ہو جائیں!

گورنر کو خاص معاملات میں اختیارات خصوصی بھی دئے گئے۔ اور اس کی وجہ یہ بتائی گئی کہ ہمیشہ عاملانہ کارروائی گورنر کی مخصوص ذمہ داریوں کی ادائیگی کے لئے کافی نہیں ہوتی۔ اس لئے ضروری ہے کہ گورنر کو بعض مالی اور قانونی اختیارات دیئے جائیں۔ چنانچہ اسے اختیار دیا گیا کہ وہ اپنی مرضی سے مجلس قانون میں مسودہ قانون پیش کر سکتا ہے۔ اور اس پیغام کے ساتھ کہ اس مسودہ کو فلاں تاریخ تک قانون بنا دیا

جائے۔ اور اگر مذکورہ تاریخ تک وہ مسودہ قانون پاس نہ ہو تو گورنر کو اختیار دیا گیا کہ وہ اسے گورنر کے قانون کے طور پر نافذ کر دے!

گورنر کو یہ بھی اختیار دیا گیا کہ وہ اتفاقی ضرورتوں کے واسطے چھ ماہ کے لئے عارضی آرڈیننس جاری کر دے۔ اور اگر چھ ماہ بعد بھی اس کی ضرورت سمجھے تو اتنے ہی عرصہ کے لئے دوبارہ اس کی تجدید کر دی جائے!

اخراجات کی تقسیم کے سلسلہ میں گورنر کو حق دیا گیا کہ وہ اخراجات سالانہ تقسیم میں اپنی ذمہ داری پر ایسی زائد رقمیں شامل کر دے جو اس کے خیال میں اس کی مخصوص ذمہ داریوں کی ادائیگی کے لئے ضروری ہوں!

گورنر کو اس کا بھی مختار بنایا گیا کہ اگر کسی وقت صوبے کی حکومت کو دستور اساسی کے آئین کے مطابق چلانا ناممکن ہو جائے تو وہ تمام اختیارات اپنے ہاتھ میں لے لے!

گورنر جنرل وزیر ہند اور پارلیمنٹ کے روبرو گورنر کی ذمہ داریوں کا بھی تذکرہ کیا گیا۔ کہ جب کبھی گورنر اپنے مخصوص اختیارات سے کام لے۔ یا اپنی مرضی کے مطابق کام کرے تب قانوناً اسے کسی اپنے سے بڑے حاکم کے سامنے جواب دہ ہونا ہی چاہیئے۔ چنانچہ اسے اس قسم کی جواب دہی سب سے پہلے گورنر جنرل کے سامنے اس کے بعد وزیر ہند کی خدمت میں اور سب سے آخر میں پارلیمنٹ میں کرنی ہوگی!

قانون ساز اسمبلیوں کی بنیاد کچھ ضروری ترمیمات کے ساتھ اس کمیونل ایوارڈ پر رکھی گئی جو حکومت نے ۱۶ اگست ۱۹۳۲ء کو جاری کیا تھا۔ اور جس میں جداگانہ انتخاب کا حق تسلیم کر لیا گیا تھا۔

صوبوں کی مجالس قانون ساز کی تشکیل بھی مذکورہ بالا طریقہ ہی پر کی گئی۔ اور

حق رائے دہندگی کی بنیاد ملکیت جائداد پر رکھی گئی۔ ملازمت سے سبکدوش کئے ہوئے لوگوں کو، پنشن خواروں کو، برخاست شدہ افسروں کو نیز نان کمشنڈ افسروں کو اور بادشاہ کی باقاعدہ فوجوں کے سپاہیوں کو بھی حق رائے دہی دیا گیا۔

عورتوں میں سے ان کو رائے دینے کا حق دیا گیا۔ (۱) جن کی اپنی جائداد ہو (۲) ان لوگوں کی بیویوں کو اور بیواؤں کو بھی حق دیا گیا۔ جن لوگوں کے پاس جائداد ہو (۳) ان عورتوں کو جو تعلیم یافتہ ہوں!

ہر صوبے میں مجلس قانون ساز بنانے کی اجازت دی گئی۔ لیکن صوبہ متحدہ مدراس، بہار، اور بنگال کے لئے تجویز کیا گیا کہ وہاں مجلس قانون ساز کے علاوہ ایک بک لیجسلیٹو کونسل (اپر ہاؤس) بھی بنائی جائے جس کے نمائندے ایک محدود حلقۂ انتخاب کے ذریعے چنے جائیں!

صوبوں کی مجالس قانون ساز کو اپنے صوبوں کے انتظامات کی غرض سے قانون بنانے کا اختیار دیا گیا۔ لیکن کوئی ایسا قانون بنانے کی اجازت نہیں دی جس سے بادشاہ یا شاہی خاندان پر اثر پڑے۔ یا برطانوی ہند کے تمام حصہ جات میں تاج کی ملکیت اور بالادستی پر اثر پڑے یا برطانوی قومیت کے قوانین اور بری، بحری، ہوائی فوجی نظام کے قوانین پر اثر پڑے!

تمام مسودہ ہائے قوانین پر گورنر کی منظوری ضروری تھی اور گورنر کو حق دیا گیا تھا کہ گورنر اگر چاہے تو وہ کسی مسودہ کو نامنظور بھی کر سکتا ہے!

صوبے کی مجلس قانون کو یہ اختیارات نہیں دیئے گئے کہ وہ اپنے ہاں کے مستثنیٰ علاقوں کے لئے قانون بنائے مستثنیٰ علاقوں کے لئے گورنر کو اختیار دیا گیا کہ وہ ان کے نظم و نسق کا اہتمام کرے۔ اور بجز وی طور پر مستثنیٰ علاقوں کے لئے بتایا گیا کہ گورنر کے مخصوص فرائض بھی ہونگے۔

مجالس قانون ساز کے طریق کار کے متعلق وضاحت کی گئی کہ وہ اپنے کام کے متعلق ضابطے بنائے لیکن آمدنی کے سالانہ مصارف کے متعلق ایک فہرست دی گئی کہ فلاں امور پر صرف بحث کی جاسکے گی. رائے زنی کی اجازت نہ ہوگی!

گورنر اور وزیر کے ذاتی مصارف اور ان کے اسٹاف کے مصارف ہائی کورٹ اور چیف کورٹ کے ججوں جوڈیشل کمشنروں اور پبلک سروس کے بعض ممبروں کی تنخواہیں اور پنشن نیز، بعض ممبروں کے ورثا کی پنشن اور بعض دیگر رقومات جو اسی قسم کے لوگوں کو دی جاتی ہیں. مصارف کی اس فہرست میں شامل تھیں جن پر رائے زنی کی اجازت نہ تھی۔

یہ بھی تجویز کیا گیا. کہ حکومت کی ایک نئے طریقے سے تشکیل کی جائے جس میں برطانوی ہند کے صوبے اور ہندوستانی ریاستیں دونوں آپس میں وفاقی طور پر متحد ہو جائیں لیکن وفاق میں ریاستوں کی شمولیت ان ریاستوں کی مرضی پر منحصر رکھی گئی کہ وہ چاہیں تو وفاق میں شامل ہوں چاہیں علیحدہ رہیں!

جن معاملات کو فرمانروایان۔ ریاست وفاقی معاملات تسلیم کرلیں گے۔ صرف ان معاملات میں گورنر جنرل، وفاقی مجلس قانون ساز اور وفاقی عدالتیں حکمراں کے، اختیارات استعمال کرسکیں گی۔ لیکن دیگر معاملات میں ریاستوں کی خود مختاری پر کوئی اثر نہ پڑے گا!

مذکورہ وفاق کے لیے یہ لازمی شرط لگائی گئی۔ کہ جب تک اتنی ریاستیں جن کی آبادی ہندوستان بھر کی ریاستی آبادی کی نصف ہو اور جو ان تمام نشستوں میں سے نصف نشستیں حاصل کرسکیں جو ریاستوں کو دی گئیں ہیں۔ وفاق میں شمولیت کے متعلق بادشاہ سے خود خواہش ظاہر نہ کریں گی۔ فیڈریشن کے متعلق کوئی اعلان نہیں کیا جائے گا!

وفاقی حکومت کو وفاقی مجلس کے سامنے ذمہ دار قرار دیا گیا۔ وفاقی حکومت

صوبوں اور ان ریاستوں کے درمیان خاص نقطہ اتصال بنائے گی جو وفاق میں شامل ہوں۔ اس طرح تمام اجزائے ترکیبی کے مابین مرکز کو سلسلہ کی ایک کڑی بنا دیا گیا اور تمام ہندوستان کے امن و سکون کے آخری اختیارات گورنر جنرل کو دیئے گئے اور اس کے جوانہ میں بتایا گیا کہ تاج کے نمائندے کی حیثیت سے گورنر جنرل کے اختیارات ایک مخصوص اہمیت رکھتے ہیں!

ہندوستان یا اس کے کسی حصہ کے امن و سکون کو شدید خطرے میں پڑنے سے روکنا۔ وفاق کی مالی ساکھ اور اقتصادی استحکام کا تحفظ ہندوستانی، ریاستوں کے حقوق کی حفاظت گورنر جنرل کے مخصوص فرائض میں شامل تھی، علاوہ ازیں اقلیتوں کے مفاد، پبلک سروس کے ملازمین کے حقوق اور تجارتی امتیاز کے متعلق گورنر جنرل کو وہی اختیارات دیئے گئے جو صوبے کے گورنر کو دیئے گئے تھے!

امور خارجہ، مذہبی معاملات اور تحفظ کے محکمے وزرا کے دائرہ عمل سے باہر رکھے گئے اور انھیں گورنر جنرل کے محفوظ یعنی غیر منتقل محکمے قرار دیا گیا۔ ان سب معاملات میں گورنر جنرل صرف وزیر ہند اور بالآخر پارلیمنٹ کے سامنے جوابدہ قرار دیا گیا۔ گورنر جنرل تنہا بذات خود اتنا بوجھ نہیں اٹھا سکتا تھا۔ اس لئے تجویز کی گئی کہ اس کی امداد کے لئے کم از کم تین مشیر دیئے جائیں جن کا تقرر وہ خود کرے اور جن کی تنخواہیں اور ملازمت کی شرطیں آرڈر ان کونسل کے ذریعہ طے ہوں!

وفاق مجالس قانون ساز کی تشکیل کے سلسلہ میں تجویز کیا گیا کہ وہ (۱) بادشاہ (۲) کونسل آف اسٹیٹ اور ہوس آف اسمبلی پر مشتمل ہوں گی۔ گورنر، بادشاہ کی نمائندگی کرے گا!

کونسل آف اسٹیٹ میں زیادہ سے زیادہ ۲۶۰ اراکین ہوں گے۔ ان میں سے ۱۵۰ برطانوی ہند کے نمائندے ہوں گے۔ ۱۰۰ کا تقرر ان والیان ریاست کی طرف سے ہوگا جو فیڈریشن (وفاق) میں شمولیت کو منظور کریں گے۔ اور ۱۰ گورنر اپنی مرضی سے کرے گا!

ہاؤس آف اسمبلی میں ۳۷۵ اراکین ہوں گے ان میں سے ۲۵۰ برطانوی ہند کے نمائندے ہوں گے اور ۱۲۵ کو ان ریاستوں کی طرف سے مقرر کیا جائے گا جو وفاق میں شامل ہوں گی!

گورنر جنرل کے مشیر، کونسلرز جو دونوں ایوانوں میں اپنے عہدے کے حق کے اعتبار سے ہر مقصد کے لئے رکن ہوں گے۔ مذکورہ بالا تعداد کے علاوہ نامزد کئے جائیں گے۔ ان لوگوں کا غیر سرکاری ہونا ضروری ہے!

برطانوی بلوچستان کے سلسلہ میں یہ تجویز کیا گیا۔ کہ وہاں وفاقی مجالس قانون ساز کے اختیارات کارفرما ہو سکیں گے!

اخراجات کے متعلق تجویز کیا گیا (۱) شعبہ جات غیر منتقلہ کے اخراجات (۲) وہ اخراجات جو تاج برطانیہ اور ہندوستانی ریاستوں کے حکمرانوں سے رشتہ ارتباط کے قیام میں رونما ہوں اور (۳) وہ اخراجات جو سکرٹری آف اسٹیٹ ان خدمات سے عہدہ برا ہونے کے لئے صرف کرے۔ جو اس پر دستوری قانون نے عائد کئے ہیں۔ مجلس قانون ساز کی رائے کے زیر اثر نہیں رکھے گئے!

اس جدید آئینی تبدیلی کے سلسلہ میں بتایا گیا کہ بعض مدوں میں ہندوستان پر مزید اخراجات کا بار بھی پڑے گا۔ ان نئے اخراجات کی تشریح میں بیان کیا گیا کہ مجالس قانون ساز اور حلقہ ہائے انتخاب کی توسیع کی وجہ سے اور فیڈرل کورٹ

کے قیام سے اور برما کی علیحدگی کے سبب ہندوستان کو سالانہ کافی نقصان رہے گا۔ اسی سلسلہ میں ریاستوں سے تصفیہ کرنے کے لئے اخراجات کا بھی ذکر کیا گیا کہ کروڑہا روپے کا یہ نقصان بھی چندسال برداشت کرنا ہوگا!

بعض نئے ٹیکس اختراع کئے گئے۔ چنانچہ صوبوں کی حکومتوں کو اختیار دیا گیا کہ وہ اگر چاہیں توصوبوں کے باشندوں کی ذاتی آمدنی پر ۱۲ ½ فی صدی تک اضافی ٹیکس عائد کردیں علاوہ ازیں زرعی آمدنی پر بھی ٹیکس لگانے کا حق دیا گیا نیز اور کئی نئے ٹیکس ایجاد کئے گئے!

انڈین سول سروس جو (۱) آل انڈیا سرویسز (۲) پروانشل سرویسز اور سنٹرل سرویسز پر مشتمل ہے کے تحفظات پر خاص زور دیا گیا!

آل انڈیا سرویسز ہیں (۱) انڈین سول سروس (۲) پولیس (۳) جنگلات کے لئے فارسٹ سروس (۴) انجینئرز سروس (۵) میڈیکل (طبی) سروس (۶) ایجوکیشنل (تعلیمی) سروس (۷) اگریکلچرل (زراعتی) سروس (۸) ویٹرنری (علاج حیوانات) سروس شامل ہیں۔ مذکورہ تمام محکموں کے ملازمین کا تقرر وزیر ہند کرتا ہے اور وہی ان کے حقوق کے تحفظ اور ان کی ضروریات کی فراہمی کا ذمہ دار ہوتا ہے!

پروانشل سرویسز صوبوں کے انتظامی محکموں پر مشتمل ہے۔ اس کے لئے ملازمین کا تقرر صوبوں کی حکومتوں کی جانب سے ہوتا ہے!

سنٹرل سرویسز کا تعلق ریلوے، انڈین پوسٹ اینڈ ٹیلیگراف اور امپیریل کسٹم وغیرہ کی اہم ملازمتوں سے ہے۔ ان میں سے بعض تقرر وزیر ہند کی طرف سے اور بعض گورنمنٹ ہند کی جانب سے ہوتے ہیں۔

بتایا گیا کہ مذکورہ تمام سروسیں تاج کی ملازمتیں ہیں۔ اس لئے اجلاس،

قانون ساز کو ان کے تقرر یا ترقی وغیرہ پر کوئی اقتدار حاصل نہ ہوگا۔ اور تجویز کیا گیا کہ ان محکمہ جات کے ملازمین نے جدید آئین کے نفاذ سے پہلے جو کچھ کیا وہ چونکہ، فرائض کی انجام دہی کے سلسلہ میں نیک نیتی سے کیا گیا تھا۔ اس لئے ان میں سے کسی پر دیوانی یا فوجداری مقدمات دائر نہ کئے جاسکیں گے اور ان ملازمین کی نیک نیتی کے سلسلہ میں گورنر یا گورنر جنرل کا سارٹیفکٹ فیصلہ کن تصور کیا جائے گا۔

تمام سرکاری ملازموں کی ملازمت کے سلسلے میں وہ تمام حقوق محفوظ رکھے گئے جو انھیں قبل ازیں حاصل تھے!

ان ملازمین کو جن کا تقرر وزیر ہند کی طرف سے کیا جاتا ہے۔ مزید طور پر یہ حق دیا گیا۔ کہ وہ اگر کسی وقت سابقہ حقوق سے محروم ہوجائیں تو وہ مناسب اور معقول تاوان لے سکیں گے۔ تاوان کی ادائے گی کے علاوہ وزیر ہند کو یہ حق، اور دیا گیا۔ کہ وہ اس ملازم کو مزید منصفانہ تاوان دینا چاہے تو دے سکتا ہے!

فیڈرل کورٹ کو فیڈرل نظام اساسی کا لازمی جزو قرار دیا گیا۔ تاکہ فیڈریشن کے مختلف اجزار کے درمیان جو تنازعات پیدا ہوں انھیں سلجھایا جاسکے۔ کیوں کہ فیڈریشن کے کسی ایک جزو کے خلاف کسی دوسرے فرد کی عدالت میں مقدمہ کی سماعت مضحکہ خیز ہوتی ہے!

پریوی کونسل میں اپیل کرنے کا حق بہ دستور باقی رکھا گیا، ہائی کورٹس کے سلسلہ میں تجویز کیا گیا کہ ہر ہائی کورٹ میں ججوں کی کم از کم ⅓ تعداد ایسی ہو۔ جو انگلستان، سکاٹ لینڈ یا آئر لینڈ کے بیرسٹرز ہوں اور کم از کم ⅓ تعداد انڈین سول سروس کی رکن ہو۔ ہائی کورٹس کے اخراجات کے سلسلہ میں طے کیا گیا کہ گورنر اپنے وزراء کے مشورے سے جو رقم منظور کرے گا وہ مجلس قانون ساز میں ووٹ کے لئے پیش نہ کی جائے گی۔

کھوکھلی اور بے معنی دستاویز

ہندوستانی رہناؤں نے وائٹ پیپر کو بالکل غیر تسلی بخش اور مایوس کن قرار دیا۔ ان کا سوال تھا کہ۔ گورنر جنرل کو مخصوص اختیارات دینے کے بعد باقی ہی کیا بچا جو انتہائی فیاضی کے ساتھ ہندوستان کو عطا کیا جا رہا ہے:

مکمل آزادی کی بجائے ہندوستان کو جو صوبے جاتی آزادی دی گئی۔ وہ بھی محض ایک کھلونا تھا۔ ہر گورنر کو اپنے صوبے میں تقریباً وہی مخصوص اختیارات حاصل تھے جو گورنر جنرل کو حاصل تھے۔ جہاں تک ہندوستان کی ترقی اور بہبودی کا تعلق ہے وائٹ پیپر معنوی اعتبار سے بالکل ایک سفید کاغذ کے مانند تھا۔ اور صحیح معنوں میں سادہ کاغذ تھا۔ محب وطن رہناؤں کی نظروں میں اس کی قیمت اس کاغذ کی قیمت کے برابر بھی نہ تھی جس پر اسے شائع کیا گیا تھا۔

وائٹ پیپر پر جواہرلال نہرو کی تنقید

وائٹ پیپر کے متعلق جواہرلال نہرو کی ایک تحریر کا اقتباس درج ذیل ہے۔

یہ ایک عجیب و غریب تحریر تھی جسے پڑھ کر انسان دم بخود رہ جاتا تھا اس میں یہ تجویز تھی کہ ہندوستان موجودہ ریاستوں کا شاندار نمونہ بنا دیا جائے اور اسکی فیڈریشن میں ان ریاستوں کے قدامت پسند نمائندوں کا اثر غالب ہو مگر ان ریاستوں کے اندر باہر والوں کا کوئی اثر نہ ہو اور ان میں بدستور استبداد کا دور دورہ ہو شہنشاہی کی اصل کڑیوں یعنی قرض کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہم ہمیشہ لندن کے صرافے کے غلام رہیں اور زر کی پالیسی ریزرو بنک کے توسط سے بنک آف انگلینڈ کے ہاتھوں میں رہے اور

تمام مستقبل حقوق رکھنے والے طبقوں کی حفاظت اس طرح کی جائے کہ اس میں کوئی دست اندازی نہ ہو سکے بلکہ حقوق رکھنے والے طبقے پیدا کئے جائیں شاندار امپریل سروسیں جن سے ہمیں دلی الفت ہے۔ بدستور آزاد اور خود مختار رہیں۔ تاکہ وہ ہمیں آہستہ آہستہ حکومت خود اختیاری کی تربیت دیں صوبوں میں خود اختیاری حکومت ہو لیکن اگر گورنر ایک شفیق مختار کل کی حیثیت سے ہمیں راہ بتاتا رہے اور سب کے اوپر حاکموں کا حاکم، مختاروں کا مختار، وائسرائے ہو جسے سیاہ سفید کا اختیار حاصل ہو سچ تو یہ ہے کہ برطانیہ کے حکمراں طبقے کو نوآبادیوں پر حکومت کرنے کا جو ملکہ حاصل ہے اس کا کمال اس وائٹ پیپر میں نظر آیا۔

ہندوستان کو اس دستوری زنجیروں میں جکڑنے کے بعد خاص ذمہ داریوں اور تحفظات کی بیڑیاں اس کے پیر میں ڈالدی گئیں۔ تاکہ بدنصیب قیدی ہل بھی نہ سکے۔ مسٹر چیمبرلین کے بقول برطانیہ نے انتہائی کوشش سے ان تجویزوں کے ساتھ ان تمام تحفظات کو منتھی کر دیا تھا جو انسان کی عقل سوچ سکتی تھی!

اس کے بعد ہمیں یہ بھی جتا دیا گیا کہ ان عنایات کے بدلے میں ہمیں، ایک بھاری رقم ادا کرنی پڑے گی۔ چند کروڑ یکمشت اور پھر سالانہ قسطیں ظاہر ہے کہ سوراج کی برکتیں بغیر معقول قیمت دیئے ہوئے کیوں کر حاصل ہو سکتی ہیں۔ ہم کو یہ دھوکہ تھا کہ ہندوستان غریب ملک ہے اور بھاری بوجھ کے نیچے دبا ہوا ہے اور ہمیں امید تھی کہ جس وقت آزادی ملے گی تو یہ بوجھ ہلکا ہو جائے گا۔ مگر معلوم ہوا وہ تو اور بڑھ گیا!

ہندوستان کے مسئلہ کا یہ مضحکہ خیز حل اس متانت سے پیش کیا گیا۔

جو برطانوی قوم کے حصّے میں آئی ہے اور ہم سے کہا گیا کہ دیکھو تمھارے حکمراں، کس قدر فیاض ہیں۔ آج تک کسی شہنشاہی حکومت نے اپنی محکوم قوم کو اتنے اختیارات اور حقوق اپنی خوشی سے نہ دیئے ہوں گے۔ انگلستان کے اندر ان سخی داتاؤں میں اور ان لوگوں میں جو اس سخاوت کو دیکھ کر دہشت زدہ رہ گئے تھے اور اس کی بڑی مخالفت کر رہے تھے۔ بڑی بڑی بحثیں ہوئیں۔ اس آمدورفت کا جو ہندوستان اور انگلستان کے درمیان تین سال سے ہو رہی تھی تین۔ گول میز کانفرنسوں اور بے شمار کمیٹیوں کا یہ نتیجہ تھا!

انڈین سول سروس میں ملازمتوں کا تناسب

سنہ ۱۹۳۳ء میں انڈین سول سروس میں یوروپین اور ہندوستانی افسروں کی کل تعداد بہ تقسیم محکمہ جات اس طرح تھی:۔

	یوروپین	ہندوستانی	میزان
سول سروس	۸۱۹	۴۷۸	۱۲۹۷
پولیس	۵۰۵	۱۵۲	۶۵۷
فارسٹ سروس	۲۰۳	۹۶	۲۹۹
انجینئر سروس	۳۰۴	۲۹۲	۵۹۶
میڈیکل (طبّی) سروس	۳۰۰	۹۸	۳۹۸
ایجوکیشنل (تعلیمی) سروس	۹۶	۷۹	۱۷۵
اگریکلچرل (زراعتی) سروس	۴۶	۳۰	۷۶
ویٹرنری (علاج حیوانات) سروس	۳۰	۲	۳۲
	۲۲۰۳	۱۲۲۷	۳۴۳۰

ہندوستان کی آمدنی اور خرچ کے تخمینے

دوران سال ۳۴-۱۹۳۳ء میں ہندوستان کی آمدنی اور خرچ کے تخمینے حسب ذیل تھے!

آمدنی مرکز

	روپیہ کروڑ	پونڈ ملین
کسٹم خالص	۵۰٫۲۷	۳۷٫۷۰
انکم ٹیکس "	۱۷٫۲۱	۱۲٫۹۱
نمک "	٫۶۰	۵٫۷۰
دیگر ٹیکس "	۰٫۶۰	۰٫۴۵
خالص ٹیکسوں کی آمدنی	۷۵٫۶۸	۵۶٫۷۶
افیون خالص	٫۰۶۳	۰٫۴۷
ریلوے "	×	×
کرنسی اور دارالحرب	۱٫۱۱	۰٫۸۳
ریاستوں سے آمدنی	۰٫۷۴	۰٫۵۶
میزان	۷۷٫۱۶	۵۸٫۶۲

اخراجات مرکز

	روپیہ کروڑ	پونڈ ملین
پوسٹ اور ٹیلیگراف خالص	۰٫۶۱	۰٫۴۶
قرضہ جات	"	"
سود خالص	۸٫۹۷	۶٫۷۳
قرضہ جات کی کٹوتی	۶٫۸۹	۵٫۱۷
سول انتظام خالص	۸٫۷۶	۶٫۵۷
پینشنیں "	۳٫۰۲	۲٫۲۶
حفاظتی فوجوں کے اخراجات "	۴۶٫۲۰	۳۴٫۶۵
صوبہ سرحد کی امداد "	۱٫۰۰	۰٫۷۵
متفرقات خالص	۰٫۷۴	۰٫۵۵
میزان	۷۷٫۹۱	۵۸٫۴۳

صوبوں کی آمدنی

روپیہ کروڑ — پونڈ ملین

صوبوں کے اخراجات

روپیہ کروڑ — پونڈ ملین

زمین کی مالگزاری ۳۵٫۲۹ ۲۶٫۴۷ اخراجات وصولی مالگزاری

آب کاری	۱۴ر۰۵	۱۱ر۴۴	اور تمام انتظامات	۱۴ر۰۶	۱۱ر۱۴
اسٹامپ	۱۲ر۴۰	۹ر۳۰	پولس	۱۲ر۳۸	۹ر۲۵
رجسٹری	۱۱ر۱۴	۵ر۸۵	جیل اور عدالت	۷ر۶۶	۵ر۷۵
ٹیڈ بولڈ ٹیکسیز	۰ر۷۴	۰ر۵۶	قرضجات	۴ر۲۱	۳ر۱۶
میزان آمدنی ٹیکس	۱۱ر۶۴	۸ر۸۴	پنشنیں	۵ر۸	۳ر۸۱
جنگلات خالص	۰ر۶۹	۰ر۵۲	تعلیم	۱۱ر۸۰	۸ر۸۵
آبپاشی ,,	۰ر۴۹	۰ر۳۷	طب اور صحت عامہ	۵ر۲۳	۳ر۹۲
متفرقات	۱۱ر۳۲	۸ر۴۹	زراعت وحرفت	۲ر۸۹	۲ر۱۷
صوبہ سرحد کے امداد کے سلسلہ میں	۱ر۰۰	۱ر۷۵	سول کام	۸ر۳۳	۶ر۲۵
			متفرقات	۷ر۳۴	۵ر۵۱
میزان	۷۷ر۶۱	۵۸ر۲۱	میزان	۷۹ر۷۸	۵۹ر۸۳

لاٹھیوں کے سائے میں کانگریس کا اجلاس

۳۳ء کے ابتدائی مہینوں میں تحریک ہریجن پورے شباب پر تھی۔ اس تحریک کے سبب سول نافرمانی کو نقصان پہونچا بہت سے کانگریسی رہنما تحریک ہریجن کی طرف متوجہ ہو گئے۔ اس کے باوجود سول نافرمانی کسی حد تک جاری تھی۔ اور اپریل میں ہونے والے کانگریس کے سالانہ اجلاس کے سلسلہ میں پوری دل چسپی کا اظہار کیا جا رہا تھا۔ ۲۲ر مارچ کو کلکتہ کانگریس کی استقبالیہ کمیٹی کے صدر اور سکریٹری کو حکومت نے گرفتار کر لیا۔ اس کے بعد یکے دیگرے کئی چیرمین اور سکریٹری منتخب کئے گئے اور حکومت انھیں گرفتار کرتی رہی!

اجلاس کو روکنے سے پہلے حکومت نے زبردست پیش بندیاں کیں۔ کلکتہ اور

گرد و نواح کے بہت سے مکانات پر پولس نے چھاپے مارے اور وہاں سے سینکڑوں ڈیلی گیٹ گرفتار کر لئے۔ ریلوے سٹیشن پر زبردست پہرے تھے اور جس پر ڈیلی گیٹ ہونے کا شبہ ہوتا اس کو گرفتار کر کے جیل بھیجدیا جاتا تھا۔ تین دن تک کلکتہ کے تمام باغات حکماً بند رکھے گئے۔ اور مالک مکانات کو نوٹس دیدیا گیا کہ وہ ڈیلی گیٹوں کو اپنے ہاں نہ ٹھہرائیں!

پنڈت مدن موہن مالویہ کو اجلاس کلکتہ کا صدر منتخب کیا گیا تھا۔ ۳۰ مارچ کو وہ ماتا سروپ رانی نہرو۔ ڈاکٹر سید محمود اور پنڈت گووند کانت مالویہ کے ہمراہ بذریعہ کلکتہ میل کلکتہ روانہ ہوئے لیکن صبح ۴ بجے اسنسول کے سٹیشن پر ان سب کو گرفتار کر لیا گیا!

کلکتہ اجلاس کے لئے ملک بھر سے بائیس سو ڈیلی گیٹ آئے تھے۔ بہت سوں کو راستہ میں گرفتار کر لیا گیا۔ بہت سے کلکتہ پہونچتے ہی گرفتار ہوئے لیکن پولیس کی ان تمام پیش بندیوں کے باوجود گیارہ سو ڈیلی گیٹ جلسہ گاہ میں پہونچ گئے!

حکومت کی سرتوڑ کوششیں رائیگاں گئیں۔ اور یکم اپریل کو اسپلنڈ پر جو شہر کے عین وسط میں اور گورنمنٹ ہاؤس کے بہت ہی قریب واقع ہے کانگریس کا ۴۷ واں اجلاس منعقد ہوا۔ پولس نے لاٹھی چارج کیا۔ لیکن اس کے باوجود ہجوم نے منتشر ہونے سے انکار کر دیا۔ اور لوگ زمین پر بیٹھ گئے۔ اور ریزولیوشن پاس کئے گئے!

سہ پہر کو ۴ بجے ملتوی شدہ اجلاس چیت پور جیسے گنجان بازار میں منعقد ہوا۔ سات ریزولیوشن متفقہ طور پر پاس کئے گئے۔ اس کے بعد اجلاس کے صدر کو گرفتار کر لیا گیا اور مجمع پر لاٹھی چارج ہوا!

اجلاس کی پہلی صدارت مسز جے۔ ایم۔ سین گپتا نے کی تھی۔ بعدازاں یکے بعد دیگرے پانچ پریزیڈنٹ گرفتار کیے گئے۔ پچھتر عورتیں حراست میں لی گئیں اور کئی سوڈیلی گیٹ جیل بھیج دیے گئے!

۱۳ اپریل کو ماتا سروپ رانی نہرو اور ان کے ہمراہیوں کو رہا کردیا گیا۔

جسمانی سزائیں!

۲۶ اپریل ۱۹۳۳ء کو دارالعلوم میں نائب وزیر ہند نے بتایا کہ سول نافرمانی کے سلسلہ میں ۱۹۳۲ء میں پانچسو سے زیادہ اسیروں کو بید کی سزادی گئی!

حکومت کے نام گاندھی جی کا تار؟

اپریل ۱۹۳۳ء کے آخر میں گاندھی جی نے تحریک ہریجن کے کارکنوں میں سچی اسپرٹ پیدا کرنے کے خیال سے ۲۱ روز کا برت رکھنے کا ارادہ کیا چنانچہ انھوں نے یکم مئی ۱۹۳۳ء کو بذریعہ تار حکومت کو اطلاع دی کہ ایسے اسباب کی بنا پر جو کلیتاً تحریک ہریجن سے متعلق رکھتے ہیں اور جن کا حکومت سے کوئی واسطہ نہیں ہے میں ۲۱ روز کا غیر مشروط اور ناقابل تنسیخ برت رکھوں گا جو ۸ رمئی کی دوپہر کو شروع ہو کر ۲۹ رمئی کی دوپہر کو ختم ہو گا۔ برت کے دوران میں صرف پانی سوڈا اور نمک استعمال کروں گا۔ میں یہ برت ایک دم شروع کر دیتا لیکن ایک اسیر ہونے کی حیثیت سے اور اس خیال سے کہ مقامی حکومت برت کے متعلق جملہ انتظامات کر سکے اور حکومت کو کسی قسم کی پریشانی نہ ہو میں نے برت شروع کرنے سے پہلے حکومت کو اطلاع دینی ضروری سمجھی۔"

نشانِ راہ؟

جواہر لال نہرو کو جیل میں جب گاندھی جی کے اس خیال کی خبر ملی کہ وہ ۲۱ روز کا ناقابل تنسیخ برت رکھ رہے ہیں تو انھیں بڑا صدمہ ہوا۔ لیکن آخر کار انھوں نے اسے ایک ناگزیر حادثہ سمجھ کر قبول کر لیا۔

گاندھی جی نے اپنے مخصوص انداز میں جواہر لال نہرو کو خط بھیجکر اپنے ارادہ کی اطلاع کی۔ جواہر لال نہرو اپنی کہانی میں لکھتے ہیں کہ "یہ برت میری سمجھ میں تو نہیں آتا تھا۔ اور اگر فیصلہ سے پہلے مجھ سے رائے لی جاتی تو میں اس کی سختی سے مخالفت کرتا!

لیکن چونکہ گاندھی جی طے کر چکے تھے کہ وہ برت ضرور رکھیں گے۔ اس لئے انھوں نے اس کو ترک کرانے پر اصرار کیا اور گاندھی جی کو تار سے اطلاع دی کہ۔

"آپ کا خط ملا۔ جن باتوں کو میں سمجھتا ہی نہیں۔ ان کی بابت کیا کہہ سکتا ہوں معلوم ہوتا ہے کہ پردیس میں بھٹک گیا ہوں۔ نشان راہ اگر کوئی ہے تو فقط آپ کی ذات ہے۔ اندھیرے میں راہ ٹٹولتا ہوں اور ٹھوکریں کھاتا ہوں۔ کچھ بھی ہو میرا خیال اور میری محبت آپ کے ساتھ ہے"

گاندھی جی کا اکیس روزہ برت؟

۸ مئی کی دوپہر کو ۱۲ بجے گاندھی جی نے اکیس روز کا ناقابل تنسیخ برت رکھا۔ اور دنیا بھر کے دوستوں سے درخواست کی کہ وہ دعا کریں کہ زندہ رہوں یا مر جاؤں لیکن جس مقصد کے لئے میں نے برت رکھا ہے اس کو فروغ حاصل ہو اور میں آزمائش میں پورا اتروں۔

گاندھی جی کی رہائی؟

جس روز گاندھی جی کا برت شروع ہوا اسی روز حکومت نے کمیونک جاری کیا کہ برت کی نوعیت کے لحاظ سے نیز اس کا مقصد کو مد نظر رکھ کر جس کا اظہار کیا گیا ہے۔ حکومت نے فیصلہ کر لیا ہے کہ گاندھی جی کو رہا کر دیا جائے۔

۸ مئی کی رات کو ۹ بجے گاندھی جی کو رہا کر دیا گیا۔ گاندھی جی رہائی کے بعد سیدھے لیڈی وٹھل داس کے بنگلے پر پہونچے۔

گاندھی جی کے نام جواہر لال نہرو کا تار

جواہر لال نہرو گاندھی جی کے برت کو ناپسند کرتے تھے لیکن اس خیال سے کہ گاندھی جی اپنے آپ کو اس تکلیف کی آزمائش میں ڈالنے پر تلے ہوئے ہیں۔ اور ممکن ہے کہ وہ اس میں زندگی ہی سے ہاتھ دھو بیٹھیں انہوں نے انہیں دلدہی کا پیام بھیجنا ضروری سمجھا اور بذریعہ تار اطلاع دی کہ:-

"اب جبکہ آپ نے اپنی عظیم الشان مہم شروع ہی کر دی ہے میں اپنی محبت اور تبریک کا ہدیہ پیش کرتا ہوں اور یقین دلاتا ہوں کہ اب مجھے بہت صاف محسوس ہو رہا ہے کہ آپ زندہ رہیں یا شہید ہو جائیں دونوں حالتوں میں آپ کی شاندار فتح ہو گی"

سول نافرمانی کا التوا

گاندھی جی نے رہائی کے فوراً ہی بعد کانگریس کو مشورہ دیا کہ وہ چھ ہفتہ کے لئے سول نافرمانی ملتوی کر دے اور حکومت سے اپیل کی کہ وہ تمام آرڈی نینس واپس لے لے اور سیاسی اسیروں کو رہا کر دے۔ اور یقین دلایا کہ

میں سمجھوتے کے اس دھاگے کو جوڑنے کی پھر کوشش کروں گا۔ جس کو انگلینڈ سے واپس آنے پر جوڑنے کی کوشش کی تھی "

گاندھی جی کے مشورہ کے مطابق کانگریس نے چھ ہفتہ کے لئے سول نافرمانی ملتوی کردی!

التوا سے جواہر لال نہرو کو صدمہ

جواہر لال نہرو کو جیل میں سماجی اصلاح اور ہریجن تحریک سے دلچسپی نہ تھی انھیں یہ بات ناگوار گذری کہ تحریک ہریجن کے سبب سول نافرمانی کو ملتوی کیا گیا انہوں نے لکھا ہے کہ:۔

التوا کی وجہ سے تحریک کا رہا سہا زور ختم ہو گیا۔ کیونکہ لڑائی کوئی کھیل نہیں ہے کہ اسے جب چاہو شروع کر دو اور جب چاہو بند کر دو۔

حکومت کا تعاون سے انکار

حکومت نے فوراً ہی اپنے ایک بیان میں گاندھی جی کی اپیل کو ٹھکرا دیا اور سول نافرمانی کے اسیروں کو رہا کرنے سے انکار کر دیا۔ اور کہا کہ سول نافرمانی کے محض التوا سے وہ شرائط پوری نہیں ہوتیں جو قیدیوں کی رہائی کے لئے ضروری ہیں اس لئے حکومت کانگریس سے کسی قسم کی گفتگو کرنے کے لئے تیار نہیں ہے "

۲۱ روزہ کے برت کی تکمیل

۲۱ روز تک گاندھی جی نے زندگی اور موت کی سخت کشمکش میں مبتلا رہ کر

بالآخر ۲۹ رمئی کو ٹھیک گیارہ بجے سنترے کے رس سے اپنا برت کھولا"
ان کی صحت سخت خراب تھی۔ لیکن رفتہ رفتہ وہ رو بصحت ہوتے گئے"!

سول نافرمانی کی التواء کی تجدید

کانگریسی طبقوں میں عام طور پر یہ رجحان پایا جاتا تھا کہ گاندھی جی کی رہائی سے کم از کم یہ فائدہ ضرور اٹھایا جائے کہ ملک کی صورت حالات کے متعلق بحث مشورے کر لئے جائیں اور گاندھی جی کی رائے معلوم کر لی جائے۔ لیکن اس وقت تک گاندھی جی کی صحت نے اس بات کی اجازت نہیں دی تھی کہ وہ جلسوں میں شرکت کر سکیں اس لئے تحریک سول نافرمانی مزید چھ ہفتہ کے لئے ملتوی کر دی گئی!

پونہ کانفرنس؟

۱۲ر جولائی ۱۹۳۳ء کو پونہ میں ایک بے ضابطہ سی کانفرنس منعقد ہوئی جس میں گاندھی جی نے سیاسی صورت حالات کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کیا کہ اس کانفرنس میں سول نافرمانی کی تحریک کو غیر مشروط طریقہ پر واپس لینے پر بھی غور کیا گیا۔ لیکن کانفرنس نے اس تجویز کو منظور نہیں کیا البتہ گاندھی جی کو اجازت دی گئی کہ وہ سمجھوتے کے لئے وائسرائے سے ملاقات کریں گاندھی جی نے بذریعہ تار وائسرائے سے ملاقات کی درخواست کی۔ لیکن وہاں سے جواب آیا کہ جب تک تحریک سول نافرمانی کو واپس نہ لیا جائے گا۔ ملاقات کی، درخواست منظور نہیں کی جا سکتی!

گاندھی جی نے ایک اور تار بھیجا۔ جس میں باعزت صلح کی خواہش کا اظہار

کیا گیا تھا۔ لیکن یہ کوشش بھی ناکام رہی۔

انفرادی نافرمانی!

قومی وقار کے لئے جد وجہد جاری رکھنی ضروری تھی! تاہم سول نافرمانی کو ملتوی رکھا گیا۔ اور ان لوگوں کو جو نافرمانی پر رضامند تھے انفرادی نافرمانی کی اجازت دی گئی!

کانگریس کی تمام جنگی کونسلیں توڑ دی گئیں اور ہر قسم کے خفیہ طریقوں سے کام لینے کی ممانعت کر دی گئی۔ کیونکہ تحریک کی نوعیت دیکھتے ہوئے خفیہ طریقوں سے اخلاقی خرابیاں پیدا کرنے کا احتمال تھا!

سابرمتی آشرم!

تحریک سول نافرمانی کے دوران میں غریب دیہاتیوں نے صدہا قسم کی تکلیفیں جھیلی تھیں۔ گاندھی جی نے بطور اظہار ہمدردی ایثار و قربانی کی نظیر پیش کی انہوں نے سابرمتی آشرم کو توڑ دیا۔ اور آشرم کے باشندوں سے اپیل کی کہ وہ سب کام چھوڑ کر جد وجہد میں شریک ہو جائیں! نیز منقولہ جائیداد رفاہ عام کی غرض سے بعض اداروں کے نام منتقل کر دی۔ زمینیں، مکانات اور فصلیں حکومت کو پیش کر دیں۔ تاکہ دوسرے لوگوں کو ان کا لگان نہ دینا پڑے اور جب حکومت نے اس پیش کش کو نامنظور کر دیا تو گاندھی جی نے یہ چیزیں ہریجن کے لئے وقف کر دیں!

انڈمین میں بھوک ہڑتال!

اس دوران میں جبکہ گاندھی جی حکومت سے سمجھوتے کی کوشش کر رہے تھے۔ حکومت زور وشور سے قوم کو ہر طرح کچلنے کی کوشش کررہی تھی بنگال کے انقلابی تشدد کے مجرم آج جزیرہ انڈمین میں سیاسی قیدی بُرے سلوک کے سبب بھوک ہڑتال کررہے تھے۔ ان میں سے کئی فاقے کرکے مرگئے اور کئی قریب المرگ تھے۔ ہندوستان میں جن لوگوں نے انڈمین کے ان سیاسی قیدیوں کی ہمدردی میں جلسے کئے حکومت نے ان تک کو سزا کر دی ایسی صورت میں سمجھوتے کی کوشش کو جواہر لال نہرو نے سخت ناپسند کیا۔

جے۔ ایم۔ سین گپتا کا انتقال؟

آخر جولائی ۱۹۳۳ء میں جواہر لال نہرو کے رفیق قدیم جے۔ ایم۔ سین گپتا کا انتقال ہو گیا۔ مرحوم ان کے بہت پرانے دوست تھے۔ جواہر لال نہرو جس زمانہ میں کیمبرج میں تعلیم حاصل کررہے تھے۔ اس وقت مرحوم سے ان کی پہلی ملاقات ہوئی تھی۔ جس زمانہ میں جواہر لال نہرو داخل ہوئے مرحوم تعلیم سے فارغ ہو کر سند حاصل کر چکے تھے۔ اس کے بعد ان دونوں نے کانگریس کی ورکنگ کمیٹی میں برسوں کام ساتھ کیا!

مرحوم ۱۹۳۲ء کے شروع میں یورپ سے واپس آئے تھے ہندوستان کے ساحل پر قدم رکھتے ہی انھیں شاہی قیدی کی حیثیت سے گرفتار کرکے نظر بند کر دیا گیا تھا۔ نظر بندی ہی میں ان کا انتقال ہوا۔

جواہر لال نہرو کو جیل خانہ میں مسٹر سین گپتا کے انتقال کی خبر ملی، تو سخت صدمہ ہوا۔ اس رنجیدہ حادثہ پر انہوں نے سوچا کہ جیل کی مصیبتوں اور

باہر کی مسلسل مصروفیتوں کی تاب نہ لاکر ان کے بہت سے ساتھی اس دنیا سے سدھار گئے یا اپنی صحت کھو بیٹھے۔ انہوں نے محسوس کیا کہ سارا ملک انتہائی مصیبتیں اٹھا رہا ہے۔ اس رنجیدہ خیال سے ان پر افسردگی اور اداسی چھا گئی"!

گاندھی جی کی سزایابی!

انفرادی نافرمانی کی خود گاندھی جی نے ابتدا کی۔ گجراتی کسانوں کو سول نافرمانی کی تلقین کرنے کے ارادہ سے انھوں نے گجرات جانے کا پروگرام بنایا۔

روانگی تاریخ یکم اگست مقرر کی گئی گاندھی جی نے حکومت کو قبل از وقت اپنے پروگرام سے مطلع کر دیا تھا۔ چنانچہ مقررہ وقت سے پہلے ہی نصف شب کو گاندھی جی گرفتار کر لئے گئے اور انھیں ۳۴ ساتھیوں سمیت جیل بھیجدیا گیا۔ لیکن ۴ تاریخ کی صبح کو رہا کر کے انھیں حکم دیا گیا کہ وہ پونہ میں رہائش اختیار کریں۔ لیکن حسب توقع گاندھی جی نے یہ حکم ماننے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ رہائی کے صرف نصف گھنٹہ بعد انہیں پھر گرفتار کر لیا گیا اور ایک سال کی سزا دی گئی۔ اور انہیں بڑودہ جیل بھیجدیا گیا!

گاندھی جی کے گرفتار ہوتے ہی انفرادی سول نافرمانی کا سلسلہ زور و شور سے جاری ہو گیا اور عرصہ تک جاری رہا۔

گاندھی جی کا پروٹسٹ اور رہائی!

گاندھی جی کی گرفتاری کے بعد ایک نئی الجھن پیدا ہوئی گاندھی جی

کا اصرار تھا کہ انہیں جیل خانہ میں تحریک ہریجن کا کام کرنے کی وہی سہولتیں بہم پہونچائی جائیں جو پہلے حاصل تھیں۔ اور حکومت بضد تھی کہ کوئی رعایت نہ دی جائے گی!

گاندھی جی نے پروٹسٹ کے طور پر پھر برت شروع کر دیا۔ حکومت ٹس سے مس نہ ہوئی لیکن اس مرتبہ گاندھی جی کی حالت بہت جلد خراب ہو گئی۔ پانچویں دن انھیں قیدی کی حیثیت سے پونہ کے ہسپتال میں بھیجدیا گیا۔ ان کی حالت سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ کچھ دن کے مہمان ہیں۔ انہوں نے سب کو خدا حافظ کہا اور ان چیزوں کے متعلق جو ہسپتال میں ان کے پاس تھیں وصیت کردی۔ لیکن حکومت ان کی موت کا الزام اپنے سر لینے کے لئے تیار نہ تھی۔ چنانچہ اسی روز وہ شام کو یکایک رہا کر دیئے گئے۔ ان کی رہائی عین وقت پر ہوئی۔ اگر حکومت ایک روز بھی اور غفلت کرتی تو گاندھی جی کا بچنا محال تھا!

جیل میں جواہرلال نہرو کا دستور العمل!

جیل میں جواہرلال نہرو کو ورزش کا بڑا شوق تھا۔ سر کے بل کھڑے ہونے میں انھیں بڑا لطف آتا تھا۔ سر کے بل کھڑے ہونے کے بعد دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو آپس میں گونتھ کر ان سے گردن کو سہارا دیا کرتے تھے اور اور کہنیاں زمین پر ٹکی رہتی تھیں اس ورزش کو وہ جسمانی صحت کے لئے بہت مفید سمجھتے ہیں۔ اس کے علاوہ اس ورزش کو اس لئے اور بھی زیادہ پسند کرتے ہیں کہ اس سے ان کے خیال پر بہت اچھا نفسیاتی اثر پڑتا ہے۔ اس کرتب سے جو کسی قدر مضحکہ خیز ہے تفریح محسوس ہوتی ہے اور زندگی خفیف الحرکاتی سے طبیعت

زیادہ مانوس ہو جاتی ہے!

جاڑوں کے دنوں میں جب ان کے جیل کے ساتھی کوٹ ڈانٹے اور دشالیں اوڑھے ہوئے سردی سے کانپا کرتے رہتے تو وہ ننگے جسم دھوپ میں بیٹھ کر سورج کی خوشگوار گرمی کا لطف اٹھایا کرتے تھے!

جواہرلال نہرو کی خوراک

جواہر لال نہرو کو اپنے جسم کی نگہداشت کا کافی خیال رہا ہے۔ کانگریس کے کاموں میں انھیں سخت محنت کرنی پڑتی ہے اور انہوں نے بہت بے ترتیب اپنی زندگی گذاری ہے۔ اس کے باوجود عموماً ان کی صحت بہت اچھی رہی ہے۔ انھیں بیماری اور کمزوری سے سخت نفرت ہے اور موٹاپے کو بھی سخت ناپسند کرتے ہیں وہ ورزش اور تازہ ہوا کے شیدائی ہیں اور سادہ غذا پسند کرتے ہیں۔ ثقیل کھانوں سے وہ ہمیشہ احتیاط برتتے ہیں۔ اور زیادہ کھانے سے بھی پرہیز کرتے رہیں!

کشمیری برہمنوں کی طرح وہ گوشت کھایا کرتے تھے۔ ۱۹۲۰ء میں جب عدم تعاون کی تحریک شروع ہوئی۔ انھوں نے گوشت کھانا ترک کر دیا تھا۔ چھ برس بعد جب وہ یورپ گئے تو وہاں گوشت کا استعمال شروع کر دیا لیکن پھر اس سے رغبت نہ رہی!

جواہرلال نہرو کی رہائی!

جواہر لال نہرو کو ۲۳ اگست کو دہرہ دون جیل سے نینی جیل میں تبدیل کر دیا گیا۔ اس مرتبہ بھی نیک چلنی کی بنا پر انھیں حسب معمول چھوٹ ملی اور دو سال کی سزا میں ۳½ مہینے کم کر دیئے گئے۔ چھوٹ کے دن منہا کرنے کے بعد ان کی

میعاد ۱۲ ستمبر کو ختم ہوتی تھی۔ لیکن ان دنوں ان کی والدہ سخت بیمار تھیں انھیں ہسپتال میں داخل کر دیا گیا تھا۔ ان کی حالت جب نازک ہوئی تو جواہر لال نہرو کی میعاد سزا میں ۱۳ دن کی اور رعایت دیدی گئی اور ۳۰ اگست کو انھیں رہا کر دیا گیا۔

ماتا سروپ رانی نہرو کی علالت!

جواہر لال نہرو رہائی کے فوراً بعد سیدھے اپنی بیمار ماں کے پاس لکھنؤ گئے۔ اور کچھ دن تک ان کے پاس رہ کر ان کی خدمت میں لگے رہے۔ وہ رفتہ رفتہ صحت یاب ہو رہی تھیں۔ لیکن اس کے باوجود وہ عرصہ تک ہسپتال میں صاحب فراش رہیں!

ملا ہے خوبیٔ قسمت سے مہرباں صیّاد

جواہر لال نہرو کی جیل سے رہائی کے اس زمانے میں سیاسی اعتبار سے ہندوستان میں تقریباً ہر طرف خاموشی چھائی ہوئی تھی اور حکومت پبلک کی جد و جہد کو ہر طرح دبانے پر تلی ہوئی تھی اس وقت کی حالت کا نقشہ نہ جواہر نہرو نے ان الفاظ میں کھینچا ہے:

"اس وقت ہندوستان اس قسم کی ریاست کا نمونہ تھا جو صرف پولس کا کام کرتی ہے۔ یعنی پولیس کی ذہنیت حکومت کے تمام شعبوں میں چھائی ہوئی تھی ہر قسم کی مخالفت فوراً دبادی جاتی تھی۔ خفیہ پولیس والوں کا اور جاسوسوں کا جال سارے ملک میں پھیلا ہوا تھا۔ ہر طرف خوف و ہراس طاری تھا۔ ساری فضا میں اخلاقی پستی کے آثار نمایاں تھے۔ صوبوں کی حکومتیں اپنے دیہاتوں میں کوشش کر رہی تھیں، کہ

میونسپلٹی اور لوکل بورڈ کی ملازمت سے کانگریسیوں کو نکال دیا جائے۔ سول نافرمانی کے سلسلہ میں جو لوگ جیل ہو آئے تھے انھیں مدرسوں میں تعلیم دینے یا میونسپلٹی کے کسی اور کام کا اہل نہیں سمجھا جاتا تھا۔ میونسپلٹیوں پر دباؤ ڈالے گئے اور دھمکیاں دی گئیں کہ اگر کانگریسیوں کو برخاست نہ کیا گیا تو سرکاری امداد بند کر دی جائے گی

اسی سلسلہ میں جواہر لال نہرو نے دوسری جگہ لکھا ہے!

"بہیمت کی ایک بین مثال سندھ میں دیکھنے میں آئی وہاں چند مجرموں کو منظر عام پر پھانسی دیدی گئی! چونکہ سندھ میں جرائم بڑھ رہے تھے۔ اس لئے افسروں نے یہ طے کیا کہ ان مجرموں کو سب کے سامنے پھانسی دی جائے تاکہ دوسروں کو عبرت ہو اس وحشیانہ منظر کی دید کے لئے عوام کو ہر طرح کی سہولتیں بہم پہونچائی گئیں۔

غرض رہائی کے بعد میں نے جو ہندوستان کے سیاسی اور معاشی حالات کا جائزہ لیا۔ ان کو میں نے خوشگوار نہیں پایا۔ میرے بہت سے ساتھی جیل میں تھے اور گرفتاریاں برابر جاری تھیں۔ نیز تمام تعزیری ضابطے ہنوز جاری تھے احتساب اخباروں کا گلا گھونٹ رہا تھا۔ اور اس نے ہماری خط وکتابت میں ابتری ڈالی دی تھی"

سنسر کے نام رفیع احمد قدوائی کا خط؟

سنسر کی زیادتیوں سے سیاسی رہنماؤں کی ڈاک کا نظام درہم برہم ہو گیا تھا۔ جواہر لال نہرو کے رفیق کار رفیع احمد قدوائی اس سے بہت زیادہ نالاں تھے۔ سنسر ان کے خطوط کو روک لیتا تھا اور بعض اوقات وہ بہت تاخیر سے ملتے تھے۔ اور اکثر ایسا بھی ہوا۔ کہ ڈاک غائب ہی ہو گئی قدوائی کی خواہش تھی کہ سنسر کا انتظام درست ہو۔ لیکن بڑا سوال یہ تھا کہ اگر اس سلسلہ میں لکھا

جائے تو کسے لکھا جائے کیونکہ یہ کسی کو معلوم ہی نہ تھا۔ کہ ڈاک کو سنسر کون کرتا ہے۔ لیکن قدوائی نے اس کا ایک عجیب حل سوچا۔ انہوں نے سنسر کے نام ایک شکایتی چٹھی لکھی۔ اور جب لفافے میں اسے رکھا اس پر اپنا ہی پتہ لکھدیا۔ یہ تدبیر کارگر ہوئی۔ اور سنسر نے کچھ احتیاط برتنی شروع کردی!

جواہرلال نہرو کی مالی حالت!

جواہرلال نہرو کی رہائی کے بعد ان کے بہت سے خانگی معاملات ان کی توجہ کے محتاج تھے۔ اپنے والد کے انتقال کے بعد ان کو والد کے کاغذات تک دیکھنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ عام طور پر لوگوں کا خیال ہے کہ وہ بہت مالدار آدمی ہیں۔ لیکن ذیل کی تحریر سے معلوم ہوگا کہ یہ خیال کس قدر غلط ہے انہوں نے جیل سے رہائی کے بعد اپنی مالی حالت کے متعلق لکھا۔

"ہم نے اپنے اخراجات بہت گھٹا دیئے تھے مگر اب بھی وہ ہماری موجودہ حیثیت سے زیادہ تھے۔ تاہم جب تک ہم اپنے پرانے گھر میں رہیے ان کا اور گھٹانا مشکل تھا۔ موٹر اب ہمارے پاس نہ تھا۔ کیونکہ ہم اس کا خرچ برداشت نہیں کرسکتے تھے۔ اور یہ اندیشہ بھی لاحق تھا کہ حکومت جب چاہے گی اسی پر قبضہ کرلے گی۔ ہمیں اس قسم کی مالی مشکلات پیش تھیں اور لوگ سینکڑوں خطوط بھیجتے تھے۔ جن میں مجھ سے مالی امداد طلب کی جاتی تھی (سنسران، خطوط کو نہیں روکتا تھا) سارے ملک میں اور خصوصیت کے ساتھ جنوبی ہند میں یہ غلط خیال پھیلا ہوا ہے کہ میں بڑا مالدار آدمی ہوں"!

گاندھی نہرو ملاقات!

ماتا سروپ رانی نہرو کی طبیعت ذرا سنبھلی تو جواہر لال نہرو فوراً گاندھی جی سے ملنے پونہ گئے۔ ان دونوں کی پچھلی ملاقات کو دو سال سے زیادہ عرصہ گذر چکا تھا۔ گاندھی جی جب گول میز کانفرنس کی شرکت کے لئے لندن گئے تھے اس وقت جواہر لال نہرو انھیں الوداع کہنے بمبئی تک ہمراہ گئے تھے۔ وہی آخری ملاقات تھی!

اس سوا دو ڈھائی سال کے عرصہ میں ملک میں بہت سے تغیرات رونما ہو چکے تھے۔ اور لاانتہا باتیں ان دونوں رہنماؤں کی توجہ چاہتی تھیں!

گاندھی جی اس وقت تک کمزور تھے۔ لیکن ان کی حالت روز بروز بہتر ہو رہی تھی۔ ایک دوسرے سے مل کر دونوں کو بے انتہا مسرت ہوئی مختلف مسائل کے متعلق تبادلہ خیالات ہوا۔ اکثر دونوں میں گھنٹوں گفتگو جاری رہی تھی!

کانگریس سے عارضی کنارہ کشی

گاندھی جی اپنے آئندہ پروگرام پر غور کر رہے تھے۔ لیکن عجیب الجھنیں پیش تھیں۔ اگر وہ جیل چلے جاتے تو پھر وہاں تحریک ہریجن کے سلسلہ میں پچھلی رعائتیں نہ ملتیں اور انھیں برت رکھنا پڑتا۔ اس مرتبہ ان کا خیال تھا کہ اگر ان سہولتوں کے حاصل کرنے کے لئے میں نے برت رکھا تو خواہ حکومت مجھے رہا ہی کر دے برت جاری رہے گا۔ اس کے صاف معنی یہی تھے۔ کہ وہ برت رکھ کر جان دیدیں گے!

اس صورت میں بہ ظاہر ان کی موت یقینی تھی اسی لئے سیاسی رہنماؤں نے اس کی تائید نہیں کی!

دوسری شکل یہ تھی کہ وہ عارضی طور پر کانگریس سے کنارہ کشی اختیار کریں اور سارا کام نئی پود کے ہاتھ میں دے دیا جائے لیکن اس طرح یہ خدشہ تھا کہ سول نافرمانی اور ہر قسم کی جدوجہد رک جائے گی اور کانگریس بے یار و مددگار رہ جائے گی۔ اس طرح حکومت اسے اور زیادہ کچل ڈالتی۔ اس لئے اس تجویز کو بھی ناپسند کیا گیا!

تیسری صورت یہ تھی کہ وہ اپنی سزا کی باقی میعاد میں جس میں ساڑھے دس مہینے باقی تھے۔ صرف تحریک ہریجن کا کام کریں۔ البتہ کانگریسی کارکنوں کو وقتاً فوقتاً مشورے دیتے رہیں!

بہت سے سیاسی رہنماؤں کو یہ تجویز بھی ناپسند تھی لیکن اس کے سوا اور کوئی چارہ ہی نہ تھا۔ اس لئے اس آخری تجویز ہی کو ناپسند کیا گیا۔ اور گاندھی جی نے اس مضمون کا ایک اعلان شائع کر دیا۔

اشتراکی خیالات کی اشاعت!

جواہر لال نہرو کے سامنے ایک اہم مسئلہ یہ تھا کہ خود انھیں کیا کرنا چاہیئے۔ کانگریس کا اصولاً پروگرام سول نافرمانی تھا۔ گو وہ افراد تک محدود کر دی گئی تھی۔ جواہر لال نہرو نے غور و فکر کے بعد ہی طے کیا کہ سول نافرمانی کو ملتوی کرنے کا ابھی وقت نہیں آیا۔ اور گو اس کی حالت کمزور ہو گئی تھی لیکن وہ اسے جاری رکھنے کی تائید میں تھے۔ انہوں نے اپنے لئے یہ بھی پروگرام بنایا کہ لوگوں کو اشتراکی اصولوں اور واقعات عالم کی طرف توجہ دلائیں۔ عام لوگوں میں اور خصوصاً کانگریسی کارکنوں میں جو سیاست میں بہت دخل رکھتے ہیں وہ اشتراکی خیالات کی اشاعت اس لئے ضروری سمجھتے تھے کہ آئندہ جب کبھی پالیسی

کے تعین کا موقعہ آئے تو وہ کافی پیش قدمی کے لئے تیار رہیں!

لبرل ذہنیت

دوران قیام پونہ میں ایک روز جواہر لال نہرو گاندھی جی کے ہمراہ سرونٹس آف انڈیا سوسائٹی کے مرکز میں بھی گئے وہاں ایک گھنٹہ تک مختلف مسائل پر گفتگو ہوتی رہی جواہر لال نہرو کو یہ دیکھ کر صدمہ ہوا کہ ایسے دور میں جبکہ دنیا کے سامنے اہم مسائل درپیش تھے، ملک آزادی کی ہمت آزما جنگ میں مصروف تھا۔ سینکڑوں ادارے خلاف قانون قرار دیئے جا چکے تھے۔ کاشت کاروں کی حالت نازک ہو گئی تھی۔ صنعتی کساد بازاری کے سبب ملک بھر میں بے روزگاری کا دور دورہ تھا۔ بنگال اور سرحد میں لرزہ خیز حالات رونما ہو رہے تھے۔ تحریر و تقریر اور اجتماع کی آزادی کو کچلا جا رہا تھا۔ اس کے علاوہ اور بہت سے قومی اور بین الاقوامی مسائل مخصوص اہمیت رکھتے تھے۔ سوسائٹی کے بعض اراکین نے گاندھی جی سے سوالات کئے وہ مذکورہ بالا عنوانات سے متعلق ہونے کی بجائے نہایت ادنیٰ واقعات سے متعلق تھے۔ لبرل حضرات کی اس گفتگو سے جواہر لال نہرو کو یہ محسوس ہوا کہ وہ کسی ایسی خانقاہ میں پہونچ گئے ہیں۔ جس کے رہنے والے مدتوں سے بیرونی دنیا سے کوئی ربط و ضبط نہیں رکھتے!

جواہر لال نہرو کی ذیل کی تحریر سے ہندوستان کے لبرلوں کی ذہنیت پر روشنی پڑتی ہے۔

کسی ملک کے لوگ جس قسم کے سوالات کرتے ہیں وہ ان کی سیاسی نشوونما کا پیمانہ ہوتے ہیں اکثر ان کی ناکامی کا سبب یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے آپ سے

وہ سوالات دریافت نہیں کرتے جو اصل اہمیت کے حامل ہوتے ہیں ہماری سیاسی پستی کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ ہم نشستوں کو فرقہ وارانہ تقسیم پر اپنا وقت اور اپنی قوت ضائع کرتے ہیں اور رنجیدہ ہوتے ہیں۔ فرقہ وارانہ مسئلہ کی موافقت یا مخالفت میں پارٹیاں بناتے ہیں۔ اور ان کے متعلق لاحاصل بحثیں کیا کرتے ہیں اور مسائل کو نظرانداز کر دیتے ہیں جن پر ہماری زندگی اور موت کا دارو مدار ہے۔ اسی طرح وہ سوالات تھے۔ جو اس روز سرونٹس آف انڈیا سوسائٹی مرکز میں پوچھے گئے۔ مذکورہ سوالات اس سوسائٹی اور لبرل پارٹی کی حالت کا آئینہ تھے۔ جن سے عیاں تھا کہ ان لوگوں کے سیاسی اور معاشی عقاید کچھ بھی نہیں اور نہ ان کی نظر میں وسعت ہے۔ ان کی سیاست بس اس قسم کی ہے جس کا ڈرائنگ روم میں یا دربار میں چرچا رہتا ہے"

جواہر لال نہرو کی تحریر کے اقتباس ہیں کہ

لبرل پارٹی کا نام غلط فہمی پیدا کر سکتا ہے۔ اور دیگر مقامات کے ساتھ انگلستان میں اس جماعت کی ایک خاص معاشی سیاست تھی۔ یعنے آزاد تجارت، اور کاروبار کو اس کے حالات پر چھوڑ دینے کا اصول اور شخصی آزادی اور شہری حقوق کا ایک خاص فلسفہ!"

انگلستان کی لبرل پارٹی کی تعلیم اور عقاید کی بنیاد معاشیات پر تھی اور تجارتی آزادی حاصل کرنے اور نہ ہی اجارہ دار اور بے ضابطہ محصولوں سے چھٹکارا پانے کی خواہش نے سیاسی آزادی کا حوصلہ پیدا کیا تھا۔ ہندوستان کی لبرل پارٹی کے عقائد ایسا کوئی پس منظر نہیں رکھتے۔ یہاں کے لبرل آزادانہ تجارت کے قائل نہیں واقعات نے بخوبی واضح کر دیا ہے کہ وہ سیاسی آزادی اور شہری حقوق کو کوئی خاص اہمیت نہیں دیتے۔ ریاستوں میں منصب داری

نظام رائج ہے۔ ان کی حکومت مطلق العنانی پر مبنی ہے اور وہاں جمہوریت اور شخصی آزادی کا نام تک نہیں ہے۔ لیکن اس کے باوجود یہ لبرل حضرات ان سے گہرے تعلقات رکھتے ہیں۔ یہ ایک صفت ہے جو انھیں یورپ کے لبرلوں سے جدا قسم کا بنا دیتی ہے۔ لبرل کے معنی حریت پسند کے ہیں۔ لیکن ہندوستانی لبرل حریت پسند نہیں تسلیم کئے جا سکتے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہ مانا جاسکتا ہے کہ حریت پسندی کہیں کہیں ان سے چھو کر نکل گئی ہے صحیح طور پر یہ سمجھنا کہ وہ درحقیقت کیا ہیں۔ بہت ہی مشکل ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے خیالات کی کوئی بنیاد نہیں ہے۔ وہ تعداد میں بھی کم ہیں۔ لیکن اس کے باوجود ایک دوسرے سے متفق نہیں ہیں۔ ان کی طاقت فقط نفی میں ہے۔ انھیں ہر طرف غلطیاں ہی غلطیاں دکھائی دیتی ہیں اور وہ ان سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں اور امید رکھتے ہیں کہ وہ اس طرح حقیقت تک پہنچ جائیں گے۔

ان کے لئے حقیقت ہمیشہ دو انتہائی مسلکوں کے درمیان کسی جگہ ہوتی ہے۔ وہ اس چیز کے متعلق جس میں انھیں انتہا پسندی کی جھلک نظر آتی ہے۔ اعتراضات شروع کر دیتے ہیں اور وہ اپنے متعلق یہ محسوس کرتے ہیں کہ ہم نیک اعتدال پسند اور اچھے ہیں ان کا یہ طرز عمل انھیں غور و فکر کی تکلیف دہ اور دشوار سلسلوں میں الجھنے سے بچائے رکھتا ہے۔ اور وہ اس پر بھی مجبور نہیں ہوتے کہ اپنی طرف سے کوئی تعمیری خیال پیش کریں!

اگر کبھی یہ بحث چھڑ جائے کہ دنیا گول ہے تو شاید اس خیال کو رد کر دیں گے۔ جس سے انتہا پسندی ظاہر ہوتی ہے۔ اور کام چلانے کے لئے یہ کہہ دیں گے کہ دنیا شاید چوکور یا بیضاوی ہے!

گیت ناچ اور سوانگ سے دلچسپی!

پونہ سے واپسی پر جواہر لال نہرو چند دن بمبئی ٹھیرے انہیں عموماً جیل میں رہنا پڑتا تھا۔ اور جب کبھی مختصر عرصہ کے لئے آزاد بھی ہوتے تو سیاسی مشاغل سر اٹھانے کی فرصت نہیں دیتے۔ اس لئے وہ برسوں سے تھیٹر، سینما موسیقی اور ناطق فلموں سے محروم تھے۔ انہوں نے سینما کے مشہور ایکٹروں کے صرف نام ہی سنے تھے۔ ان کا دل چاہتا تھا کہ تھیٹر دیکھیں اور وہ بڑی حسرت کے ساتھ ان نئے کھیلوں کی خبریں پڑھا کرتے تھے۔ جو غیر ممالک میں کھیلے جاتے ہیں تھالی ہند میں ان کے خیال کے مطابق اعلیٰ معیار کے ناٹک چونکہ ہوتے ہی نہیں اس لئے جب وہ جیل سے باہر بھی ہوتے انہیں تھیٹر دیکھنے کا موقعہ نہ ملتا تھا ان کا خیال ہے ہر بنگالی، مرہٹی گجراتی تھیٹر نے بڑی حد تک ترقی کی ہے۔ لیکن ہندوستانی زبان کا تھیٹر بہت پست حالت میں ہے۔ گاؤں والوں کے گیت ناچ اور پرانے سوانگ جو کہیں اب بھی باقی ہیں۔ ان کے خیال میں بدرجہا بہتر ہیں، بنگال گجرات اور جنوبی ہند کے سوانگوں کے متعلق ان کی رائے ہے کہ گاؤں والے غیر شعوری طور پر بڑا اچھا اور بہت صحیح مذاق رکھتے ہیں۔ اس کے برعکس اوسط طبقہ کے لوگوں کے متعلق ان کی رائے ہے کہ وہ اپنی تہذیب کی جڑ سے الگ ہو گئے ہیں۔ اور فنی روایات سے بالکل کورے ہیں؟

ہارمونیم کو وہ بہت بے تکا ساز سمجھتے ہیں اور وہ تکلیف محسوس کرتے ہیں اس کے متعلق انہوں نے ایک بہت دلچسپ لطیفہ لکھا ہے کہ میں اسی امید پر زندگی بسر کر رہا ہوں کہ سوراج کی حکومت پہلا کام یہی کرے گی کہ وہ اس نامعقول باجے کی ممانعت کر دے۔"

ٹیگور کے نامور خاندان کی سرکردگی میں آرٹ کے صحیح مذاق کو پیدا کرنے کی
جو کوشش ہو رہی تھی، اس سے انہیں حسرت تھی۔ اسی کے ساتھ وہ یہ بھی
جانتے تھے کہ جس ملک کے باشندے ہر قدم پر دبائے اور کچلے جا رہے ہوں
اور وحشت کی فضا میں زندگی بسر کرتے ہوں وہاں کوئی آرٹ ترقی نہیں کر سکتا
بمبئی میں انہیں اودے شنکر کا ناچ دیکھنے کا موقع مل گیا۔ یہ ان کے لئے
بڑی نعمت تھی وہ اس سے بہت محظوظ ہوئے!

گاندھی جی کو خراج تحسین

جواہر لال نہرو بمبئی میں اپنے بہت سے دوستوں اور ہمراہیوں سے ملے
جن میں کچھ ایسے بھی تھے جو اسی دوران میں جیل خانے سے چھوٹ کر آئے
تھے۔ کانگریس کے اونچے رہنماؤں نے جو تازہ ترین فیصلے کئے تھے ان کے
متعلق بہت کچھ مخالفت ہو رہی تھی۔ ان لوگوں کا رجحان یہ تھا کہ حکومت سے
مصالحت کا رویہ اختیار کیا جائے اور کونسلوں میں جا کر آئینی جدوجہد کی جائے!
بہت سے لوگ گاندھی جی کی زبردست مخالفت کر رہے تھے، اور
گاندھی جی کو رجعت پسندوں کا قبلہ گاہ کہتے تھے!
جواہر لال نہرو نے مذکورہ مخالفین کی دلیلوں کو درست تسلیم کیا ہے
لیکن اس کے باوجود گاندھی جی کے وہ صدر ہائے نمایاں کے معترف ہیں اور اس سے
قطع نظر کہ گاندھی جی کی سیاسی خدمات ناقابل فراموش ہیں جواہر لال نہرو
ان کے اس لئے بھی مداح ہیں کہ انہوں نے ہندوؤں کی مذہبی خدمات کر کے
اس پوری قوم کو عزم و وقار بخشا چنانچہ انہوں نے کہا ہے کہ:-
مخالفین کی دلیلیں منطق کے لحاظ سے واقعی صحیح ہیں۔ لیکن وہ لوگ

اس چھوٹی سی بات کو بھول جاتے ہیں کہ وہ" رجعت پسند، ہندوستان کو جانتا ہے بلکہ خود ہندوستان کے کسانوں کا مجسمہ ہے۔ اس نے تمام ملک کو، زیروزبر کر کے رکھ دیا جو کسی بڑے سے بڑے انقلابی سے نہ ہو سکا۔ اس کی تحریک ہریجن کی سرگرمیوں نے نہایت نرمی سے کی لیکن ایسی زبردست طاقت کے ساتھ کیا جس کا کوئی مقابلہ نہ کر سکا۔ کٹر ہندوؤں کی ساری کی، ساری جماعت اس کی مخالفت پر تل گئی۔ اور اسے اپنا زبردست دشمن جاننے لگی۔ اس کے باوجود وہ ہمیشہ ان سے بڑی نرمی اور شرافت کے ساتھ پیش آیا۔ اور اس نے اپنے مخصوص انداز میں بے اندازہ قوتوں کا خزانہ کھول دیا جو سطح سمندر کی ہلکی ہلکی موجوں کی طرح پھیلتی چلی گئیں۔ اور اپنے ساتھ کروڑوں آدمیوں کو بہا کر لے گئیں۔ وہ رجعت پسند ہو یا انقلابی ہو لیکن یہ اسی کی ذات ہے۔ جس نے ہندوستان کا نقشہ بدل دیا ایک پست اور بودی قوم کو عزم وقار بخشا عوام میں بیداری اور قوت پیدا کی اور ہندوستان کے مسئلہ کو دنیا کا مسئلہ بنا دیا۔"

تصویر کا دوسرا رُخ؟

جواہر لال نہرو گاندھی جی کے مداح ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ وہ گاندھی جی کے اقتدار کے مخالف ہیں اور اس کو ترقی کی راہ میں رکاوٹ سمجھتے ہیں۔ اس سلسلہ میں اس نے لکھا ہے:-

" مجھے تسلیم ہے کہ ایمانداری کے ساتھ اگر نکتہ چینی کی جائے تو ہمیں، اس کی قدر اور حوصلہ افزائی کرنی چاہیئے۔ حتی الامکان عوام کو موقعہ دینا چاہیئے کہ وہ ہمارے معاملات پر خوب دل کھول کر بحث کریں۔ یہ بات واقعی قابل

افسوس ہے کہ گاندھی جی کے اقتدار نے ایک حد تک بحث و مباحثہ میں رکاوٹ ڈال دی!

ہندوستان کدھر کو جا رہا ہے!

جواہر لال نہرو ایک ہفتہ پونہ اور بمبئی رہ کر وسط ستمبر ۱۹۳۳ء میں لکھنؤ واپس آ گئے ماتا سروپ رانی اس وقت تک ہسپتال میں زیر علاج تھیں بہو کملا نہرو گو خود علیل تھیں لیکن ان کی تیمار داری میں مصروف رہتی تھیں جواہر لال نہرو کو اس دوران میں دو تین ہفتہ لکھنؤ ٹھہرنا پڑا۔ وہ دن میں دو مرتبہ ہسپتال جایا کرتے تھے۔ اور اوقات فرصت میں ،، ہندوستان کدھر جا رہا ہے ،، عنوان پہ مضامین لکھا کرتے تھے۔ ان مضامین نے اخبارات میں خوب اشاعت پائی اور عوام میں بے حد مقبول ہوئے۔ کابل۔ طہران میں ان کے فارسی ترجمے کئے گئے۔ ان مضامین میں انہوں نے ہندوستانی حالات کا واقعات عالم سے تعلقات ثابت کر کے واقعات کا جائزہ لیا تھا۔

دیہات میں جانے کا جرم

کانگریس کی طرف سے سول نافرمانی جاری تھی اور کانگریس کے ساتھ ساتھ بہت سی انجمنیں اور ادارے بھی خلاف قانون قرار دیئے جا چکے تھے۔ اس لئے جواہر لال نہرو کو قطعی اندازہ نہ تھا کہ وہ کب تک آزادی کی ہوا میں سانس لے سکیں گے۔ اس لئے اس سے پہلے کہ انہیں پھر جیل پہونچا دیا جائے وہ چاہتے تھے کہ اپنی بہن کرشنا کی شادی سے فراغت حاصل کر لیں!

کرشنا نہرو کی نسبت کا اعلان ہو چکا تھا۔ اور شادی میں بہت ہی کم وقفہ رہ

گیا تھا۔ نیز ماتا سروپ رانی نہرو ہسپتال میں رہتے رہتے گھبرا گئی تھیں۔ اس لیے نہرو خاندان الہ آباد واپس آ گیا۔"

وسط اکتوبر ۱۹۳۳ء میں صورت حال پر غور کرنے اور مستقبل کے متعلق اپنا طریقۂ کار طے کرنے کی غرض سے جواہر لال نہرو اور دوسرے سیاسی رہنماؤں نے الہ آباد میں جلسے منعقد کئے اور بحث و تمحیص کے بعد قرار پایا کہ دیہاتی علاقوں سے اپنے تعلقات دوبارہ قائم کئے جائیں اور یہ معلوم کیا جائے کہ تخفیف کے لگان اور حکومت کے تشدد سے کسانوں کا حال کیا ہے لیکن اس فیصلہ کے نتیجہ کے طور پر جو کارکن دیہات میں آ گئے تھے انھیں گرفتار کر لیا گیا۔

رفقائے کار کی گرفتاری کے بعد جواہر لال نہرو نے خود بھی دیہات میں جانے کا پروگرام بنایا لیکن بعض سیاسی کاموں میں الجھ جانے کے سبب وہ فوراً نہ جا سکے اور پھر چونکہ اس کا وقت نکل ہی گیا اس لئے انھیں اپنا دورہ ملتوی کرنا پڑا۔

سول میرج

کرشنا نہرو کی شادی اکتوبر کے تیسرے ہفتہ میں قرار پائی تھی۔ اور یہ طے کیا گیا تھا کہ مروجہ سول قانون نکاح کے مطابق عقد کیا جائے گا کیونکہ برہمن اور غیر برہمن دو مختلف ذاتوں میں رشتہ قایم ہو رہا تھا۔ برطانوی ہندی قانون اس قسم کے رشتوں کی اجازت نہیں دیتا۔ اس لئے سول میرج کا طریقہ اختیار کیا گیا۔

شادی کے سلسلہ میں دو قانون رائج ہیں۔ پہلا قانون وہ تھا جس میں

مطالبہ کرتا ہے کہ وہ تمام مشہور مذاہب سے انکار کر دیں اور یہ بیان داخل کریں کہ ان کا ان مذاہب سے کوئی تعلق نہیں ہے دوسرا قانون سول میرج ہے جو ہندوؤں بدھوں جینیوں اور سکھوں وغیرہ کے لئے مخصوص ہے!

جواہر لال نہرو مختلف فرقوں کے درمیان شادی بیاہ کے حامی ہیں اور لوگوں کو کٹر فرقہ پرست اور متعصب سمجھتے ہیں جو اس قسم کے شادی بیاہوں کی مخالفت کرتے ہیں وہ سول میرج کے قانون میں بھی اس تبدیلی کے خواہشمند ہیں کہ اس کا اطلاق تمام مذاہب کے پیروؤں پر ہو اور سب کو عام اجازت ہو کہ مذہب کی تبدیلی یا کسی دین کو ترک کرنے کا اعلان کئے بغیر آپس میں شادی وبیاہ کر سکیں۔

لاطینی رسم الخط؟

جواہر لال نہرو لاطینی رسم الخط کو عرصہ سے پسند کرتے ہیں اور وہ ترکی اور وسط ایشیا میں اس کامیابی سے متاثر ہیں اور اس کی تائید میں جو دلائل پیش کئے جاتے ہیں۔ ان کا بھی اعتراف ہے لیکن ان تمام امور کے باوجود وہ لاطینی رسم الخط کے حامی نہیں ہیں۔ ہندوستان کے موجودہ حالات میں اس کو اختیار کرنے پر قوم پرستوں،، مذہب پرستوں۔ ہندوؤں مسلمانوں علاوہ بریں بر اپنے اور نئے لوگوں کی طرف سے اس کی جو مخالفت کی جائے گی وہ اس سے بھی واقف ہیں اور معترف ہیں کہ یہ مخالفت محض جبذ باتی نہیں ہو گی۔ کیونکہ خود ان کا اپنا خیال ہے کہ ادب اور رسم الخط کا آپس میں بہت گہرا تعلق ہے۔ اور اس زبان کے رسم الخط کی تبدیلی بہت زیادہ اہمیت رکھتی ہے جس کا ماضی شاندار رہا ہو۔ کیونکہ رسم الخط کے بدلنے سے الفاظ کی شکلیں بدل جاتی ہیں اور آوازیں تبدیل ہو جاتی ہیں اور خیالات میں ردوبدل ہو جاتا ہے۔ وہ

وہ خود اس سلسلہ میں لکھتے ہیں کہ :۔

"ہندوستان میں رسم الخط تبدیل کرنے کا میں تصور بھی نہیں کر سکتا کیونکہ ہمارے ادب اور ہماری زبان کا خزانہ بے حد گراں قدر اور انمول ہے اور ہماری تاریخ اور ہماری ذہنی ترقی اس سے وابستہ ہے علاوہ ازیں عوام کی زندگی کا اس سے گہرا تعلق ہے۔ زبردستی اس قسم کی تبدیلی کرنے کے معنی یہ ہوں گے کہ ہم اپنی زندہ زبان کو بے رحمی سے ذبح کرنا چاہتے ہیں جس سے عوام الناس کی تعلیمی ترقی بالکل مسدود ہو جائے گی"

زبان کے رسم الخط کے متعلق مذکورہ خیالات رکھنے کے باوجود انہوں نے کرشنا نہرو کی شادی کے دعوت نامے اردو زبان اور لاطینی رسم الخط میں چھپوائے ان کے ہاں دعوت نامے ہمیشہ ناگری یا اردو رسم الخط میں چھپوائے جاتے تھے۔ اس لئے لاطینی رسم الخط اختیار کرنا ایک جدت تھی اور محض تجربے کے لئے یہ طریقہ اختیار کیا گیا تھا۔ تاکہ اندازہ ہو سکے کہ مختلف لوگوں پر اس کا کیا اثر ہوتا ہے اس جدت کی مخالفت بھی ہوئی اور خیر مقدم بھی کیا گیا۔ لیکن مخالفت کرنے والوں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ گاندھی جی نے بھی اس جدت کو ناپسند کیا"

کرشنا نہرو کی شادی؟

شادی کے موقعوں پر ہندوستان میں جو دھوم دھام ہوتی ہے۔ جواہر لال نہرو کو اس سے سخت نفرت ہے۔ اس کے علاوہ سول نافرمانی کے جاری رہنے کے سبب ان کے بہت سے ساتھی جیل خانے میں تھے۔ نیز ان کی والدہ بیمار تھیں۔ اس لئے جشن کی صورت پیدا کرنا بے موقع سی بات تھی۔ بدیں وجہ یہ تقریب بہت سادہ طریقہ سے انجام دی گئی"

چار زبانوں کا ایک رسم الخط!

جواہر لال نہرو کی تجویز ہے کہ ہندی، بنگالی، مرہٹی گجراتی کے لئے جو، سنسکرت کی مختلف شاخیں ہیں ایک مشترکہ رسم الخط اختیار کر لیا جائے۔ کیونکہ ان سب کے رسم الخط کی اصل ایک ہے۔ ان کا خیال ہے کہ اس طرح یہ چاروں زبانیں ایک دوسرے سے قریب تر ہو جائیں گی"!

غلاموں کی زبان!

ہمارے فرنگی دوستوں کی طرف سے دنیا بھر میں یہ مشہور کر دیا گیا ہے کہ ہندوستان میں کئی سو زبانیں بولی جاتی ہیں۔ جواہر لال نہرو اس عجیب و غریب واقعہ پر حیرت زدہ ہیں کہ انگریز ہندوستان میں اپنی زندگی کا بڑا حصہ گذار دینے کے باوجود ان سینکڑوں میں سے ایک زبان کو بھی اچھی طرح نہیں سیکھتے۔ اس عنوان پر انھوں نے اس طرح اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے:۔

" واقعی یہ بات حیرت کی ہے کہ انگریز ساری عمر ہندوستان میں گذار دیتے ہیں لیکن ہماری زبان کو باقاعدہ طور پر سیکھنے کی تکلیف گوارا نہیں کرتے انہوں نے اپنے خانساماؤں اور آیاؤں کی امداد سے ایک عجیب و غریب زبان ایجاد کر لی ہے جو گوراشاہی گٹ پٹ ہے یہ اسی کو اصلی زبان سمجھ لیتے ہیں۔ اور یہ جانتے ہی نہیں کہ اردو ہندی میں نیز دیگر ملکی زبانوں میں ہر قسم کا اعلیٰ ادب موجود ہے!

انگریزوں نے ہندوستان کی تمام زبانوں کو ایک ہی درجہ میں شمار کر لیا ہے اور اس کا نام ورناکیولر رکھ لیا ہے۔ جس کے معنی ہیں غلاموں کی زبان۔ کیونکہ لاطینی میں ورناکیولر، کے معنی خانہ زاد غلام کے ہیں جواہر لال نہرو اس امر پر بہت زیادہ

متاسف ہیں کہ ہم میں سے اکثر لوگوں نے بغیر جانے بوجھے اس اصطلاح کو اختیار کر لیا ہے!

انگریزوں کے اس پروپیگنڈہ کا کہ ہندوستان میں کئی سو زبانیں ہیں۔ جواہر لال نہرو نے مسکت جواب دیا ہے وہ لکھتے ہیں!

" اگر ہمیں مردم شماری کی رپورٹ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان میں دو تین سو زبانیں ہیں تو اسی طریقہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جرمنی میں بھی پچاس ساٹھ ہزار زبانیں بولی جاتی ہیں۔ لیکن میں نہیں جانتا کہ کسی نے بھی اس واقعہ کو، جرمنی کے اندر اختلاف اور جھگڑوں کے ثابت کرنے کے لئے یہ طور دلیل پیش کیا ہو"

سلسلۂ تحریر کو جاری رکھتے ہوئے انھوں نے لکھا ہے کہ:۔

" ہندوستان کی وسعت اور رقبہ کو دیکھتے ہوئے مجھے تو اس بات پر تعجب ہوتا ہے کہ یہاں اتنی کم زبانیں کیوں ہیں۔ یورپ کے اسی رقبہ آبادی کا مقابلہ کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ ہم باعتبار زبان ایک دوسرے سے بہت زیادہ قریب ہیں"

ہندوستانی زبانوں کی تعداد!

جواہر لال نہرو نے مندرجہ ذیل زبانوں کو ہندوستان کی خاص زبانیں تسلیم کیا ہے۔ اُردو، ہندی، بنگالی، گجراتی، مرہٹی۔ تامل، تلنگو۔ ملیالم، اور کناری انہوں نے ان کے ادب کو بہت قدیم اور گراں قدر تسلیم کیا ہے اور کہا ہے، کہ اگر ان میں آسامی، اوڑیا سندھی، پشتو اور پنجابی کو بھی شامل کر لیا جائے تو اس میں پورے ملک کی زبانیں آجاتی ہیں۔ سوائے چند پہاڑی اور جنگلی قبائل کی بولیوں کے جو کہیں کہیں بولی جاتی ہیں"

زبان کے متعلق جواہر لال نہرو کے مشورے

کچھ دنوں سے اردو میں فارسی اور سنسکرت کے الفاظ ٹھونسنے کی جو غلط روش اختیار کر لی گئی ہے جواہر لال نہرو نے اس کی مذمت کی ہے۔ ان کی رائے ہے کہ انتہا پسندی کے رجحانات کو روکنا چاہیے!

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ آئندہ شاید انگریزی ہندوستان کی مشترکہ عام زبان بن جائے۔ جواہر لال نہرو اس سوال کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:-

"مجھے تو یہ خیال بالکل دور از کار اور لغو معلوم ہوتا ہے۔ اونچے طبقہ کے مٹھی بھر پڑھے لکھے لوگوں میں ممکن ہے انگریزی زبان رائج ہو۔ لیکن جہاں تک عوام الناس کی تعلیم اور ان کے تمدنی مسائل کا تعلق ہے۔ انگریزی زبان ہمارے لئے محض بے کار ہے!

لیکن اس کے باوجود وہ انگریزی سیکھنے پر زور دیتے ہیں۔ کیونکہ اس سے کاروباری ضروریات، بین الاقوامی تعلقات اور علم و فن کے سلسلہ میں مدد ملتی ہے

اردو میں انگریزی اور دوسری غیر زبانوں کے الفاظ کو اپنا لینے کی انہوں نے حمایت کی ہے۔ اس کا سبب بتاتے ہوئے انہوں نے لکھا ہے"

"ہمارے ہاں جدید اصطلاحیں بالکل نئی ہیں۔ اس سے بہتر یہی ہے۔ کہ معروف الفاظ ہی کو اختیار کر لیا جائے بجائے اسکے کہ نئے اور مشکل الفاظ سنسکرت، فارسی اور عربی میں تلاش کئے جائیں۔ خالص زبان کے حامی بدیسی الفاظ کے استعمال پر اعتراض کرتے ہیں۔ لیکن میرے نزدیک یہ ان کی بہت بڑی غلطی ہے۔ کیونکہ اپنی زبان کا یہی ایک طریقہ ہے۔ کہ اس میں لچک پیدا کی جائے اور دوسری زبانوں کے الفاظ اور خیالات حاصل کرنے کی صلاحیت پیدا کی جائے

وٹھل بھائی پٹیل کا انتقال؟

اسی دوران میں وٹھل بھائی پٹیل کا یورپ میں انتقال ہوگیا۔ وہ عرصہ مدید سے بیمار تھے۔ اور محض علالت کے سبب ہی انکو قید خانے سے رہا کیا گیا تھا۔ ان کی موت ہندوستان کے لئے ایک اندوہناک سانحہ تھی۔ اس رنجدہ خبر کو سنکر جواہر لال نہرو کا دل بیٹھ گیا کہ ہندوستان کی جدو جہد ابھی جاری ہے اور ہندوستان کے متعدد رہنما دنیا سے اٹھتے جارہے ہیں۔

مرحوم نے ہندوستانی پارلیمنٹ میں اپنی قابلیت کا سکہ جما دیا تھا اور اسمبلی کے صدر کی حیثیت سے وہ بہت کامیاب ثابت ہوئے تھے۔ ان کے انتقال پر ان کی ان خصوصیات کو سراہا گیا۔ یہ تعریفیں اپنی جگہ بالکل صحیح تھیں۔ لیکن جواہر لال نہرو کی نظر میں وٹھل بھائی کی حیثیت اس سے کہیں زیادہ بلند تھی کیونکہ وہ ہندوستان کی جنگ آزادی کے بہت بڑے سورما سپاہی تھے۔ اس لئے انہوں نے لکھا کہ ہندوستان میں ایسے لوگوں کی کمی نہیں ہے جو اسمبلی کی صدارت فرائض قابلیت کے ساتھ انجام دے سکیں جو پارلیمنٹ کی سرگرمیت کے اہل ہوں۔ وٹھل بھائی کی تعریف یہ کرنی چاہیے کہ وہ ہندوستان کے سورما سپاہی تھے۔

ہندوستانی ادیب اور اخبار نویس

جواہر لال نہرو کے پرانے دوست اور رفیق کار بابو شیو پرشاد گپتا جن پر لکھنؤ جیل میں فالج کا حملہ ہوا تھا۔ ان دنوں بنارس میں بیمار پڑے ہوئے تھے جواہر لال نہرو ان کی عیادت کے لئے بنارس گئے۔ تو وہاں ایک ہندی ادبی انجمن نے انھیں سپاسنامہ دیا۔ جواہر لال نہرو نے جواب میں وہاں جو کچھ کہا

اسے ان ہی کی زبان میں سنیئے:-

"میں نے مروجہ پرانے طرز کی ہندی پر اعتراض کیا جو آجکل لکھی جاتی ہے جس میں سنسکرت کے مشکل الفاظ کی بھرمار ہوتی ہے وہ ایسی پیچیدہ زبان ہو جاتی ہے جسے کوئی نہ سمجھے میں نے یہ خیال جرات کر کے ظاہر کیا کہ اس درباری طرز انشار کو ترک کر دینا چاہیئے۔ جن کے مخاطب صرف چند منتخب لوگ ہی ہو سکتے ہیں۔ ہندی لکھنے والوں کو عوام کے لئے لکھنا چاہیے۔ اور ایسی زبان استعمال کرنی چاہیئے جس کو سب سمجھ سکیں۔ عوام کے ساتھ تعلق پیدا ہو جانے سے زبان میں صداقت اور زندگی پیدا ہو جائے گی اور ادیبوں میں بھی عوام کی جذباتی قوت کا کچھ اثر آجائیگا۔ اور اس طرح وہ زیادہ بہتر کام انجام دے سکیں گے علاوہ ازیں میں نے یہ بھی کہا کہ ہندی مصنف مغربی افکار خیالات اور ادب کا اور زیادہ مطالعہ کریں تو وہ اس سے بہت زیادہ فائدہ حاصل کر سکتے ہیں۔ اور مغربی زبان کی مستند کتابوں کا ترجمہ نیز ایسی کتابوں کا ترجمہ جن میں جدید خیالات ظاہر کئے گئے ہیں بہت مفید ثابت ہوگا۔ اسی کے ساتھ میں نے اپنا یہ خیال بھی ظاہر کیا کہ اس نقطۂ نظر سے ہندی کے مقابلہ میں جدید بنگالی، گجراتی اور مرہٹی زبانیں غالباً زیادہ ترقی یافتہ ہیں اور یہ تو یقینی ہے کہ اس زمانہ میں ہندی کے مقابلے میں بنگالی زبان میں تخلیقی کام بہت زیادہ کیا گیا ہے"

اس جلسہ کی رپورٹ جب ہندی اخبارات کو پہونچی تو ایک آفت بپا ہو گئی۔ اور زبردست مخالفت کی گئی جواہر لال نہرو نے لکھا ہے:

"میرے خلاف ہندی اخبارات میں ایک آفت مچ گئی۔ کہ مجھے محض مغالطہ ہے۔ اور یہ کہ میں نے ہندی زبان کو کیوں برا کہا اور بنگالی، گجراتی اور مرہٹی سے مقابلہ کر کے ہندی زبان کی کیوں بے عزتی کی چنانچہ مجھے جاہل کہا

گیا اور واقعہ یہ بھی ہے کہ جہاں تک اس عنوان کا تعلق ہے میں واقعی جاہل ہوں
اس کے علاوہ اور بھی سخت سست الفاظ میرے متعلق کہے گئے تاکہ مجھے
دبایا جائے اور میری زبان بند کردی جائے۔"

کئی مہینے تک مخالفت کا یہ طوفان جاری رہا چنانچہ جواہرلال نہرو لکھتے
ہیں کہ :۔

"اس واقعہ نے میری آنکھیں کھول دیں اس سے معلوم ہوا کہ ہندوستانی
ادیب اور اخبار نویس غیرمعمولی طور پر زود رنج ہوتے ہیں۔ اور اگر ان کا کوئی
مخلص ہی خواہ دیانت داری سے تنقید کرے تو اس کو بھی یہ برداشت نہیں
کرتے اس کی وجہ محض یہ ہے کہ وہ لوگ خود کو ذلیل اور کمتر سمجھنے کی بیماری
میں مبتلا ہیں خود نئی تنقید کرنے کا ان میں بالکل مادہ نہیں ہے تمام تنقید کا معیار ہی
بالکل پست ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ مصنفین اور ان کے ناقدین میں جھگڑا
ہونے لگتا ہے اور وہ ایک دوسرے کی نیت پر حملہ کرنے لگتے ہیں انکی ذہنیت
وہی محدود اور سرمایہ دار طبقے والوں کی سی ذہنیت ہے اور ایسا معلوم ہوتا
ہے کہ شاید مصنف اور اخبار نویس دونوں ایک دوسرے کے لئے یا زیادہ
سے زیادہ ایک مختصر حلقہ کے لئے لکھتے ہیں۔ عوام الناس نے ان کے وسیع
مفاد کو بالکل نظر انداز کر دیا گیا ہے۔"

ہندو مہاسبھا کے حملے

ہندو یونیورسٹی کے طلبا نے جواہرلال نہرو کو تقریر کرنے کی
دعوت دی۔ انہوں نے عظیم الشان جلسہ میں یونیورسٹی کے وائس چانسلر پنڈت
مدن موہن مالویہ کی صدارت میں تقریر کی۔ اس تقریر کی وضاحت جواہرلال نہرو نے خود

اپنی ایک تحریر میں کی ہے :-

"میں نے اپنی تقریر کے دوران میں فرقہ پرستی کے متعلق بہت کچھ کہا اور پرزور الفاظ میں ہر قسم کی ذہنیت کی مذمت کی بالخصوص ہندو مہاسبھا کی حرکتوں کو میں نے برا بھلا کہہ ڈالا. لیکن میں نے جو کچھ کہا. اس میں پہلے سے سوچ بچار کو زیادہ دخل نہ تھا. ایک مدت سے مختلف جماعتوں کے فرقہ پرستوں کی روز افزوں رجعت پسندی دیکھ کر مجھے غصہ آتا تھا. اس عنوان پر تقریر کرتے وقت مجھے جوش آیا تو قدرتاً اس غصہ کا بھی اظہار ہو گیا میں اسوقت ہندوؤں کے سامنے تقریر کر رہا تھا. اس لئے مسلمانوں کے اعمال کی مذمت کرنے کا یہ کوئی موقعہ نہ تھا. اس لئے میں نے عمداً صرف ہندو فرقہ پسندوں کی رجعت پسندی پر زور دیا. مگر اسوقت مجھے یہ خیال نہ رہا کہ مالوی جی جلسہ کی صدارت کر رہے ہیں وہ ہندو مہاسبھا کے رکن رکین رہے ہیں. اس لئے ان کے منہ پر مہاسبھا کو اس قسم کی باتیں سنانی مناسب نہ تھیں. شاید یہ خیال اس لئے نہ آیا ہو کہ اس زمانہ میں انھیں مہاسبھا سے کچھ زیادہ تعلق نہ رہا تھا. اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ مہاسبھا کے نئے اور تیز مزاج لیڈروں نے انھیں مہاسبھا سے نکال باہر کر دیا ہے مالوی جی جب تک مہاسبھا کے روح رواں رہے اس وقت تک مہاسبھا باوجود اپنی فرقہ پرستی کے سیاسی حیثیت سے رجعت پسند نہیں ہوئی تھی. لیکن بعد میں اس کی رجعت پسندی مسلّم اور امتیازی خصوصیت بن گئی تھی. اور مجھے یہ یقین تھا کہ مالوی جی کو اس سے کوئی سروکار نہیں ہے اور وہ اس کو ناپسند کرتے ہیں" پھر بھی بعد میں مجھے محسوس ہوا کہ میرے لئے یہ کسی طرح بھی مناسب نہ تھا کہ ان کی دعوت سے ناجائز فائدہ اٹھا کر ایسی باتیں کہہ جاؤں جس سے وہ مخمصے میں پڑ جائیں. اس لئے مجھے اپنی غلطی پر تاسف ہوا"

جب اس جلسہ کی رپورٹ اخبار تک پہونچی۔ تو انھوں نے اس میں عجیب، عجیب رنگ بھرے اور مہابھا کے حامیوں نے جواہر لال نہرو کی زبردست مخالفت کی اور ایک ہنگامہ بپا کر دیا۔ جواہر لال نہرو لکھتے ہیں:

"میری بنارس کی رپوٹ سے زبردست ہنگامہ مچ گیا۔ اس میں شک نہیں کہ میں ایسے شور و غل سننے کا عادی ہو گیا ہوں۔ لیکن پھر بھی ہندو مہاسبھا کے رہنما تو اس بری طرح میرے پیچھے پڑ گئے کہ میں حیران رہ گیا۔ انہوں نے زیادہ تر حملے ذاتیات پر کئے۔ شاذ و نادر ہی کسی نے اصل معاملہ کی طرف توجہ کی یہ لوگ اس معاملہ میں حد سے تجاوز کر گئے"

فرقہ وارانہ معاملات میں حکومت کا طرز عمل

فرقہ وارانہ معاملات کے سلسلہ میں حکومت کا طرز عمل ہمیشہ یہ رہا ہے کہ وہ ایک جماعت کو دوسروں کے مقابلہ پر کھڑا کر دیتی ہے۔ کیونکہ اب وہ جانتی ہے کہ اتحاد عمل سے جماعتوں کی قوت اس کے لئے ناقابل شکست ہو جائے گی اور پھر ان پر حکومت کرنا آسان نہ ہو گا۔ جواہر لال نہرو نے اس عنوان پر یوں اظہار خیال کیا ہے!

۱۸۵۷ء کے غدر کے بعد سے فرقہ وارانہ معاملات میں برطانوی حکومت کا جو طرز عمل رہا ہے اس کی تاریخ دلچسپی سے خالی نہیں ہے میں سمجھتا ہوں کہ ہمیشہ سے حکومت کا بنیادی اصول یہی رہا ہے کہ ہندو مسلمانوں کو اتحاد عمل سے روکا جائے اور ایک دوسرے کے مقابلہ پر لایا جائے ۱۸۵۷ء کے بعد ہندوؤں کی بہ نسبت مسلمانوں کو حکومت سے زیادہ نقصان پہونچا اور وقت مسلمان اپنی حکومت کو بھولے نہ تھے۔ اور وہ دوسروں کی بہ نسبت زیادہ جنگجو اور

شہ زور تسلیم کئے جاتے ہیں۔ اس لئے حکومت ان کو خطرناک سمجھتی تھی مسلمانوں نے انگریزی تعلیم سے کنارہ کشی کرلی تھی۔ اس لئے سرکاری ملازمتوں میں انکو حصہ نہ ملا۔ حکومت کو ان سے قسم قسم کے شبہات اور خطرات تھے۔ ان کے برعکس ہندوؤں نے انگریزی سیکھی اور کلرکی کی آسامیاں حاصل کرلیں اس لئے حکومت نے یہی اندازہ لگایا کہ ہندوؤں کو زیادہ آسانی سے قابو میں لایا جاسکتا ہے۔"

اس کے بعد وہ وقت آیا جبکہ انگریزی پڑھے لکھے ہندوؤں میں جدید قسم کی ذہنیت پیدا ہونے شروع ہوئی۔ تعلیمی حیثیت سے مسلمان پیچھے تھے۔ اس لئے یہ جذبہ ہندوؤں کے اس مخصوص طبقہ تک محدود رہا جو انگریزی پڑھ چکا تھا اس وقت حالانکہ اس جذبہ وطنیت کا اظہار نہایت ملائم اور خوشامدانہ الفاظ میں کیا جاتا تھا لیکن حکومت اس کو بھی خطرناک سمجھتی تھی۔ اس لئے اس نے یہ فیصلہ کیا۔ مسلمانوں کو اپنا آلہ کار بنایا جائے اور انھیں وطن پرستی کے نئے خطرہ سے علیحدہ رکھا جائے۔

چنانچہ حکومت نے دانشمندی سے مستقبل کا انتظام کیا اور اس کام میں سرسید جیسی ممتاز شخصیت سے حکومت کو بڑی مدد ملی۔"

علی گڑھ کالج؟

جواہرلال نہرو سلسلہ تحریر کو جاری رکھتے ہوئے لکھتے ہیں:

"سرسیدؒ نے مسلمانوں کو جدید تعلیم سے آراستہ کرنے کے لئے جو کوششیں کیں وہ یقیناً درست اور صحیح تھیں میرا خیال ہے کہ مسلمان اس تعلیم کے بغیر جدید طرح کی قومیت کی تعمیر میں کوئی موثر حصہ نہیں لے سکتے بلکہ یہ اندیشہ تھا کہ وہ ہمیشہ ہمیشہ

سکے لئے ہندوؤں کے غلام بن جائیں گے جو تعلیم میں بھی ان سے بہت آگے تھے۔ اور معاشی اعتبار سے بھی بہت سے زیادہ مضبوط تھے۔"

"...... سرسید کی مذکورہ کوششیں جو ہمیں بہت معتدل معلوم ہوتی ہیں حقیقتاً ایک انقلاب پیدا کرنا چاہتی تھیں"

سرسید کا پیغام اس وقت کے لئے مناسب اور ضروری تھا لیکن ایک ترقی پسند جماعت کے لئے وہ آخری نصب العین قرار نہیں دیا جاسکتا۔ ممکن ہے سرسید اگر ایک نسل تک اور زندہ رہ جاتے تو شاید وہ خود اپنے پیغام کا کوئی نیا رخ بدل دیتے۔ دوسرے رہنماؤں کا فرض تھا کہ وہ سرسید کے پیغام کی کی تاویل کر کے نئے حالات میں اس سے کام لیتے۔ لیکن چونکہ سرسید کو عظیم الشان کامیابی حاصل ہوئی تھی اور سرسید کی عظمت لوگوں کے دلوں پر قائم تھی اس لئے دوسرے لوگوں کے واسطے یہ آسان کام نہ تھا کہ ان کے عقیدہ سے ہٹ کر کوئی نئی راہ نکالی جاتی اور اس وقت بدقسمتی سے ہندوستانی مسلمانوں میں ایسی غیر معمولی قابلیت کے لوگوں کا فقدان تھا۔ جو نئی راہ تلاش کر سکتے۔

اس میں شک نہیں کہ علی گڑھ کالج نے بڑا اچھا کام کیا قابل لوگوں کی ایک بہت بڑی تعداد پیدا کر دی اور تعلیم یافتہ لوگوں کا رنگ بدل ہی دیا۔ لیکن روز اول جن اصولوں پر اس کی بنیاد رکھی گئی تھی اس میں پوری طرح تبدیلی نہ کی جاسکی۔

"..... بالآخر سرسید کی پرزور چھا جانے والی شخصیت نے ہندوستانی مسلمانوں کے دلوں پر اپنا سکہ جما دیا اور ان کی امیدوں اور آرزوؤں کی تشکیل علیگڈھ کالج کی صورت میں ہوئی"

لیکن قومیت کی تحریک سے علی گڈھ کا رنگ بھی بدلا نئے رہنماؤں میں

سب سے زیادہ زور دار عسلی برادران تھے اور وہ دونوں علی گڑھ ہی کے تعلیم یافتہ تھے۔"

اظہار رائے!

جواہر لال نہرو نے نتائج سے لاپرواہ ہو کر اپنے خیالات کے اظہار کرنے کا سبق گاندھی جی سے سیکھا ہے وہ کہتے ہیں "

اور سیاسی حیثیت سے میرا اور گاندھی جی کا جب سے ساتھ ہوا ہے میں نے ان سے کم از کم ایک بات ضرور سیکھی ہے کہ نتیجہ کے خوف سے اپنے خیالات کو اپنے دل میں نہ دبائے رکھوں سیاست کے علاوہ اور دوسرے معاملات میں اس اصول پر عمل کرنا خطرناک ہے لیکن اس عادت کی وجہ سے سیاسی میدان میں بھی بعض اوقات مجھے بہت سی مشکلات پیش آئی ہیں لیکن اسی کے ساتھ بڑا اطمینان بھی ہوا ہے۔ اور میرا خیال ہے کہ اسی عادت کی بدولت ہم میں سے بہت سے لوگ تکلیف، رنج اور مایوسیوں سے بچ گئے ہیں۔ اس اطمینان کے بعد کہ لوگوں کی بڑی تعداد ہم سے محبت کرتی ہے دل کو تسلی ہوتی ہے۔ اور یہ احساس شکست اور مایوسی کے امراض کے لئے تریاق ثابت ہوتا ہے۔ انسان کے لئے سب سے زیادہ تکلیف دہ احساس یہ ہے کہ وہ دنیا میں اکیلا ہے اور سبھوں نے اسے فراموش کر دیا ہے"

خداداد قابلیت!

جواہر لال نہرو لوگوں کی آرام طلبی سے برہم ہوتے ہیں اور جب لوگ اہم ترین امور سے چشم پوشی کرتے ہیں تو انھیں غصہ آتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود وہ "

ہنسنا جانتے ہیں! چنانچہ وہ لکھتے ہیں!

"مجھے اپنے متعلق یہ حسن ظن ہے کہ خود اپنی اور دوسرے لوگوں کی حماقتوں پر ہنسنے اور قہقہہ لگانے کی خداداد قابلیت مجھ میں ہنوز مفقود نہیں ہوئی ہے۔

اشتراکیت کی اشاعت؟

جواہر لال نہرو کئی سال سے اشتراکیت کا پروپیگنڈا کر رہے تھے وہ جانتے تھے کہ ان کے بہت سے ساتھی اشتراکی نہیں ہیں۔ لیکن وہ جانتے تھے کہ کانگریس کی مجلس عاملہ کے رکن کی حیثیت سے بھی انھیں پوری آزادی ہے کہ کانگریس کو کسی طرح کا پابند کیے بغیر اشتراکی پروپیگنڈہ جاری رکھ سکتے ہیں۔ لیکن جب ملک کے سرمایہ داروں کو ان سے شکایات پیدا ہوئیں تو ان کے اشتراکی پروپیگنڈے سے ان کے رفقائے کار بھی گھبرا گئے۔ ورکنگ کمیٹی کے بعض اراکین کی رائے میں جواہر لال نہرو کو یہ آزادی حاصل نہ تھی اور وہ برہم تھے کہ ان کے متعلق غلط فہمی پیدا ہو رہی ہے۔ جواہر لال نہرو کو لینے۔ فیقوں کے اس مدیہ پر حیرت ہوئی لیکن وہ جس چیز کو اپنے کام کا سب سے اہم جزو سمجھتے تھے اسے ترک نہیں کر سکتے تھے بلکہ ان دونوں میں اگر تصادم ہوتا تو وہ یہ گوارہ کر لیتے کہ ورکنگ کمیٹی سے مستعفی ہو جائیں لیکن چونکہ ورکنگ کمیٹی خلاف قانون جماعت تھی اور باقاعدہ طور پر اپنے فرائض منصبی تک ادا نہیں کر رہی تھی اس لیے وہ استعفیٰ کیسے دیتے!

اسی قسم کی دشواری انھیں اس وقت بھی پیش آئی جبکہ ایک مرتبہ گاندھی جی نے مدراس سے انھیں ایک چھٹی اور اخبار مدراس میل کا ایک تراشہ بھیجا اس تراشہ میں گاندھی جی اخبار مذکور کے نمائندے کی گفتگو کی تفصیل کی تھی۔ گاندھی جی سے جواہر لال نہرو کے اشتراکی پروپیگنڈا کے متعلق سوالات کیے گئے

تھے۔ گاندھی جی نے جواہر لال نہرو کے طرزِ عمل پر اظہارِ افسوس کیا تھا۔ لیکن اسی کے ساتھ جواہر لال نہرو کی دیانت داری کے متعلق زور دار الفاظ میں اعتماد کا اظہار کیا تھا اور کہا تھا کہ جواہر لال نہرو کو یہ ہرگز نہیں چاہیے کہ کانگریس کو ان جدید طریقوں کا پابند بنالیں۔"

گاندھی جی نے مذکورہ بیان میں زمینداری نظام کی حمایت کی تھی؛ جواہر لال نہرو کی ذات خاص کے متعلق جو کچھ کہا گیا۔ اس سے جواہر لال نہرو نے کوئی اثر نہیں لیا۔ لیکن زمینداری نظام کی حمایت سے جواہر لال نہرو پریشان ہوئے اور انھیں سخت حیرت ہوئی کہ زمینداروں یا تعلقہ داروں کی حمایت کی گئی۔ ان کی پریشانی اور حیرت کا اظہار ذیل کی سطروں سے ہوتا ہے وہ لکھتے ہیں۔"

میں نے اس امر پر غور کیا کہ گاندھی جی کا مطمحِ نظر مجھ سے کس قدر مختلف ہے اور اس فکر میں پڑ گیا کہ آئندہ میرا اور ان کا اشتراکِ عمل کہاں تک ہو سکے گا۔ انہوں نے سوچا کہ کیا ورکنگ کمیٹی میں ان کا بدستور رہنا ضروری ہے! لیکن اس سے پہلے کہ وہ کسی فیصلہ پر پہونچتے وہ پھر اسیر کر لئے گئے۔

کتابوں سے جواہر لال نہرو کی محبت!

جواہر لال نہرو کی مالی حالت کے متعلق لوگوں میں بہت سی غلط روایات مشہور ہیں۔ اکثر لوگوں کا خیال ہے کہ وہ بہت زیادہ مالدار ہیں لیکن یہ خیال سراسر غلط ہے جواہر لال نہرو اپنی حالت کے متعلق لکھتے ہیں؛"

"میں اپنے مالی معاملات کی طرف متوجہ ہوا۔ جو ایک عرصہ سے بالکل ابتری میں پس پشت پڑے ہوئے تھے۔ ہم لوگ اپنی استطاعت سے بہت

زیادہ خرچ کرتے چلے جا رہے تھے اور اخراجات کم کرنے کی بہ ظاہر کوئی صورت نظر نہ آتی تھی بلکہ مجھے اس کی کوئی خاص فکر نہ تھی اخراجات آمدنی کے مطابق ہو جائیں بلکہ میں تو خوشی سے اس دن کا منتظر ہوں کہ جب میرے پاس کچھ بھی باقی نہ رہے دور جدید میں روپیہ پیسہ اور املاک مفید ضرور ہیں لیکن اس شخص کیلئے ایک طول طویل سفر کی ٹھان رہا ہو۔ اکثر یہ بار بن جاتے ہیں۔ دھن دولت کے مالکوں کو ایسے کاموں میں پورا حصہ لینا بہت مشکل ہوتا ہے جن میں خطرے ہوں۔ کیونکہ انھیں لال وزر کے ضائع ہونے کا ڈر رہتا ہے۔

روپے کی اس قلت کے باوجود وہ مطالعہ کے عاشق ہیں۔ اور کتابیں خریدنے کے بیحد شوقین ہیں وہ شاید کسی وقت اپنے تمام اخراجات بند کر دینے پر مجبور ہوں لیکن ان کا مقولہ ہے کہ:۔

"ایک اسراف جس کو میں نے ابھی تک جاری رکھا ہے۔ اس کو ترک کرنا میرے لئے مشکل ہو جائے گا اور وہ کتابوں کی خریداری ہے!"

زلزلہ بہار

کملا نہرو کی بیماری قابل تشویش تھی۔ جواہر لال نہرو کملا نہرو کو اپنے ہمراہ کلکتہ لیجانا چاہتے تھے تاکہ وہاں ان کے علاج کے متعلق ڈاکٹروں سے مشورہ کر سکیں۔ انھیں یقین کامل تھا کہ وہ بہت جلد گرفتار کر لئے جائیں گے اس لئے وہ چاہتے تھے کہ وہ کم از کم اپنے سامنے انھیں ڈاکٹروں کو دکھا دیں۔ علاج انکی عدم موجودگی میں بھی ہوتا رہے گا چنانچہ انھوں نے ۱۵ر جنوری ۱۹۳۴ء کو کلکتہ جانے کا پروگرام بنایا۔ ان کا ارادہ تھا کہ بہت جلد واپس الہ آباد آجائیں گے تاکہ ۲۶ر جنوری کو یوم آزادی میں شرکت کر سکیں۔"

۱۵ ر جنوری کی سہ پہر کو الہ آباد میں اپنے مکان کے برآمدے میں کھڑے کسانوں کی ایک جماعت سے باتیں کر رہے ہیں۔ دفعتاً ان کے پیر لڑکھڑانے لگے۔ انھیں اپنے آپ کو سنبھالنا مشکل ہو گیا اور برابر کے ایک کھمبے کا سہارا لینا پڑا۔ گھر کے تمام کواڑ دھڑ دھڑ کر رہے تھے سوراج بھون سے بھی جو قریب ہی تھا گھڑگھڑاہٹ کی آوازیں آرہی تھیں انھیں زلزلے سے کبھی سابقہ نہ پڑا تھا۔ اس لئے وہ کچھ نہ سمجھ سکے کہ کیا ہو رہا ہے لیکن پھر فوراً ہی خیال آیا کہ یہ زلزلہ ہے۔ ان کی چچی نے دُور سے چلا کر کہا کہ بھاگ کر باہر چلے جاؤ مگر انھیں یہ بات کچھ مہمل سی معلوم ہوئی۔ اور انھوں نے زلزلے کو کوئی اہمیت نہیں دی۔ اور پھر یہ کیسے ممکن تھا کہ والدہ کو جو بالاخانہ پر بستر علالت پر صاحب فراش تھیں اور اپنی بیمار بیوی کو جو اندر سامان سفر باندھ رہی تھیں چھوڑ کر اپنی جان بچانے کی فکر کرتے۔ تھوڑی دیر جھٹکوں کا سلسلہ جاری رہا پھر ختم ہو گیا۔ انھیں اور کسی کو سان و گمان بھی نہ تھا کہ ان چند لمحوں میں بہار کے لاکھوں آدمیوں پر کیا قیامت ٹوٹ گئی!

وہ اسی دن شام کو کملا نہرو کے ہمراہ کلکتہ روانہ ہو گئے اور رات کو بے خبری کی حالت میں زلزلے کے جنوبی رقبہ میں ہو کر گذر رہے۔ دوسرے روز کلکتہ میں اس حادثہ کا کچھ چرچا نہ تھا تیسرے روز البتہ تھوڑی تھوڑی خبریں پہونچیں اور چوتھے روز انھیں اس حادثہ کا کچھ کچھ اندازہ ہوا۔

کھیتی کے اجڑ گئے رہ گئی جو تھی بہار پر

• شمالی ہندوستان کا وہ زلزلہ تباہی اور بربادی کے لحاظ سے ناقابلِ فراموش حادثہ ہے یوپی کے مشرقی اضلاع سے لیکر بنگال کے

وسطی حصوں تک اس زلزلے نے موت، انہدام، سیلاب اور انشقاق کا ایک بے پناہ اور مسلسل سلسلہ قائم کر دیا۔ سب سے زیادہ نقصان صوبہ بہار کو پہونچا کارکنان قضا و قدر نے اس صوبے کی عمارتوں کو پکڑ کر بہت بری طرح جھنجوڑا۔ خدا کے خوف سے دل لبریز ہو گئے۔ اور عبرت سے آنکھیں کھل گئیں۔ ہزارہا نفوس مادر وطن کی آغوش سے چھن کر موت کے منہ میں چلے گئے ہزارہا سر بفلک عمارتیں جن کی مضبوطی اور استحکام پر آدمی کے دماغ کو ناز تھا زمین بوس ہو گئیں۔ کلکٹروں کے بنگلے، سرکاری دفاتر، ہائی کورٹ کی عمارتیں سرمایہ داروں کے کارخانے، ریل کی پٹریاں اور غریبوں کی جھونپڑیاں اس قیامت خیز اور ہوشربا حادثہ سے تہ خاک ہو گئیں۔

یوپی کے مغربی اضلاع میں بھی زلزلہ کے جھٹکے محسوس ہوئے۔ لیکن وہ اتنے شدید نہ تھے۔ پھر بھی قطب مینار شق ہو گیا۔ اور تاج محل کی نادر روزگار عمارت کو کافی نقصان پہونچا۔

دورِ خزاں ہے نام نہیں ہے بہار کا

آسٹریلیا کے ایک پادری کا جو زلزلہ کے وقت جمال پور میں تھے غیبی بیان ہے کہ زلزلہ کا پہلا جھٹکا اتنا شدید نہ تھا۔ لیکن تین چار منٹ ہی میں اس نے ہولناک صورت اختیار کر لی زمین زور سے کانپی اور ہزارہا سر بفلک عمارتیں آن کی آن میں زمین پر گر پڑیں جن کے نیچے بہت سے آدمی دب کر ہلاک ہو گئے۔ انگریز عورتوں کا سکول مسمار ہو گیا۔ شہر کے اس حصہ میں جہاں ہندوستانی آبادی ہے۔ بہت کثرت سے مکانات گر گئے۔ ریلوے ورک شاپ کا ایک بہت بڑا حصہ گر کر پیوند خاک ہو گیا۔ بلا مبالغہ اس شخص نے جو اس حادثہ میں زندہ بچ گیا

اپنی ہر وہ چیز کھو دی جو اس کے پاس تھی۔

مظفر پور اور سیتامڑھی کو زلزلہ سے بے حد نقصان پہنچا۔ گورنر نے جو زلزلہ کی تباہ کاریوں کا خوفناک منظر خود مشاہدہ کرنے کے لئے بذریعہ ہوائی جہاز وہاں گئے تھے کہا کہ اس علاقہ کے پل اور عمارتیں مسمار ہوگئیں۔ سیتامڑھی کا ڈویژن ایک صحرا بن گیا۔ ریلوے اور سڑکیں آمد و رفت کے قابل نہ رہیں۔ انھوں نے چھ گھنٹے تک مظفر پور کے کھنڈرات کا معائنہ کیا۔ تھانے میں گیارہ سو لاشیں اکٹھی کی گئیں۔ اتنی ہی تعداد پرائیویٹ طور پر جلائی جا چکی تھی۔ شہر کھنڈرات سے پٹا پڑا تھا۔ اور سینکڑوں لاشیں دبی ہوئی تھیں۔ سول عدالتیں۔ کمیٹی کا دفتر، اسکول کالج، جامع مسجد وغیرہ شکستہ ہوگئیں۔ بنکوں کی عمارتیں اور دھرم سالائیں ٹوٹ کر گر پڑیں۔ کنوؤں کے شکستہ ہو جانے کے سبب پانی کی بھی قلت تھی!

دربھنگہ میں مہاراجہ کے دو محل جو کروڑوں روپے کے صرف سے مشرقی طرز پر تیار کئے گئے تھے گر گئے!

کھٹمنڈو پر زلزلہ کا بہت گہرا اثر ہوا۔ اور شارانہر مسمار ہوگیا۔

مونگیر کی تباہی لرزہ خیز تھی زلزلہ کے وقت ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی خوفناک بھوت تمام سرزمین کو اپنے طاقتور ہاتھوں میں لے کر جھنجوڑ رہا ہو اور تمام مکانات اس کے وحشت ناک جھٹکوں کے ساتھ لرز رہے ہوں دو منٹ میں تمام مونگیر کھنڈر بن کے رہ گیا۔ جو لوگ بچ سکے ان کے پاس جسم کے کپڑوں کے سوا کوئی شئے نہ تھی۔ ہر چیز زمین کے اندر دفن ہو چکی تھی۔ لاتعداد زخمیوں نے ٹھٹھرتے ہوئے جاڑے کی وہ رات درختوں کے نیچے ٹھٹھرتے اور کانپتے ہوئے گذاری۔

زلزلہ زدگان کی امداد کے لئے جواہر لال نہرو کی اپیل

جواہر لال نہرو نے کلکتہ سے یونائیٹڈ پریس کی وساطت سے زلزلہ زدگان کی امداد کے لئے ایک موثر اپیل کی انھوں نے کہا:۔

اسی خطرناک زلزلہ سے جس نے ہزارہا مقامات کو مسمار کر دیا ہے سیاسی تحریک کو ایک گونہ نقصان پہونچا۔ گو کانگریسی افراد کا فرض اولیں تو یہ ہے کہ وہ آزادی وطن کے لئے اپنی زندگیاں وقف کر دیں۔ مگر زلزلہ نے ملک میں ایک ایسی صورت حالات پیدا کر دی ہے کہ ہمیں مجبوراً اپنی توجہ کو سیاسیات سے ہٹانا پڑا۔ اب کانگریسیوں کا پہلا فرض ہے کہ وہ زلزلہ سے تباہ شدہ اشخاص کی ہر ممکن مدد کریں۔ اس تباہی سے ہزاروں بچے یتیم ہو گئے ہیں جن کی نگہداشت کانگریسیوں کا فرض اولیں ہے۔ جب جاپان میں ایسے ہی زلزلہ کا حادثہ پیش آیا تھا۔ تو جاپان کے ہر خاندان نے ایک ایک دو دو یتیم بچوں کی پرورش اپنے ذمہ لے لی تھی۔ یہی طریقہ اہل بہار کو اختیار کرنا چاہیئے!

خون جگر ہے آج جو کل لالہ زار تھا!

بابو راجندر پرشاد نے غیر سرکاری مجالس کے نام ایک اپیل شائع کی کہ وہ اپنے اپنے رسوخ سے امدادی فنڈ جاری کر کے زلزلہ زدگان کی مالی امداد کریں!

مولینا ابو الکلام آزاد نے بھی ایک موثر اپیل کی اور کلکتہ میں ایک ایسی دل ہلا دینے والی تقریر کی جس سے متاثر ہو کر ہزار روپیہ اسی وقت امدادی

فتنڈیں آگیا!

امارت شرعیہ صوبہ بہار نے اپنے کارکن صوبہ بہار کے اضلاع میں بھیجکر مصیبت زدوں کی بڑی مدد کی اور روپیہ فراہم کر کے مستحقین تک پہونچایا۔

جمعیۃ علمار ہند کے نمائندوں نے بھی بہار کے برباد شدہ علاقوں کا دورہ کر کے تعمیری کام میں خدمات انجام دیں۔"

ناشاد آدمی ہے اجل شاد کام ہے!

جواہرلال نہرو نے زلزلہ زدگان کی امداد کی سلسلہ میں کئی بیانات شائع کئے انھوں نے لکھا!

بہار پر ایک خطرناک قدرتی عتاب نازل ہولہے۔ دوسرے صوبے بچگئے ورنہ ہم کو بھی ایسی مصیبت کا سامنا کرنا پڑتا۔ لیکن ہم جس مصیبت سے بچ گئے ہیں۔ اس میں ہماری بہت سی بہنیں اور بھائی گرفتار ہیں ان کی دردناک آوازیں ہمارے کانوں میں آرہی ہیں۔ جو مر گئے وہ ہم سے بچھڑ چکے لیکن جو مجروح ہوئے ہیں اور جو زندہ ہیں وہ بھی موت سے دوچار ہیں اور انھیں اپنی زندگی کے لئے جدوجہد کرنا ہے ان میں چیخنے کی تاب باقی نہیں رہی لیکن ان کی کمزور آوازیں کروڑوں ہندوستانیوں تک پہونچ چکی ہیں اب ہماری تمام طاقت اور تمام وسائل ان کی امداد میں لگنے چاہئیں!

کانگریس کی جانب سے امدادی کام کی ابتدا

۲۰ جنوری ۱۹۳۴ء کو کلکتہ سے جواہرلال نہرو نے راجندر بابو کو لکھا

کہ آپ زلزلہ زدگان کی امداد کے لئے کانگریس کی جانب سے امدادی کام کی رہنمائی کیجئے دوسرے صوبے بھی بڑی خوشی سے آپ کے ساتھ تعاون کرینگے اور لکھا کہ اتوار کے روز میں خود بھی پٹنہ سے آکر آپ سے ملاقات کروں گا!

کلکتہ کی یادگار تقریریں

جواہر لال نہرو کلکتہ میں صرف ساڑھے تین دن رہے اور اس مختصر دوران قیام میں انہوں نے وہاں عام جلسوں میں تین تقریریں کیں۔ انہوں نے حسب تحریف کی مذمت کی اور اس کے خلاف دلائل بھی پیش کئے۔ علاوہ ازیں انہوں نے ان تدابیر سے بھی بحث کی جو صوبہ بنگال میں حکومت نے اختیار کی تھیں۔ صوبہ بنگال کے حالات سن کر وہ بہت متاثر ہوئے تھے۔ اس لئے ان کی مذکورہ تقریروں میں جوش و خروش تھا۔ انھیں اس طرز عمل سے بہت تکلیف پہنچی تھی۔ کہ انسانوں کے گروہ در گروہ بلاتفریق بھیڑ بکریوں کی طرح باڑوں میں بند کر دیئے جائیں!

رابندر ناتھ ٹیگور سے ملاقات

جواہر لال نہرو رابندر ناتھ ٹیگور سے ملاقات کرنے کی شانتی نکیتن بھی گئے۔ کملا نہرو خصوصیت کے ساتھ اس مدرسہ کو اس لئے دیکھنا چاہتی تھیں کہ اپنی لڑکی اندرا نہرو کو تعلیم کے لئے وہاں بھیجدیں۔ جواہر لال نہرو کی نگاہ میں اگرچہ وہ بعض یونیورسٹیوں سے پیچھے تھا۔ لیکن اس کے باوجود انھوں نے اسی کو منتخب کرلیا۔

جواہر لال نہرو کا دورہ بہار

واپسی میں جواہر لال نہرو اس لئے پٹنہ گئے۔ کہ زلزلہ کے مصائب سے نجات دلانے کے مسئلہ میں راجندر بابو سے گفتگو کریں راجندر بابو اس سے کچھ ہی پہلے جیل سے چھوٹے تھے تو غیر سرکاری طور پر امداد پہونچانے کا کام شروع کر رہے تھے:

پٹنہ کے جس مکان میں جواہر لال نہرو کے ٹھیرانے کا انتظام کیا۔ گیا تھا۔ وہ پہلے بہت بڑا پختہ دو منزلہ مکان تہا۔ لیکن زلزلے میں کھنڈر بن چکا تھا۔ اس لئے انہوں نے بھی اور بہت سے لوگوں کی طرح میدان ہی میں قیام کیا!

دوسرے دن وہ مظفر پور گئے وہ لکھتے ہیں کہ:۔ زلزلہ کو پورے سات روز گزر چکے تھے۔ لیکن خاص خاص سڑکوں کے علاوہ اور دوسرے مقامات سے ملبہ اٹھانے کا بہت تھوڑا کام کیا گیا تھا۔ ان سڑکوں کی صفائی کے وقت لاشیں برآمد ہو رہی تھیں۔ بعض لاشوں سے عجیب و غریب انداز نمایاں تھا۔ گویا وہ گرتی ہوئی دیوار یا چھت کو اپنے جسم سے علیحدہ رکھنے کی کوشش کر رہی تھیں بربادی کا یہ منظر نہایت موثر اور ہولناک تھا۔ جو لوگ بچ گئے تھے انھیں ان دل دوز تجربات نے بالکل پست کر دیا تھا

الہ آباد واپس پہونچکر انھوں نے روپے اور سامان کی فراہمی کا فوراً انتظام کیا۔ بہار کے مصیبت زدوں کی امداد کے لئے الہ آباد میں ایک انجمن قائم ہوئی اس نے جواہر لال نہرو کو متعین کیا کہ وہ زلزلے کے علاقے میں جاکر خود معائنہ کریں اور امداد پہونچانے کا جو بہتر طریقہ مناسب

سمجھیں ان سے مطلع کریں وہ فوراً تن تنہا چل کھڑے ہوئے اور دس روز تک برابر برباد شدہ علاقہ میں پھرتے رہے۔ اس عرصہ میں انھیں نیند بھر کر سونا بھی نصیب نہ ہوا۔ صبح پانچ بجے سے آدھی رات تک وہ مارے مارے پھرتے تھے۔ کبھی گاڑی میں سوار ہو کر ٹوٹی پھوٹی سڑکوں سے گذرتے کبھی چھوٹی چھوٹی کشتیوں میں بیٹھ کر ان مقامات کو پار کرتے تھے جہاں پل منہدم ہو گئے تھے اور سڑکیں سطح کے تہہ و بالا ہو جانے سے زیر آب تھیں وہ لکھتے ہیں کہ:۔

" شہروں اور قصبوں کا منظر کچھ ہیبتناک نہ تھا۔ ان کے کھنڈر دور دور تک پھیلے ہوئے تھے۔ سڑکوں میں شگاف پڑ گئے تھے اور وہ اس قدر الٹ پلٹ گئی تھیں کہ معلوم ہوتا تھا کسی دیو پیکر ہاتھ نے توڑ مروڑ کر رکھ دیا ہے۔ بڑے بڑے شگافوں سے پانی اور ریت ابل پڑا تھا۔ اور سیلاب آدمیوں اور جانوروں کو بہا لے گیا تھا۔ خصوصیت کے ساتھ شمالی بہار کے میدانوں میں جنھیں گلشن بہار کہا جاتا تھا ویرانی اور تباہی کے آثار نمایاں تھے۔ میلوں تک ریت ہی ریت نظر آتا تھا۔ رقبے کے رقبے زیر آب تھے۔ زمین میں جا بجا بڑے بڑے شگاف اور چھوٹے چھوٹے آتش فشاں کے دہانے تھے جن میں سے ریت اور پانی ابلتا تھا؟

لوگوں کا بیان ہے کہ پہلے تو زلزلے کی ایک لہر ایک طرف سے دوسری طرف نکل گئی اور جتنے آدمی کھڑے تھے سب گر گئے پھر ایک گڑگڑاہٹ اور دل ہلا دینے والی گونج پیدا ہوئی۔ جیسے بہت سی توپیں چھوٹ رہی ہوں یا سینکڑوں ہوائی جہاز اڑ رہے ہوں۔ بے شمار مقامات پر بڑے بڑے شگافوں اور دہانوں سے پانی ابل ابل کر دس بارہ فٹ،

اونچا جانے لگا یہ حالت غالباً تین منٹ یا اس سے کچھ زیادہ ہی رہی لیکن یہ تین منٹ قیامت کے تھے کوئی تعجب نہیں کہ اس واقعہ کے بہت سے دیکھنے والے یہ سمجھے ہوں کہ اب دنیا کا خاتمہ ہو رہا ہے۔ شہروں میں مکانات گرنے کا شور برپا تھا۔ پانی بہہ رہا تھا۔ اور فضا گرد و غبار سے مکدر تھی جس کے سبب چند گز کے فاصلہ کی چیز بھی نظر نہ آتی تھی۔ مگر اسوقت کون تھا جو اطمینان سے یہ تماشہ دیکھتا جو بچ گئے تھے وہ زمین پر پڑے تھے اور دہشت سے مرے جاتے تھے۔

شاید مظفرپور میں ایک بارہ سال کا کمسن لڑکا دس دن بعد کھود کر زندہ نکالا گیا وہ سخت متعجب تھا۔ جسوقت گرتے ہوئے ملبے نے اس کو گرا کر قید کر دیا تو وہ سمجھا کہ دنیا کا خاتمہ ہو گیا ہے اور وہی ایک بچ سکا!

ہمارے دورے میں آخری مقام شہر مونگیر تھا۔ ہم لوگ بہت دور دور پھرتے تھے اور قریب قریب نیپال کی سرحد تک پہونچ گئے تھے ہم نے ہیبتناک سین دیکھے تھے اور ہماری آنکھیں تباہی اور بربادی کے نظاروں کی عادی ہو چکی تھیں۔ مگر جب مونگیر جیسے مرفہ الحال شہر کی کامل ویرانی پر نظر پڑی تو ہم لوگ وہشت سے کانپ اٹھتے تھے۔ میں وہ خوفناک منظر کبھی نہ بھول سکوں گا!

نایاب مثال؟

جواہرلال نہرو نے مونگیر میں پھاوڑہ لے کر خود ملبہ کھودا۔ اور اس طرح عملی امداد کی ایک نایاب مثال قایم کر دی۔ ان کی اس عملی جدو جہد کو دیکھ کر دوسری جماعتوں کے رہنما بھی کدال پھاوڑے لیکر پہونچگئے

اور دن بھر پھر کر کھدائی کا کام بہت زور شور سے ہوتا رہا۔ جواہر لال نہرو اور ان کے ساتھیوں نے ایک کمسن لڑکی کی لاش کھود کر نکالی۔ وہ خود وہاں زیادہ نہ ٹھیر سکے انھیں جلد واپس الہ آباد جانا پڑا۔ لیکن انہوں نے جو مثال قائم کی تھی اس کے بڑے اچھے نتائج نکلے مقامی لوگوں نے اس جدو جہد کو برابر جاری رکھا۔

گاندھی جی کے بیان سے صدمہ

زلزلہ کے متعلق گاندھی جی نے ایک بیان کے دوران میں کہا تھا۔ کہ یہ تباہی و بربادی چھوت چھات کی سزا ہے۔

گاندھی جی کا یہ بیان جب جواہر لال نہرو کی نظر سے گذرا تو انھیں سخت صدمہ ہوا وہ لکھتے ہیں کہ:۔

"مجھے گاندھی جی کا یہ بیان پڑھ کر سخت صدمہ ہوا کہ زلزلہ چھوت چھات کی سزا ہے۔ انہوں نے یہ ایسی بات کہی کہ آدمی سر پکڑ کر بیٹھ جائے"

حکومت سے شکوہ

الہ آباد واپس پہونچکر جواہر لال نہرو نے اخبارات کو ایک بیان دیتے ہوئے حکومت سے زبردست شکوہ کیا اور کہا کہ اس پر درد حادثہ کے تین چار روز بعد حکومت کو ہوش آیا اور اس نے حادثہ کی شدید نوعیت کو محسوس کیا اور طبی اور دیگر امداد کے متعلق انہوں نے انکشاف کیا کہ سرکاری افسران سرگرمیوں اور کوششوں کے قطعی خلاف ہیں جو ان کی زیر نگرانی اور ماتحت نہیں کی جاتیں۔

انھیں جھنجوڑ گا ایک تصویر رنگ آرزو بھر کے

حکومت کی مذکورہ بے توجہی کی عام شکایت تھی ملک بھر اس کا شاکی تھا اخبار مدینہ نے حکومت کو لتاڑتے ہوئے لکھا تھا کہ:-

"زلزلے سے زمین لرز گئی ہے۔ میدان پھٹ گئے ہیں سربفلک عمارتیں زمین بوس ہو گئی ہیں خشک سڑکیں دریا بن گئی ہیں اور ندی نالے خشک ہو کر گذرگاہوں میں مبدل ہو گئے ہیں۔ عشرت کی محفلیں ماتم و سوگواری کی مجلسیں بن گئیں جہاں شادیانے بجتے تھے وہاں گریہ وزاری نے طوفان مچا رکھا ہے۔ جن گھروں میں انواع اقسام کے لذیذ کھانے تیار ہوتے تھے اور دن رات چولھے جلتے تھے وہاں صرف دھواں بلند ہو رہا ہے اور فاقہ زدہ شکموں کے تنور گرم ہیں۔ جن دروازوں پر ہاتھی جھومتے تھے وہاں الّو بول رہے ہیں۔ پتھر سے پتھر دل بھی پانی ہو کر بہہ گیا ہے لیکن نہیں لرزا تو ارباب حکومت کا دل اور نہیں بدلا تو ان کا دماغ مصیبت کتنی ہی وسیع ہو انھیں امدادی فنڈوں میں امتیاز روا رکھنے سے فرصت نہیں ہوتی، تباہی کتنی ہی عام ہو۔ لیکن انھیں اپنے کرائے سے مطلب اور مجسٹریٹوں کے طمطراق اور سپرنٹنڈنٹوں کے اختیارات کے اظہار سے واسطہ ہے کانگریس کے تمام سرگرمیاں بند کر کے اعانت و امداد کا کام شروع کر دیا ہے۔

گاندھی جی نے اپنے آشرم نواسیوں کو بہار روانہ کر دیا ہے جواہر لال نہرو تمام انتشار کی بیانات سے منہ موڑ کر پھاوڑا ہاتھ میں لے کر اور سر پر ٹوکری اٹھائے ہوئے ملبہ کھود رہے ہیں۔ مولینا ابوالکلام آزاد کی مہر سکوت بھی ٹوٹ گئی ہے صحت کے تمام عذرات کی بندشیں ڈھیلی پڑ گئیں ہیں اور وہ در بہ در پھر کر اعانت

جمع کر رہی ہیں یہ تمام انقلابات رونما ہو گئے ہیں۔ لیکن حکومت کے طرز عمل میں کوئی نمایاں تغیر نہیں آیا اس کے خزانوں کے منہ بند ہیں

مدینہ نے ماتم و سوگواری کا نقشہ کھینچ کر اور یہ گریہ و زاری کی تصویر اتار کر حکومت کی غفلت کی شکایت کرتے ہوئے اور ایک جگہ لکھا ہے کہ :-

زلزلہ زدوں کی امداد اور نقصان کی تلافی کے لئے ہندوستان کے سب سے زیادہ ذمہ دار ادارے اور نظام نے اپنے فرض کی تکمیل میں کوئی موثر قدم نہیں اٹھایا جاپان میں بہار کے زلزلے سے بھی زیادہ خوفناک زلزلہ آیا تھا۔ لیکن حکومت جاپان نے اپنی پوری مشینری اور پوری توجہ اس کے نقصانات کی تلافی پر مبذول کر دی اور چشم زدن میں زلزلے کی تباہ کاریوں کا نام و نشان مٹا دیا۔ لیکن ہندوستان کے سب سے زیادہ بدنصیب صوبے کی تباہی پر حکومت نے اپنے زعم میں ممکن ہے حاتم کی قبر پر لات ماری ہو لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس نے حکومت کی حیثیت میں اپنا فرض قطعاً ادا نہیں کیا۔ تباہی کس قدر عظیم الشان ہے بربادی کتنی وسیع ہے۔ ہولناکی کس قدر لرزہ خیز ہے نقصان کس قدر بڑا ہے۔ لیکن حکومت نے اگر کچھ کیا ہے تو صرف اس قدر کہ، وائسرائے فنڈ کے نام سے ایک فنڈ کھول دیا ہے۔ جس میں سرکاری اور نیم سرکاری حضرات چندہ دے رہے ہیں۔ لیکن ان چندوں کی کیفیت بھی یہ ہے کہ ایک ماہ کے عرصہ میں پندرہ لاکھ روپیہ بھی جمع نہ ہو سکا حالانکہ اس فنڈ کی پشت پر پوری سرکاری مشینری ہے ہر قسم کے اثرات مصروف کار ہیں اور غیر سرکاری ہمدردان انسانی نے بھی اس میں اپنی رقوم شامل کی ہیں اگر اس تباہی کا عشر عشیر بھی کسی آزاد اور خود مختار ملک میں واقع ہوتا تو حکومت کے خزانے اس تلافی کے لئے کھول دیئے جاتے لیکن بدقسمت ہندوستان کی اتنی بڑی

تباہی پر حکومت کے ہوم ممبر صاحب صرف اس قدر کہکر رہ گئے کہ حکومت مصیبت زدوں کو دو کروڑ روپے قرض دینے کو تیار ہے گویا جن لوگوں پر تباہی و بربادی کے پہاڑ ٹوٹ پڑے ہیں انہوں نے ایک قسم کی کامیاب تجارت کی ہے اور حکومت قرضہ دے کر ان کی اعانت کرنا چاہتی ہے تاکہ وہ حسب منافع تقسیم کریں تو حکومت کا قرضہ بھی بیباق کر دیں اندازہ لگایا گیا ہے کہ بہار کی از سر نو تعمیر کرنے کے لئے چھ کروڑ روپے کی ضرورت ہو گی لیکن حکومت صرف دو کروڑ دینا چاہتی ہے اور وہ بھی بطور قرض اور اس کی سرپرستی میں جو فنڈ جمع ہو رہا ہے اس کی مقدار پندرہ لاکھ بھی نہیں ہے۔ کیا غیر ذمہ داری کی اس سے بہتر مثال کہیں مل سکتی ہے۔ ہم تاریخ میں پڑھتے ہیں کہ جب اورنگ زیب عالمگیر کے زمانے میں سرزمین دکن حرف، اور احتیاج کا شکار ہوئی تو شہنشاہ دہلی نے خزانے کے دروازے کھولدیے گاڑیوں میں غلہ بھر بھر کر مصیبت زدوں کی امداد کے لئے روانہ ہونے لگا۔ اس وقت نہ کوئی فنڈ کھولا گیا اور نہ قرض روپے دینے کا اعلان ہوا۔ بلکہ ہوا تو یہ کہ سرکاری خزانے کا دریا دکن کی خشک اور برباد زمین کی طرف بہنے لگا

گاندھی جی کا دورۂ بہار؟

گاندھی جی اگرچہ اچھوت ودھار کے کام کو ملتوی کرنا پسند نہیں کرتے تھے۔ لیکن راجندر بابو کے تار اور بیدنگ کے اصرار کے مدنظر انہوں نے، بہار کے تباہ شدہ شہروں اور دیہاتوں کا دورہ کیا برباد شدہ لوگوں کی المناک حالت کو بچشم خود دیکھا۔ اور امدادی کاموں کے لئے کارکنوں کو پروگرام مرتب کر کے دیئے!

۱۹۳۴ء کا یوم آزادی

۲۶ جنوری کا یوم آزادی قریب آرہا تھا۔ یہ وہ دن تھا جو ۱۹۳۰ء کے آرڈی ننسوں اور امتناعی احکامات کے باوجود ہر سال نہایت پابندی سے ملک کے مختلف حصوں میں منایا جاتا تھا۔ ۱۹۳۴ء کے جنوری میں سوائے جواہر لال نہرو کے اور کوئی نہ تھا۔ جو آل انڈیا کانگریس کے عہدہ دار کی حیثیت سے عملی نہ سہی نظری طور پر ہی فرائض منصبی ادا کر رہا تھا چنانچہ انہوں نے یوم آزادی منانے کے لئے ایک اپیل شائع کی اور اپنے ضلع میں وسیع پیمانے پر یوم آزادی منانے کا اہتمام کیا!

یوم آزادی کا پروگرام بہت سادہ ہوتا ہے۔ اس کو سول نافرمانی سے تعلق ہے اور نہ حکومت کے کسی اور قانون کی عصمت دری سے واسطہ ہے۔ اس میں صرف ہندوستان کے اس عزم کا اعلان کیا جاتا ہے کہ اس ملک کو کامل آزادی حاصل کرنے کا حق حاصل ہے۔ یہ فعل نہ قانون کے خلاف ہو سکتا ہے اور نہ اخلاقاً معیوب ہے۔ لیکن ہندوستان کے بے تدبیر حکام اس بے ضرر جشن پر محب الوطنوں کو گرفتار کر کے ہندوستان کی بے چینی میں خود اضافہ کرتے ہیں۔ اس لئے یقین تھا کہ یوم آزادی کے جشن کے منتظمین اس روز گرفتار کر لئے جائیں گے۔

۲۶ جنوری کو ہندوستان کے طول و عرض میں یوم آزادی منایا گیا اور حسب دستور بدحواس حکام نے کانگریسی کارکنوں کو گرفتار کرنے کی غلطی کا ارتکاب کیا۔ لیکن الہ آباد کے ارباب اختیار نے شاید یہ سمجھ کر کہ محض اعلان آزادی سے قانون شکنی کا کارنامہ سرانجام نہیں پا سکتا۔ جواہر لال نہرو کو

تقریر کرنے کے باوجود گرفتار نہیں کیا۔ جواہر لال نہرو کو تعجب تھا کہ وہ گرفتاری سے کس طرح بچ گئے؟

جواہر لال نہرو کی ساتویں گرفتاری!

جواہر لال نہرو نے اپنے پٹنہ کے قیام کی آخری شب میں اپنے رفیقوں اور دوستوں سے زلزلہ کے امدادی کاموں کے متعلق بہت دیر تک گفتگو کی تھی۔ اسی دوران میں یوم آزادی کا تذکرہ نکل آیا کہ ہمارے فلاں فلاں ساتھی اسیر ہو گئے اور ہم بچ گئے۔ جواہر لال نہرو نے مسکرا کر کہا کہ میں نے ایسی ترکیب معلوم کر لی ہے کہ آدمی جارحانہ سیاست کے باوجود گرفتاری سے بچا رہے۔

۱۱ فروری کو وہ واپس الہ آباد پہونچے۔ وہ دورے میں بےحد تھک چکے تھے اور سخت محنت کرنے سے ان کا رنگ اتنا پیلا پڑ گیا تھا کہ عزیز و اقارب ان کی صورت دیکھ کر متحیر رہ گئے وہ الہ آباد کی امدادی انجمن کے لیے اپنی رپورٹ مرتب کرنا چاہتے تھے۔ لیکن نیند اس قدر غالب تھی کہ وہ کچھ نہ لکھ سکے اور اس کے بعد وہ چوبیس گھنٹوں میں سے تقریباً بارہ گھنٹے سوتے رہے؛

دوسرے روز شام کو انہوں نے اپنی بیوی کے ہمراہ چائے پی۔ اسکے بعد پرشوتم داس ٹنڈن ان سے ملنے آئے وہ سب برآمدے میں کھڑے ہوئے باتیں کر رہے تھے کہ ایک موٹر آ کر رکی اور اس میں سے ایک پولیس افسر اترا۔ جواہر لال نہرو فوراً سمجھ گئے کہ ان کا وقت آ گیا۔ چنانچہ وہ آگے بڑھے اور اس سے کہا کہ:

"میں بہت دن سے آپ کا منتظر تھا!

اس نے شرمندگی کے ساتھ معذرت خواہی کی اور بولا کہ اس میں میرا قصو

نہیں یہ وارنٹ کلکتہ سے آیا ہے"!
ابھی والدہ بیمار تھیں انہوں نے درد بھرے الفاظ میں بیٹے کو الوداع کہا اور بولیں "بیٹا آج کے بعد میں شاید تمہیں نہ دیکھ سکوں گی"!
جواہرلال نہرو نے اپنی سعی جمیل سے مصیبت زدہ بہار کی عملی امداد کے سلسلہ میں اسوقت جو سرگرمی پیدا کر دی تھی۔ اس کے مدنظر انکی گرفتاری انسانیت کے بھی خلاف تھی۔ اور دانشمندی سے بھی بعید تھی۔ حکومت کے اس فعل سے سمجھا گیا کہ اس کے ارباب اختیار کا درجہ سیاسی اعتبار سے اس سے کہیں زیادہ پست ہے؟

کلکتہ کا راحت کدہ

جواہرلال نہرو نے اپنی گرفتاری کے وقت گاندھی جی کو بذریعہ تار اطلاع دی کہ "اس مرتبہ میں آرام کے لئے کلکتہ جا رہا ہوں۔ آداب قبول کیجئے اور راجندر بابو کو لکھا دو مجھے افسوس ہے کہ ریلیف کے کام میں آپ کی مزید امداد نہیں کر سکتا آپ اور آپ کے کارکن ان کوششوں میں کامیاب ہوں اور خدا کرے بہار اس آزمائش میں پورا اترے"!

ایسی خاموشی میں پنہاں ہیں صدائیں لاکھوں

اسی رات انھیں کلکتہ لیجایا گیا۔ ہوڑے سٹیشن پر حکومت کی طرف سے ہندوستان کے اس محبوب لیڈر کے استقبال کے لئے ایک سیاہ رنگ کی گاڑی موجود تھی۔ پولیس انھیں لال بازار کی پولیس چوکی پر لے گئی!
اس سے پہلے انہوں نے کلکتہ کے اس صدر کھانے کے متعلق بہت

کچھ بڑھا تھا۔ اس لیئے انہوں نے ذرا دلچسپی سے اس پر اِدھر اُدھر نگاہ ڈالی
وہاں شمالی ہند کے ہر صدر تھانے سے زیادہ یورپین سارجنٹ اور تھانیدار
موجود تھے:

ابتدا میں انھیں پریسیڈنسی جیل میں رکھا گیا۔ مقدمہ کی سماعت
چیف پریسیڈنسی مجسٹریٹ کی عدالت میں ہوئی تھی۔ جیل خانہ کی لاری میں
انھیں عدالت لیجایا جاتا تھا۔ سپاہیوں میں سے کچھ آدمی ان کے ہمراہ لاری
کے اندر ہی بٹھائے جاتے تھے وہ ہندوستانی تھے اور ہندوستان کے
لیڈروں سے شاید ہمدردی بھی رکھتے تھے۔ اس لیے بے حد رنجیدہ نظر آتے
تھے اور اپنی نوکری سے بیزار تھے۔ اور کبھی کبھی ان کی آنکھیں نم بھی
ہو جایا کرتی تھیں:

ساتویں سزا:

چیف پریسیڈنسی مجسٹریٹ کی عدالت کا کمرہ اور پوری عمارت کھلی
ہوئی کچہری کی بجائے ایک محصور قلعہ سا تھا۔ سوائے چند اخباری نمائندوں
اور وکیلوں کے وہاں کسی کو پھٹکنے ہی نہیں دیا جاتا البتہ پولیس کے سپاہی
خاص تعداد میں موجود رہتے ہیں:

جب جواہر لال نہرو کو عدالت کے کمرے میں لے گئے تو انھیں کمرے
کے اندر ایک لمبے راستہ سے گذرنا پڑا۔ جس کے اوپر اور اِدھر اُدھر دونوں
جانب تاروں کی جالی لگی ہوئی تھی۔ ایسا محسوس ہوتا تھا۔ جیسے پنجرے
میں چل پھر رہے ہوں۔ ملزم کا کٹہرا مجسٹریٹ سے کافی فاصلہ پر تھا
اور عدالت کا کمرہ پولیس کے سپاہیوں اور سیاہ چغے والے وکیلوں سے

بھرا ہوا تھا۔

جواہر لال نہرو نے حسب معمول کوئی صفائی پیش نہیں کی صرف ایک مختصر سا بیان پڑھ کر سنا دیا۔ دوسرے روز ۱۵ فروری کو انھیں دو برس کی سزا دی گئی۔ اس طرح ساتویں مرتبہ ان کی قید کی مدت شروع ہوئی!

مدافعت کے لئے گیس کے نقاب؟

انھیں پریسیڈنسی جیل سے علی پور مرکزی جیل میں منتقل کر دیا گیا وہاں جو انھیں کوٹھری ملی اس کی لمبائی چوڑائی تقریباً نو فٹ اور آٹھ فٹ تھی " کوٹھری کے آگے ایک برآمدہ اور ایک چھوٹا سا صحن تھا۔ صحن کے چاروں طرف سات فٹ کی دیوار تھی اور صحن کے سامنے ہی دھوئیں کی دو چمنیاں تھیں جن میں سے کالے اور کثیف دھوئیں کے بگولے نکلتے رہتے تھے اور جب کبھی ہوا اس دھوئیں کو اس کوٹھری کی طرف اڑا لیجاتی تھی ان کا دم گھٹنے لگتا تھا۔ یہ تھا وہ کلکتہ کا راحت محل جس کے متعلق انہوں نے گاندھی جی کے تار میں اشارہ کیا تھا!

باورچی خانے کی چمنیوں کے دھوئیں کو نگلنا اور سانس کے ساتھ ساتھ اسے اندر لینا سخت تکلیف دہ تھا۔ چنانچہ انہوں نے سپرنٹنڈنٹ کے سامنے یہ تجویز رکھی کہ اس حملہ کی مدافعت کے لئے گیس کے نقاب فراہم کرنے چاہئیں!

برطانیہ کی عظمت کا عجیب مظاہرہ

غروب آفتاب سے لیکر طلوع آفتاب تک انھیں کوٹھری میں مقفل رکھا جاتا تھا۔ چنانچہ جاڑوں کی طویل شام کا کاٹنا ان کے لئے عذاب ہو جاتا

تھا۔ جب وہ لکھتے لکھتے یا پڑھتے پڑھتے تھک جاتے تو اپنی مختصر ترین کوٹھری میں ٹہلنا شروع کر دیتے تھے۔ چار پانچ قدم آگے جاتے اور پھر پیچھے لوٹتے تو انہیں چڑیا گھر کے پنچھی یاد آتے تھے جو کٹہرے میں بند آگے پیچھے ٹہلتے رہتے ہیں۔ جب ان کا جی بہت زیادہ اکتا جاتا تو وہ اپنی مرغوب ورزش شروع کر دیتے اور سر کے بل کھڑے رہتے!

رات کو پہرے کے سپاہی ادھر سے ادھر ٹہلتے رہتے تھے۔ اور ہر گھنٹہ کوئی نہ کوئی معائنہ ہوتا تھا بعض افسر لالٹین سے کر یہ اطمنان کرنے کے لئے پہنچتے تھے کہ وہ بھاگ تو نہیں گئے!

علی پور جیل میں سلطنت برطانیہ کی قوت اور جبروت کا ایک عجیب مظاہرہ ان کی دیکھنے میں آیا۔ وہاں جب اعلیٰ افسر قیدیوں کے قریب آتے تو قیدیوں کو زور سے، سرکار سلام کا نعرہ لگانا پڑتا تھا جو لمبی آواز اور خاص جسمانی حرکت کے ساتھ ادا کیا جاتا تھا۔ جس طریقہ سے یہ زبردستی کا سلام سرکار کی عظمت و جبروت کے سامنے کیا جاتا تھا۔ جواہر لال نہرو کو باعث تذلیل معلوم ہوتا تھا!

شاہی چتر

علی پور جیل میں کسی ذہین افسر نے ایک اور عجیب ایجاد بھی کی تھی وہ بھی برطانیہ کی قوت و عظمت کا ایک عجیب و غریب مظاہرہ تھا۔ سپرنٹنڈنٹ صاحب جب وہاں تشریف لاتے تو ان پر چتر شاہی کا سایہ کیا جاتا تھا۔ اور وہ ہر قدم اسی کے سایہ کے نیچے اٹھاتے تھے۔ جواہر لال نہرو کو اپنے صحن کی سامنے کی دیوار کے دوسری طرف اس بہت بڑے شاہی چتر کے اوپر کا حصہ دکھائی دیتا تھا جس کے زیر سایہ سپرنٹنڈنٹ صاحب چلا کرتے تھے۔

نشیمن تھا قفس جبکو قفس اس کا نشیمن ہے

علی پور جیل میں پہنچتے ہی جواہر لال نہرو کو اخبار دینا بند کر دیا گیا تھا یہ ان کے لئے خوش کن چیز نہ تھی۔ اس کے علاوہ کلکتہ کی آب و ہوا بھی ان کے موافق نہ تھی جب کبھی وہاں جاکر تھوڑے دن رہا کرتے تو ان کی طبیعت پژمردہ اور پست ہو جاتی تھی جیل کے حالات قدرتاً اور بھی ابتر تھے چنانچہ ان کی صحت بہت گر گئی اور وزن بہت تیزی سے کم ہونے لگا!

لیکن کچھ دن بعد انھیں صحن سے باہر ورزش کی اجازت مل گئی وہ اصل دیوار کے نیچے صبح و شام ٹہلنے لگے اور رفتہ رفتہ علی پور جیل اور کلکتہ کی، آب و ہوا کے عادی ہو گئے اور باورچی خانے کا دھواں اور جیل کا شور و غل بھی ان کے لئے قابل برداشت مصیبت بن گیا

ہفتہ وار مانچسٹر گارجین منگانے کی اجازت بھی انھیں دیدی گئی تھی اس کے ذریعہ وہ یورپ اور بین الاقوامی معاملات سے باخبر رہنے لگے لیکن چونکہ باہر کی خبریں کچھ خوش کن نہ تھیں۔ اس لئے وہ اور زیادہ پریشان ہو گئے

مسلم لیگ کا دور جدید

مسٹر محمد علی جناح گول میز کانفرنس کی شرکت کے کچھ عرصہ بعد جب ہندوستان واپس آئے تو مسلم لیگ کے جسم مردہ میں نئی جان آگئی اور وہ نئے اصول نئے طریق کار اور نئی روح کے ساتھ دوبارہ سیاسی میدان میں اتری اور اس کی کونسل نے فرقہ وارانہ فیصلے کو صرف اس شرط پر قبول کرنے کا دعویٰ کیا کہ اس کے بالمقابل کوئی دوسرا فیصلہ تیار نہ ہو سکے۔ لیکن اس کے

ساتھ اس نے ایک قرارداد کے ذریعہ فرقہ وارانہ تصفیے کے تصفیہ کا دروازہ کھول دیا۔ اور قرطاس ابیض کے متعلق یہ فیصلہ کیا کہ اس کے خلاف ملک کے متحدہ محاذ میں شرکت کی جائے!

قرطاس ابیض کے متعلق مسٹر جناح نے کہا کہ یہ ملعون اور مردود مسودہ دستور بدترین دستاویز ہے۔ اور محض اس لیے تیار کی گئی ہے کہ انگلستان کے فائدے کے لئے ہندوستان کو استعمال کرنے کی خاطر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہمیں مجبور اور بے بس بنا دیا جائے۔

انھوں نے مزید کہا:- اس وقت ہمارے سامنے دو کاغذ ہیں! فرقہ وارانہ اعلان ہمارے لئے سانحہ ہے اور قرطاس ابیض حد درجہ مایوس کن دستاویز ہے۔ میری رائے میں برطانوی سیاستداں اس سے زیادہ مغالطہ دینے اور شر انگیز آئینی سکیم مرتب نہیں کر سکتے تھے!

گیدڑ کا راج؟

شیر جنگل میں نہیں رہتا تو گیدڑوں کی بن آتی ہے اور وہ تمام بلند و پست کو اپنی خرافات سے معمور کر دیتے ہیں کانگریس کی سول نافرمانی کے بعد کونسلوں کا حال بھی یہی ہوا لاہور کانگریس کی تجویز کے بعد سوراج پارٹی۔ اسمبلی اور کونسلوں سے نکل آئی کیونکہ اس کی جگہ غدار جا پہنچے۔ جن کا مقصد زندگی حکومت کی خوشنودی کا پروانہ حاصل کر کے مالی اور ذاتی اور ملازمتی منافع حاصل کرنا تھا۔ وطن دوست جیل میں بند تھے وطن فروشوں کو وطن فروشی سے کون روک سکتا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کانگریس کی تحریک سے ملک کی جرأت و ہمت اور قربانی و ایثار کی صلاحیت میں جسقدر اضافہ ہوا، اتنا ہی اسمبلی کونسلوں

کے ذریعے مظلوم وطن کی پابندیوں مجبوریوں اور بے بسیوں میں اضافہ ہوگیا آرڈی ٹیسوں کو قانون کی حیثیت دیدی گئی تحریر تقریر اور رائے پر انتہائی پابندیاں عاید کردی گئیں۔ اور قانون و آئین کی کتاب میں ان لغویتوں کو داخل کردیا گیا جو صرف وائسرے اور گورنروں کے خانہ دماغ کے لئے وقف تھیں حکومت کے ارکان کی بڑی سے بڑی جابرانہ تجویز کو انتہائی فراخ و حوصلگی کے ساتھ منظور کرلیا گیا۔ میثاق اوٹاوہ کے ذریعہ ہندوستان کو برطانیہ کے ہاتھ فروخت کردیا گیا۔ تاریخ میں کبھی ملک کے ساتھ اس قدر بے ایمانیاں اور غداریاں نہ ہوئی تھیں جو عہد جدید کے خود فراموشوں نے ملک کے ساتھ روا رکھیں انتہا یہ ہوئی کہ چار برس کی جد و جہد کے بعد جب ہندوستانیوں کے دل حکومت انگریزی کے تخت و جلال سے خالی ہو گئے تو ان کے بدن پہلے سے زیادہ استبداد کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے!

مذکورہ حالات کو دیکھتے ہوئے محبان وطن کے حلقوں میں یہ فرض محسوس کیا جانے لگا کہ کانگریس کونسلوں اور اسمبلی کی تلوار خود غرض بندروں کے ہاتھ سے چھین لے اور غداروں کو جمہوری اور نیابتی اداروں سے خارج کرکے خالص جمہوری اور وطنی طرز حکومت نافذ کرے!

سوراج پارٹی کی حیات ثانی

ڈاکٹر انصاری کی تاریخی اور مشہور و معروف کوٹھی کے ایک کانگریسی اجتماع میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ سوراج پارٹی کو جو اس وقت تک معطل رہی ہے دوبارہ زندہ کیا جائے اور جو کانگریسی کارکن اور لیڈر انفرادی نافرمانی کرکے جیل جانے کے لئے تیار نہیں ہیں ان سے منظم طور پر پونا کانفرنس کے

مطابق تعمیری کام لیا جائے اور اسمبلی کے انتخابات میں کامیاب ہو کر دنیا پر ثابت کر دیا جائے کہ ہندوستان کانگریس کے ساتھ ہے، اور اس کے وعدوں اور مطالبات آزادی کے ساتھ ہمدردی رکھتا ہے

ڈاکٹر انصاری آل انڈیا سوراج پارٹی کے صدر منتخب کئے گئے

سول نافرمانی کا التوا

ملک میں سول نافرمانی کے التوا کا رجحان بڑھتا جا رہا تھا۔ ایسی صورت میں جبکہ حالات سازگار نہ ہوں خواہ مخواہ بات کی پچ کے لئے میدان میں ڈٹا رہنا کوئی خوبی کی بات نہیں چنانچہ اپریل ۱۹۳۴ء میں، گاندھی جی نے اس کے التوا کا اعلان کیا انہوں نے اپنے بیان میں لکھا کہ :-

"میں تمام کانگریسی اصحاب کو مشورہ دیتا ہوں کہ وہ سوراج کی خاطر سول نافرمانی بند کر دیں اور سوراج کے حصول کے لئے سول نافرمانی کا معاملہ صرف مجھ پر چھوڑ دیں مجھ پر ایک بات منکشف ہوئی ہے۔ کہ میرا ایک قدیمی اور ممتاز ساتھی جیل کی چار دیواری کے اندر جیل خانہ کی، تمام مشقت برداشت کرنے سے گھبراتا ہے۔ اور وہ مطالعہ کو جیل ڈیوٹی پر ترجیح دیتا ہے۔ یہ بالکل عیاں ہے کہ یہ ستیہ گرہ کے قواعد کے صریحی خلاف ہے اس دوست کو میں اپنی جان سے زیادہ عزیز سمجھتا ہوں۔ اس کے حالات سنکر مجھے اس کے نقص میں اپنا نقص نظر آیا۔ اور میں نے یہ محسوس کیا کہ میں ابھی تک اس معاملہ میں مکمل نہیں ہوں۔ میرا دوست سمجھتا ہے کہ میں اس کی کمزوری سے واقف ہوں۔ لیکن میں اس معاملہ میں

اندھا تہا ایک لیڈر کی کورانہ روش ناقابل معافی ہے۔ اس لئے میں نے یہی مناسب سمجھا کہ ایسے حالات میں صرف میں ہی عملاً تحریک سول نافرمانی کا عامل رہوں"۔

گاندھی جی کی بے انصافی؟

عرصہ سے قوم پرور حلقوں میں وطنی طرز حکومت کے نفاذ کے لئے نیابتی اداروں پر قبضہ کر لینے کا رجحان بڑھ رہا تہا۔ اور ہر طرف سے سول نافرمانی کے التوا کی خواہش کا اظہار کیا جا رہا تہا اس لئے گاندھی جی کے مشورے کو سراہا گیا۔ لیکن انہوں نے اپنے مشورے کی تائید میں جو سند لال پیش کیا اس پر ہر طرف سے ناراضگی کا اظہار ہوا۔

ستیہ گرہ کو ممکن ہے کہ لوگ مہاتما جی کے برابر سمجھنے کی اہلیت نہ رکھتے ہوں لیکن تحریک وطنیت اور آزادی ملک کے جذبہ کا یہ اعجاز تہا کہ ملک کے جاہل سے جاہل طبقہ نے بھی انتہائی اشتعال انگیز حالات میں حیرت انگیز عدم تشدد اور ستیہ گرہ کا ثبوت دیا۔ اس لئے گاندھی جی کا یہ کہنا انصاف پر مبنی نہ تہا کہ لوگوں نے ستیہ گرہ کی حدود کو ملحوظ نہیں رکھا، حدود ہمیشہ استطاعت اور وسعت پر مبنی ہوتے ہیں۔ اور جرنیل جو جنگ میں مہارت کامل رکھتا ہے۔ اور اپنے ہر سپاہی سے اپنے برابر مہارت کی توقع نہیں رکھ سکتا۔

جواہر لال نہرو کو علی پور جیل میں سپرنٹنڈنٹ کی زبانی معلوم ہوا کہ گاندھی جی نے سول نافرمانی کو ملتوی کر دیا یہ خبر ان کے لئے خوش آیند ثابت نہیں ہوئی اور انھیں رنج ہوا کہ کئی سال سے وہ جس تحریک میں محو تہے!

وہ ختم ہوگئی۔ مذکورہ تبدیلی ان کے لیے ناخوشگوار تھی۔ لیکن انہوں نے اپنے آپ کو اس پر رضامند کرنے کی کوشش کی۔ لیکن کئی روز بعد ان کے پاس ہفتہ وار اخبار پہونچا۔ تو گاندھی جی کا بیان ان کی نظر سے گذرا۔ انہوں نے گاندھی جی کے عجیب استدلال کو حیرت سے پڑھا۔ اور انھیں اس قدر رنج ہوا کہ دل بیٹھنے لگا۔ ان کی حالت کا اندازہ ان کی تحریر سے ہوتا ہے وہ لکھتے ہیں:"

"گاندھی جی کے ان دوست کی خامی یا قصور اگر اس سے کہا جا سکتا ہے ایک بہت معمولی سی بات تھی میں خود اس بات کا اقرار کرتا ہوں کہ مجھ سے بارہا یہ جرم سرزد ہوا ہے اور مجھے اس کا مطلق افسوس اور پچھتاوا نہیں ہے۔ لیکن اگر یہ معاملہ سنگین بھی تھا تو کیا وسیع قومی تحریک کو جس میں بیسیوں ہزار آدمی بلا واسطہ اور لاکھوں آدمی بالواسطہ شریک تھے، محض اس لیے بند کر دینا چاہیئے تھا کہ ایک فرد سے کوئی غلطی سرزد ہوگئی مجھے تو یہ بات بالکل خلاف عقل اور منافی اخلاق معلوم ہوئی۔ میں یہ کہنے کی جرأت نہیں کرسکتا کہ کونسی بات ستیہ گرہ کے مطابق ہے اور کونسی نہیں ہے۔ لیکن اپنی بساط کے لائق میں نے بھی بعض اصولوں کی پیروی کی کوشش کی ہے اور گاندھی جی کے اس بیان سے یہ سارے اصول درہم برہم ہو گئے!

"میں یہ سمجھتا تھا کہ سول نافرمانی کو ملتوی کرنے میں گاندھی جی نے وہی کیا جو قرین مصلحت تھا۔ لیکن جو دلیل انہوں نے دی۔ وہ میرے نزدیک عقل و فہم کے لیئے باعث توہین تھی اور قومی تحریک کے لیڈر سے بہت بعید تھی۔ انہیں پورا حق حاصل تھا کہ اپنے آشرم والوں کے ساتھ جو چاہتے کرتے۔ ان حضرات نے طرح طرح کے عہد کئے تھے ایک خاص ضابطہ کی

پابندی کا اقرار کیا تھا۔ لیکن کانگریس نے ایسا نہیں کیا تھا۔ ورنہ میں نے کیا تھا۔ پھر کیا وجہ تھی کہ ہم اس طرح بھلا دئے جائیں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ میرے گاندھی جی کے درمیان ایک بہت بڑی خلیج حائل ہو گئی۔ ورکنگ کمیٹی کے ساتھ میں نے محسوس کیا کہ اطاعت اور وفاداری کے جن رشتوں نے سالہا سال سے مجھے ان کے ساتھ وابستہ کر رکھا تھا۔ وہ ٹوٹ گئے ہیں"

مسز سروجنی نائیڈو نے گاندھی جی کے طرز عمل کی مذمت کی اور کہا کہ گاندھی جی کا یہ بیان صاف طور پر ان کی اپنی ذلت کا باعث ہے اور یہ ان کا وہی مخصوص طریقہ ہے جس سے وہ ہمیشہ اپنے غلط فیصلے یا غلط فعل کا کفارہ ادا کیا کرتے ہیں میں مجبوراً یہ بھی محسوس کرتی ہوں کہ خواہ یہ فعل مہاتما گاندھی سے غیر ارادی طور پر سرزد ہوا ہو لیکن گاندھی جی کے ان ہزارہا عقیدت مندوں پر ناجائز الزام کے مترادف ہے جنہوں نے ان کے کہنے پر ستیہ گرہ کے لئے قربانیاں کیں اور مصائب برداشت کئے!

ڈاکٹر انصاری کے نام گاندھی جی کا خط

سوراج پارٹی کے رہنما اپنے خیالات گاندھی جی کے سامنے رکھ کر ان کی منظوری حاصل کرنے کے خواہشمند تھے، چنانچہ پارٹی نے روح رواں ڈاکٹر انصاری، ڈاکٹر بدھان چندر رائے اور مسٹر بھولا بھائی ڈیسائی گاندھی جی سے ملنے کے لئے پٹنہ گئے۔ گاندھی جی زلزلہ بہار کے دورے کے سلسلے میں اس وقت وہیں تھے۔

۴ اپریل ۱۹۳۴ء کی صبح کو سوراج پارٹی کا وفد پٹنہ پہونچا تین گھنٹہ سے زیادہ گاندھی جی سے تبادلۂ خیالات ہوتا رہا۔ دوسرے روز پھر صبح اور سہ پہر

کے وقت گاندھی جی سے گفتگو ہوئی۔ اس گفتگو کا نتیجہ حسب ذیل مکتوب میں درج ہے جو گاندھی جی نے ڈاکٹر انصاری کے نام لکھا تھا۔

عزیز ڈاکٹر انصاری

خوشی کی بات ہے کہ آپ، بھولا بھائی ڈیسائی اور ڈاکٹر بدھان چندر رائے پٹنہ تشریف لائے تاکہ بعض کانگریسیوں کے حال ہی کے جلسہ کی تجاویز پر مجھ سے گفتگو کریں اور ان کے متعلق میری رائے معلوم کریں۔ سوراج پارٹی کے اس فیصلہ کو خوش آمدید کہنے میں مجھ کو کوئی پس و پیش نہیں ہے کہ اسمبلی کے آئندہ انتخاب میں حصہ لیا جائے جو آپ کے قول کے مطابق ٹوٹنے والی ہے۔ بہ حالت موجودہ مجالس آئین ساز کے متعلق میرے نظریے کافی مشہور ہیں میری جو رائے ۱۹۲۰ء میں تھی وہ بدستور ہے۔ مگر میں محسوس کرتا ہوں کہ نہ صرف یہ صحیح ہے کہ ہر اس کانگریسی کا فرض ہے جو کسی وجہ سے پونا پروگرام میں حصہ نہیں لے سکتا۔ یا حصہ لینا نہیں چاہتا اور جو کہ اس آئین ساز کے داخلہ پر اعتماد رکھتا ہے کہ وہ داخلہ کی کوشش کرے اور پروگرام کو چلانے کے لئے سلسلے قایم کرے جن کے متعلق اسے یقین ہے کہ یہ ملک کے مفاد میں ہیں۔ اپنی مذکورہ بالا رائے کے ساتھ میں ہمہ وقت پارٹی کے اختیار میں رہوں گا اور جو کچھ میری طاقت میں ہے امداد کروں گا

دستخط: ایم۔ کے۔ گاندھی!

داخلہ کونسل کے متعلق جواہرلال نہرو کی رائے

علی پور جیل میں جواہرلال نہرو کو اطلاع ملی کہ کونسلوں پر قبضہ کرنے کی غرض سے سوراج پارٹی کو دوبارہ زندہ کیا جا رہا ہے انکے خیال میں یہ

امر ناگزیر سا تھا۔ اور کچھ عرصے سے انکی رائے یہی تھی کہ کانگریس آئندہ انتخابات سے کنارہ کشی نہ کر سکے گی لیکن اس کے باوجود جیل جانے سے پہلے پانچ مہینے کی آزادی میں انہوں نے اس رجحان کو رد کرنے کی کوشش کی تھی۔ کیونکہ وہ اسے قبل از وقت سمجھتے تھے اور انھیں اندیشہ تھا کہ اس کی وجہ سے عملی جدوجہد ٹھنڈی پڑ جائے گی؛

غدار اسمبلی کا خاتمہ

کانگریس کے اسمبلی پر قبضہ کرنے کا فیصلہ سنکر ارباب حکومت کے ہوش و حواس پر ایک بجلی سی گر پڑی اور اسمبلی کی شکست و ریخت اور برخاستگی کا مسئلہ کھٹائی میں ڈالا جانے لگا۔ لارڈ لنگڈن کا پیرانہ سال اور کمزور اسمبلی کے خاتمہ کے اعلان کی جرات نہ کر سکتا تھا۔ اس طرح والسرائے موصوف کی وہ فتوحات جو انہوں نے آرڈی ننسوں سے ہندوستان میں حاصل کی تھی برباد ہو کر رہ گئی۔ حکومت ہند کا یہ والسنہ اعتراف شکست اس امر کا اعتراف تھا کہ کانگریس حقیقتاً ہندوستان کی رائے عامہ کی ترجمان ہے؟

اسمبلی اپنے ارکان کی مزاجی اور سیاسی کیفیت کے اعتبار سے ہندوستان کی قومیت کی جبیں پر ایک نہایت بدنما داغ تھی کسی ملک کے فرزندوں نے مادر وطن کے ساتھ ایسی المناک اور شرم انگیز غداریاں نہیں کیں جو اسمبلی کے اکثر ارکان نے اپنے دور حیات میں روا رکھی تھیں۔ بالآخر حکومت کو اس کے خاتمہ کے اعلان پر مجبور ہونا پڑا۔

سُرخ پوشوں کی قربانیوں کی قیمت

کانگریس نے اپنا سیاسی محاذ یکسر بدل دیا تھا۔ اور سول نافرمانی کی حدود سے گذر کر دستوری شاہراہ اختیار کرلی تھی۔ عوام اس امر کے متمنی تھے کہ ملک کی سب سے بڑی قومی جماعت کانگریس اپنے جدید آئینی محاذ پر اپنے کامیاب اقدام کو جاری رکھے اس کے پہلو بہ پہلو ملک میں عام طور پر اس توقع کا اظہار کیا جا رہا تھا کہ حکومت کانگریس کے جواب میں زیادہ فیاضی کیساتھ مصالحت کا ہاتھ بڑھائے گی۔ اور ہوشمندی کے ساتھ ایسے امکانات پیدا کردے گی جس سے سیاسی حالات میں تبدیلی ہو جائے لیکن انتظار کی شدید کشمکش کے بعد جو اعلان شائع ہوا اس نے ملک کو ناامیدی اور مایوسی کے گڑھے میں ڈھکیل دیا۔

اعلان میں بتایا گیا کہ صوبوں کی کانگریس کمیٹیوں کے خلاف جو امتناعی احکام جاری کئے گئے ہیں انھیں واپس لے لیا جائے گا۔ لیکن مرکزی اور صوبائی حکومتوں کے وہ قوانین اور اختیارات بدستور موجود رہیں گے جو سیاسی کارکنوں کی سرگرمیوں کے خلاف جاری کئے گئے تھے۔ سرخ پوشوں کے خلاف کسی قانون کو واپس نہ لیا جائے گا۔ اور نہ انکی مجلسوں کو جائز قرار دیا جائے گا۔ سیاسی قیدیوں کی رہائی بھی صوبائی حکومتوں کے اختیار میں دے دی گئی تھی۔ کہ وہ چاہے رہا کریں۔ چاہے بہ دستور قید رکھیں!

سیاسی قیدیوں کی رہائی کا مسئلہ سب سے زیادہ قابل توجہ تھا۔ لیکن اسے انتہائی ناقابل توجہ سمجھا گیا!

سرحدی سرخپوشوں کے خلاف انتظامی احکام کا بہ دستور قائم رکھنا اس بات کی دلیل ہوگئی کہ سرخپوشوں کی سیاسی اہمیت ہندوستان کی ہر سیاسی جماعت پر فائق ہوگئی ہے اور یہی چیز ان قربانیوں کی قیمت تصور کی جانے لگی جو سرخپوشوں نے ۱۹۳۱ء سے ۱۹۳۴ء تک انجام دی تھیں!

ہندو مسلم سمجھوتے کی ناکام کوششیں

اپریل سنہ ۱۹۳۴ء میں دہلی میں پنڈت مالوی، مسٹر جناح، مولانا شوکت علی، بھائی پرمانند اور سردار سنت سنگھ کے مابین فرقہ وارانہ مسئلے کے حل کے متعلق گفت و شنید ہوئی اور افسوس کہ ناکام ہو کر ملتوی ہو گئی۔

مسلمانوں کی خواہش تھی کہ قرطاس ابیض کی مخالفت میں تمام ہندوستان متحد ہو جائے اور اس میں ایسی تبدیلیاں کرالی جائیں جن سے مادر وطن کی بیڑیاں کٹ جائیں اور صحیح اختیارات مادر وطن کے ہاتھوں آجائیں لیکن اس شرط کے ساتھ کہ دستور مستقبل میں مسلمانوں کے حقوق محفوظ ہو جائیں اور ہندو حکومت کے پیش کردہ فرقہ وارانہ فیصلہ سے بہتر فیصلہ کرنے میں مسلمانوں کے ساتھ اشتراک کریں اور اگر ہندو کسی بہتر فیصلہ پر رضامند نہ ہوں تو کمیونل ایوارڈ کے مسئلہ کو کانگریس کے مانند زیر بحث نہ لائیں۔ ہندو سکھوں کا منشا یہ تھا کہ قرطاس ابیض کو ضرور مسترد کر دیا جائے لیکن اس سے پہلے مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ کمیونل اوارڈ کو دفن کر دیں بالآخر اتحاد کی کوششیں ناکام ہو کر رہ گئیں۔

رانچی کی تاریخی کانفرنس

مئی سنہ ۱۹۳۴ء میں رانچی ایک تاریخی کانفرنس میں گاندھی جی کی رہنمائی اور ڈاکٹر انصاری کی صدارت میں ہندوستان کے سرفروشوں اور محبان وطن نے سوراج پارٹی کو کانگریس کی پارلیمنٹری جماعت قرار دیتے ہوئے یہ طے کیا کہ وہ کانگریس ہی کا ایک حصہ ہو گی اور گو وہ داخلی طرز عمل میں آزاد ہو گی۔ لیکن اس کے فیصلہ کی باگ ڈور کانگریس

کے ہاتھ میں ہوگی۔

کانفرنس کی ایک قرارداد میں قرطاس ابیض کی سخت مذمت کی گئی اور فرقہ وارانہ فیصلہ کے متعلق اظہار رائے سے انکار کر دیا گیا۔ کہ اسے منظور یا مسترد کرنا بعد کی بات ہے!

بنگال کے ڈیلی گیٹ اور ہندو مہاسبھا فرقہ وارانہ فیصلہ کی مذمت کے طلب گار تھے۔ اس کے برعکس مسلمانوں کی دانشمند محبان وطن کی خواہش تھی کہ اسے یونہی چھوڑ دیا جائے۔ بالاخر ڈاکٹر انصاری اور مسٹر ڈیسائی نے انتہائی تدبر سے کام لیا۔ اور اس پر اظہار رائے سے انکار کر دیا کیونکہ فرقہ وارانہ فیصلہ ایک مشروط دستاویز تھی جس کو منسوخ کرنے کا وعدہ حکومت خود کر چکی تھی بشرطیکہ ہندوستانی کوئی متفقہ فیصلہ اپنی طرف سے پیش کر سکیں!

عبید اللہ خاں کی ستر دن کی بھوک ہڑتال!

خان عبدالغفار خاں کے بھتیجے خان عبید اللہ خاں سیالکوٹ جیل میں قید تھے۔ اس کے بعد انہیں ملتان جیل میں منتقل کر دیا گیا خان موصوف کو جیل کے اسٹاف سے شکایات تھیں۔ اس کے علاوہ انھیں اپنی ملتان کی منتقلی پر بھی اعتراض تھا۔ اس لئے انہوں نے مذکورہ اعتراضات کی بنا پر بھوک ہڑتال کر دی چھ ہفتہ کی بھوک ہڑتال کے بعد وہ ہڈیوں کا پنجرہ رہ گئے لہذا ان کی قیمتی جان موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا ہو گئی!

۹ مارچ کو ہوم ممبر جارج کننگھم نے سرحد کونسل میں بتایا کہ ۲۸ فروری کو جو آخری اطلاعات حکومت تک پہونچی اس سے معلوم ہوا ہے کہ عبید اللہ خاں کی حالت نازک ہے۔ لیکن وہ محض ضمانت دینے کے سبب قید کاٹ رہے ہیں

اس لئے راستہ کھلا ہوا ہے وہ جس وقت ضمانت داخل کر دیں رہا ہو سکتے ہیں کیونکہ حکومت کو یقین نہیں ہے کہ اگر انھیں رہا کر دیا گیا تو وہ قانون و امن کے لئے خطرناک ثابت نہ ہوں گے۔ اس لئے حکومت اس خطرہ کو اپنی گردن پر لینے کے لئے تیار نہیں!

سرحد کونسل کی اس قدر بے نیازی کے بعد مرکزی اسمبلی میں عبید اللہ خاں کی رہائی کا مطالبہ کیا گیا۔ لیکن حکومت نے مداخلت سے انکار کر دیا مزید کچھ دن گذر نے کے بعد عبید اللہ خاں بہت ہی زیادہ کمزور ہو گئے ان کی بینائی کافی حد تک سلب ہو گئی اور وہ دن بھر میں کئی کئی مرتبہ بیہوش ہونے لگے بولنے کی سکت باقی نہ رہی اشاروں سے اظہار مطلب کی کوشش کرتے تھے۔ ان کی زندگی کی بحالی کا امکان ختم ہو رہا تھا۔ اس لئے ان کے عزیزوں نے حکومت سے درخواست کی کہ انھیں ان کے بستر مرگ کے قریب رہنے کی اجازت دی جائے!

عبید اللہ خاں کی بھوک ہڑتال کو جب دو ماہ کے قریب گذر گئے اور کرب و اذیت کی انتہائی حدیں گذرنے لگیں اور زندگی کی عشرتیں موت کی تلخیوں سے بدلنی شروع ہوئیں تو فولاد سے زیادہ مضبوط دل بھی لرز اٹھے اور ہندوستان بھر میں رحم و ہمدردی کے جذبات چھا گئے بالآخر پنڈت مالوی نے وائسرائے سے بذریعہ تار مداخلت کی وائسرائے نے مداخلت سے انکار کر دیا۔

ہندوستان کے ہر طبقہ اور جماعت کی طرف سے حکومت سرحد حکومت پنجاب حکومت ہند بلکہ وائسرائے تک کی خدمت میں عبید اللہ خاں کے مطالبے کو تسلیم کرنے کی گذارش کی گئی لیکن حکومت کے تمام ذمہ

لوگوں نے اس معقول اور ضروری مطالبہ کو سننا ہی پسند نہ کیا۔ یہاں تک کہ بھوک ہڑتال کو ۲۰ دن ہو گئے یہ انسانی عزم قوت برداشت اور استقلال کی آخری حد تھی جو عبیداللہ خاں نے بھوک ہڑتال کی صورت میں پیش کی۔

بالآخر حکومت کو جھکنا ہی پڑا، اور انھیں ملتان جیل سے سیالکوٹ جیل منتقل کر دیا گیا۔ سرحد کے۔ اس سرفروش مجاہد کی اس فتح پر ہر طرف اظہار مسرت کیا گیا۔

سندھ کی علیحدگی کا فیصلہ

نئے دستور میں سندھ کو علیحدہ صوبہ قرار دینے کے متعلق تفصیلات کے تعین کے لئے حکومت ہند نے ۷ر اکتوبر ۱۹۳۳ء کو ایک تحقیقاتی کمیٹی مقرر کی تھی، ۲۴ر اپریل ۱۹۳۴ء کو اس نے اپنی رپورٹ شائع کی:

کمیٹی نے یہ رائے ظاہر کی کہ سندھ میں ایک علیحدہ نظم و نسق قائم کیا جائے جو حکومت بمبئی کے زیر اثر نہ ہو اور اس قابل ہو کہ وہ سندھ کے متعلق اپنی رائے مستند پیش کر سکے اور تمام معاملات میں مرکزی حکومت کے تحفظات کی نگہداشت کا خیال ہو اور خصوصاً سکھر بند کے قرض کا مناسب انتظام کر سکے

کمیٹی نے سندھ کے لئے علیحدہ گورنمنٹ ہاؤس سکریٹریٹ کونسل چیمبر ہائی کورٹ اور یونیورسٹی کی موجودگی کو ضروری قرار دیا۔

گاندھی جی کی کار پر لاٹھیوں کی بارش

اچھوتوں کے داخلے مناور کے لئے گاندھی جی جتنی زیادہ کوششیں کر رہے تھے سناتن دھرمی ہندوؤں میں ان کے خلاف اتنی ہی زیادہ،

ناراضگی پیدا ہو رہی تھی چنانچہ ۲۵ اور ۲۶ اپریل ۱۹۴۶ء کو بکسر اور جمشیدی کے مقام پر افسوسناک واقعات رونما ہوئے گاندھی جی دورہ کرتے ہوئے جب ان ہر دو مقامات پر پہونچے تو سناتنیوں نے اپنا جوش و خروش کا مظاہرہ کیا۔ بکسر میں تین رضاکار مجروح کر دیے گئے اور جمشیدی میں گاندھی جی کی کار کا شیشہ توڑ دیا گیا۔ لیکن خوش قسمتی سے گاندھی جی کو کوئی چوٹ نہیں آئی اور وہ بال بال بچ گئے۔ خود ان کا بیان ہے کہ کار میں صرف اکیلا ہی اس نشست پر بیٹھا ہوا تھا۔ اگر میں بیچ میں بیٹھا ہوتا تو ضرور ضرور چوٹ آتی

گاندھی جی پر بم پھینکنے کی کوشش

۲۵ جون ۱۹۳۴ء کو پونہ میونسپلٹی نے گاندھی جی کو ایڈریس پیش کیا ہریجن کے تحریک کے دشمنوں نے گاندھی جی کے خلاف سازش کی۔ وہ گاندھی جی کی آمد پر اسے عملی جامہ پہنانا چاہتے تھے۔ لیکن خوش قسمتی سے انہیں دھوکہ ہوا اور گاندھی جی کی آمد سے پانچ منٹ قبل ایک میونسپل کمشنر کی کار کو وہ گاندھی جی کی کار سمجھ کر ایک خوفناک بم پھینکا گیا جس سے چھ سات آدمی مجروح ہوئے۔ اس حادثہ کے پانچ منٹ بعد گاندھی جی کی کار پہونچی گاندھی جی کو افسوسناک حادثہ کی اطلاع دی گئی اور پوچھا گیا کہ کیا پروگرام پورا کیا جائے۔ گاندھی جی نے اتفاق کیا اور ہال میں گئے۔ وہاں انہیں سپاسنامہ دیا گیا۔ اور تھیلی پیش کی گئی پورے دو گھنٹے کے پروگرام کے بعد گاندھی جی واپس آئے۔

اس شرمناک حادثہ پر گاندھی جی نے کہا کہ اپنی زندگی میں اتنی بار بال بال بچا ہوں کہ اس نئے واقعہ سے مجھے کوئی تعجب نہیں ہوا۔"

گاندھی جی کی ٹرین کو پٹری سے اتارنے کی کوشش

پونہ کے بم کے واقعہ کو چند دن نہیں گذرے تھے کہ گاندھی جی پر پھر حملہ کیا گیا جس ٹرین میں وہ بمبئی جا رہے تھے اسے الٹنے کی کوشش کی گئی پٹری پر بہت سی لوہے کی چیزیں ڈالدی گئیں لیکن اتفاق سے چوکیدار نے عین وقت پر دیکھ لیا اور ٹرین تباہ ہونے سے بچ گئی

یوم میلاد النبی کے جلسہ میں گاندھی جی کی شرکت

۲۴۔ جون ۱۹۳۴ء کو گاندھی جی نے پونہ میں یوم میلاد النبی کے ایک جلسہ میں شرکت کی اور اردو میں ایک طویل تقریر کی انہوں نے کہا:-

"مسلمانوں کے ساتھ میری دوستی کل کی بات نہیں ہے بلکہ ان کیساتھ دوستانہ تعلقات استوار کئے ہوئے پچاس سال کا طویل عرصہ ہو گیا ہے ایک مسلمان فرم کے سلسلہ میں مجھے جزائر افریقہ جانے کا اتفاق ہوا تھا وہاں مجھے مسلمان دوستوں کے ساتھ سالہا سال تک اکٹھے کام کرنیکا موقعہ ملا۔ آپکو معلوم ہے کہ یہاں ہندوستان میں علی برادران کے ساتھ میرے کیسے خوشگوار تعلقات رہے گو چند مسائل میں مولانا شوکت علی اور مجھ میں اختلاف ہے تاہم وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ انکو میری حمایت ہر وقت حاصل ہے؟

مسلمان دوستوں سے میرے تعلقات نہایت خوشگوار تھے۔ لہذا میں نے اس بات کو ضروری سمجھا کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی سوانح حیات کا مطالعہ کیا جائے میں نے افریقہ ہی میں مطالعہ کی کوشش کی لیکن اس وقت میں اردو سے ناواقف تھا۔ قید و بند ہی کے سبب مجھے یہ سعادت حاصل ہو گئی کہ

مولانا شبلی کی لکھی ہوئی پیغمبر اسلام کی سوانح عمری کا مطالعہ کروں میری فرمائش پر حکیم اجمل خاں مرحوم نے یہ کتاب مجھے بھیجدی اسی دوران میں میں نے آنحضرت کے رفیقوں کی سوانح حیات کو بھی پڑھا ان کتابوں کے مطالعہ سے میں اس نتیجہ پر پہونچا کہ میرے نزدیک وید اور گیتا کی طرح قرآن حکیم اور انجیل بھی مقدس کتاب ہے

حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم ایک بڑی شخصیت تھے حضور سرور کائینات کی زندگی کا مطالعہ کر کے میں نے یہ سبق لیا کہ آپ حق وصداقت کے متلاشی تھے آپ خدا ترس تھے۔ ان واقعات کو بیان کر کے میں آپ لوگوں کی معلومات میں کوئی اضافہ نہیں کر رہا بلکہ یہ کہنے سے میرا حقیقی مقصد یہ ہے کہ میں کیسے غیر معمولی طور پر متاثر ہوا۔ آنحضرت نے بے اندازہ تکلیفیں برداشت کیں آپ کا سر خدا کے سوا کسی انسان کی چوکھٹ پر نہیں جھکا۔ نتائج و عواقب سے بالکل بے نیاز ہو کر آپ نے حق کی تعلیم دی۔ یہ بات کبھی مشاہدہ میں نہیں آئی کہ آپنے کچھ کہا ہو اور کیا کچھ ہو اگر آپ کی رائے میں کوئی تبدیلی واقع ہوئی تو اسیوقت آپ نے لوگوں کی مخالفت کی کوئی پرواہ نہ کرتے ہوئے اس کا مکمل جواب دیا؟

حضور سرور کائنات فقیر تھے آپ نے ہر دنیاوی چیز کو تیاگ دیا تھا اگر وہ دولت میں کھیلنا چاہتے تو بہ آسانی کھیل سکتے تھے آپ کی طرح میں بھی یہ دیکھ کر خوشی کے آنسو بہاتا ہوں کہ حضور نے حضور کے خاندان نے اور حضور کے رفقاء نے بہت مصیبتیں اٹھائیں۔ مجھ جیسا متلاشی حق آنحضرت جیسی شخصیت کا احترام کرنے سے کیسے باز رہ سکتا ہے جس کا دل ہر وقت خدا کی طرف لگا ہوا ہو اور جس کے دل میں خلق خدا کی فلاح اور بہبود کا ایک بے پناہ جذبہ ہو۔

آپ سب لوگ قرآن کریم کا مطالعہ کرتے ہیں لیکن بہت تھوڑے ہیں جو اس پر عمل کرتے ہوں۔ اگر آپ لوگ قرآن کریم کی تعلیم پر عمل کریں اور ہندو

اپنی مذہبی کتابوں کی تعلیم کے عامل ہوں تو فرقہ وارانہ جھگڑے مٹ جائیں!

مزدوری کی شرح؟

ہمو دیسی صنعتوں کی حمایت کے سلسلہ میں اخبار مدینہ نے اعداد و شمار سے یہ واضح کیا تھا کہ جاپان جیسے ملک میں بھی جہاں مزدوری کی شرح ہر ملک سے کم تصور کی جاتی تھی ہندوستان سے زیادہ مزدوری دیجاتی ہے!

ذیل کے نقشہ سے مختلف ممالک کی مزدوری کی شرح واضح ہوتی ہے

امریکہ	۰ر۳۳	سینٹ	فی گھنٹہ
کینیڈا	۴ر۲۵	"	"
برطانیہ	۳ر۱۷	"	"
روس	۰ر۱۹	"	"
جرمنی	۰ر۱۵	"	"
جاپان	۲ر۶	"	"
برطانوی ہندوستان	۹ر۳	"	"

یہ حالات ایسے ہیں کہ ہمیں غریبوں کی دستگیری کی طرف متوجہ ہونا چاہیئے اور جس حد تک ممکن ہو سکے چھوٹی صنعتوں کی ہمت افزائی کرنی چاہیئے کیونکہ ہمارے ملک کی اصلی آبادی شہروں سے دور غریبوں کی چھوٹی چھوٹی بستیوں کی صورت میں آباد ہے۔ اور زندگی کا سہارا یہی محدود صنعتیں ہیں!

ریاستوں کا معمہ

ہندوستان کی دیسی ریاستیں غالباً آج دنیا میں انتہائی مطلق العنانی

کا نمونہ ہیں اس میں شک نہیں کہ وہ برطانیہ کی محکوم ہیں لیکن برطانوی حکومت ان کے معاملات میں صرف اسی حد تک دخل دیتی ہے جہاں تک برطانوی مفاد کا تقاضہ ہے یہ دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ یہ قدیم جاگیر داری کے نظام کے نمونے جو چھوٹے چھوٹے جزیروں کی طرح غیر ملکی حکومت کے سمندر میں گھرے ہوئے ہیں۔ کیونکہ بغیر کسی تغیر اور تبدیلی کے بیسویں صدی تک باقی رہے وہاں اٹک ہوا بند ہے۔ اور بھاری ہے پانی آہستہ آہستہ بہتا ہے اور ایک نو وارد جو تبدیلی اور حرکت کا عادی ہے۔ وہ اس سے گھبرا جاتا ہے اور وہاں پہونچکر اونگھنے لگتا ہے اور اس پر ایک جادو کی سی کیفیت چھا جاتی ہے!

معلوم ہوتا ہے کہ انسان ہر طرف سے گھرا ہوا ہے اور اس کا دماغ اور جسم زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے ایک طرف پرجا کی انتہائی پستی اور مصیبت دوسری طرف راجہ محل کے ٹھاٹ کو دیکھ کر دل پر عجیب اثر پڑتا ہے۔ ریاست کی دولت کا بہت بڑا حصہ محل میں رئیس کے تعیشات اور ذاتی ضروریات کی نذر ہوتا ہے اور بہت تھوڑا حصہ عام لوگوں کی بھلائی کے کام میں صرف ہوتا ہے!

جواہرلال نہرو کہتے ہیں کہ ریاستوں کی افسوس ناک حالت میں، کانگریس کو ریاست کے باشندوں کے بنیادی حقوق کی حمایت اور انکی پامالی پر نکتہ چینی کرنی چاہیئے تھی لیکن گاندھی جی نے اس کے برعکس ریاستوں کے اندرونی معاملات میں عدم مداخلت کی انوکھی پالیسی ایجاد کی۔ اور بہت سے غیر معمولی اور افسوسناک واقعات کے باوجود اس پر قایم رہے!

جواہرلال نہرو نے اپنی رائے ظاہر کی ہے کہ ہماری عام پالیسی مختلف علاقوں میں مختلف نہیں ہونی چاہیئے اور جو چیز ایک جگہ بری سمجھی جاتی ہے وہ دوسری جگہ بھی بری سمجھی جانی چاہیے!

انہوں نے ریاستوں کے متعلق کانگریس کے اس رویہ کو عجیب معمہ کہا ہے

علی پور جیل سے دہرہ دون جیل میں تبدیلی!

علی پور جیل میں جواہر لال نہرو کی صحت اچھی نہیں تھی ان کا وزن بہت کم ہو گیا تھا اور کلکتہ کی ہوا اور گرمی سے انھیں تکلیف ہو رہی تھی انہیں فوراً یہ معلوم ہوا تھا کہ انھیں کسی ایسے قیام پر تبدیل کر دیا جائے گا۔ جہاں کی آب و ہوا بہتر ہوگی چنانچہ ۷ مئی ۳۴ء کو انھیں حکم دیا گیا کہ وہ اپنا سامان باندھ لیں انہیں دہرہ دون جیل میں تبدیل کیا جا رہا ہے تین مہینے کال کوٹھری میں بند رہنے کے بعد انھیں شام کے ٹھنڈے وقت گاڑی میں کلکتہ کی گلیوں سے گذرنا بہت بھلا معلوم ہوا اور ہوڑے سٹیشن پر ہجوم کی چہل پہل دیکھ کر ان کا دل باغ باغ ہو گیا۔

دہرہ دون جیل میں اس مرتبہ انہیں نئی جگہ رکھا گیا نو مہینے پہلے وہ جس جگہ رکھے گئے تھے وہ جگہ ان کے لئے موزوں نہیں سمجھی گئی۔ نئی قیام گاہ، مویشیوں کے باندھنے کا سائبان تھا۔ جس کی صفائی کروا دی گئی تھی!

جیل کوٹھری کی بہ نسبت نئی جگہ فراخ تھی اور اس سے ملا ہوا تقریباً پچاس فٹ لمبا صحن بھی تھا۔ اس کی چہار دیواری پہلے سے دس فٹ اونچی تھی لیکن اس معزز مہمان کی خاطر اسے چار پانچ فٹ اور بلند کر دیا گیا تھا۔ پہاڑوں کے منظر جنہیں دیکھنے کا انھیں شوق بہت تھا۔ نظروں سے بالکل چھپ گئے نو مہینہ قبل انھیں جیل کے دروازے کے سامنے ٹہلنے کی اجازت تھی لیکن اس مرتبہ وہ بھی نہ رہی کوٹھری کے سامنے والا چھوٹا صحن ورزش کے لئے کافی سمجھا گیا تین ماہ سے زیادہ وہ اس جگہ رہے لیکن اسی عرصہ میں انہیں پہاڑوں کی جھلک تک دیکھنی نصیب نہ ہوئی!

انھوں نے اپنی تکالیف اور اپنی مجبوریوں کا نقشہ یوں کھینچا ہے:

"چھ ہفتہ بعد برسات شروع ہو گئی۔ اب ہوا کچھ اور ہی ہو گئی اور اس میں نئی زندگی کی آہٹ سنائی دینے لگی حرارت کے کم ہو نے سے جسم کو تو آرام ملا لیکن آنکھوں کو اور دل کو چین نہ آیا کبھی کبھی میرے احاطے کا پھاٹک کسی پہرے والے کے آنے جانے کے لیے کھلتا اور مجھے دم بھر کو باہر کی دنیا کی جھلک نظر آجاتی۔ ہرے بھرے کھیتوں اور درختوں کے شوخ رنگ اور ان پر موتیوں کی طرح بکھرے ہوئے شبنم کے قطرے مگر یہ صرف چند لمحے کا نظارہ ہوتا جو بجلی کی طرح کوند کر چھپ جاتا۔ پورا دروازہ شاید ہی کھلتا ہو۔ غالباً پہرے والوں کو حکم تھا کہ اگر میں کہیں آس پاس موجود ہوں تو دروازہ ہرگز نہ کھلنے پائے اور جب کھلے بھی تو بس تھوڑا ہی سا۔ سرسبزی اور شادابی کی جھلک دیکھ کر مجھے تسکین نہیں ہوتی تھی۔ بلکہ وطن کا ہڑکا درد بن کر دل میں اٹھتا تھا۔ یہاں تک کہ بعض اوقات دروازہ کھلتا تو ادھر دیکھنے کی ہمت نہ پڑتی۔

بے بسی؟

کملا دیوی کی طبیعت تشویشناک طور پر خراب ہو گئی تھی اور انکی حالت نازک ہوتی جا رہی تھی۔ جواہر لال نہرو جیل میں اپنی بے بسی پر کڑھتے تھے کہ وہ ان کی کوئی خدمت نہیں کر سکتے۔ انہیں یقین تھا کہ اگر وہ ان کے پاس ہوتے تو کملا نہرو کو بہت تقویت پہنچتی!

مہا سبھائی ذہنیت سے اذیت!

جواہر لال نہرو نے ہندو مسلم فرقہ وارانہ اداروں کو ہمیشہ ناپسند کیا ہے

لیکن جس وقت حکومت نے سرخپوشوں کی جماعت کو خلاف قانون قرار دیا اور ہندو مہا سبھا نے اس کی پرزور تائید کی انہیں سخت رنج پہونچا وہ اپنی تحریر میں لکھتے ہیں:۔

"یوں تو میں ہندوؤں اور مسلمانوں کی فرقہ وارانہ انجمنوں کو ہمیشہ سے ناپسند کرتا ہوں۔ مگر ایک واقعہ کی وجہ سے خاص طور پر مجھے ہندو مہا سبھا سے سخت رنج پہونچا۔ اس کے سکریٹری نے یہ غضب کیا کہ بغیر کسی تعلق کے اس حکم کی تائید کر ڈالی جو سرحد کی سرخپوش جماعت کو خلاف قانون قرار دینے کے لئے جاری کیا گیا تھا اور حکومت کو اس فعل پر شاباشی دی مجھے سخت حیرت تھی کہ لوگوں سے ان کی معمولی شہری حقوق چھیننے کی حمایت کی جا رہی ہے اور وہ بھی اس وقت جبکہ کوئی جارحانہ تحریک موجود نہیں ہے اصول کے سوال کو چھوڑ کر دیکھا جائے تب بھی ہر شخص جانتا تھا کہ ان سرحد والوں نے تین سال کی کشمکش میں کمال کر دکھایا۔ اور ان کا لیڈر خاں جس کا سا بہادر اور کھرا آدمی ہندوستان میں مشکل سے ملیگا۔ اب تک جیل میں ہے وہ بغیر عدالتی تحقیقات کے شاہی قیدی کی حیثیت سے بھیجا گیا تھا۔ میرے نزدیک فرقہ وارانہ تعصب کی اس سے بدتر مثال نہیں مل سکتی اور مجھے توقع کی تھی کہ ہندو مہا سبھا کے بڑے بڑے لیڈر فوراً اپنے رفیق کار کی اس رائے سے بے تعلق ہونے کا اعلان کریں گے۔ مگر جہاں تک مجھے معلوم ہوا انہیں سے کسی نے اس معاملہ کے متعلق ایک لفظ بھی نہیں کہا!

ہندو مہا سبھا کے سکریٹری کے اس بیان سے مجھے سخت پریشانی تھی یہ بجائے خود بہت بڑی چیز تھی۔ مگر میرے لئے اس وجہ سے اور زیادہ تکلیف دہ تھی کہ میں اسے ملک کی موجودہ حالت کا ایک نمونہ سمجھتا تھا اسی دن سہ پہر کو گرمی سے نڈھال ہو کر سو گیا تو ایک عجیب خواب

نظر آیا میں نے دیکھا خان عبدالغفار خاں پر لوگ ہر طرف سے حملہ کر رہے ہیں اور میں ان کو بچانے کے لئے لڑ رہا ہوں۔ آنکھ کھلی تو طبیعت بہت پست اور اُداس تھی۔ اور سارا تکیہ آنسوؤں سے بھیگا ہوا تھا۔

آپ بیتی

دہرہ دون جیل میں جواہر لال نہرو کو حکومت کا تجویز کردہ ایک اخبار ملا کرتا تھا۔ اس میں خبروں کو ایک خاص رنگ میں پیش کیا جاتا تھا اور بعض اوقات وہ بالکل یکطرفہ ہوتی تھیں۔ لیکن اس سے قطع نظر باہر جو کچھ بھی ہو رہا وہ ان کے لئے باعثِ مسرت نہ تھا اور اس وقت سیاسی رفتار سے وہ مطمئن نہ تھے اُنہیں اس کے تصور سے تکلیف ہوتی تھی اس لئے انہوں نے ماضی پر نگاہ ڈالنی شروع کی جس وقت انہوں نے قومی کاموں میں حصہ لینا شروع کیا سیاسی حالات کی رفتار کیا تھی اور اس وقت تک انہوں نے جو کچھ کیا اس میں سے کتنی باتیں بجا اور کتنی بے جا تھیں۔ پھر انہوں نے طے کیا کہ وہ جو کچھ سوچتے ہیں اسے تحریر میں لے آئیں۔ اس طرح خیالات زیادہ باترتیب اور مفید ہوں گے۔ اور ایک مقررہ کام میں لگ جانے سے اداسی اور پریشانی سے نجات مل جائے گی۔ چنانچہ جون ۱۹۳۴ء میں انہوں نے آپ بیتی لکھنی شروع کی اُس کا اُردو ترجمہ شائع ہو چکا ہے۔

دارالعوام میں ڈاکٹر انصاری کی تقریر

ڈاکٹر انصاری قلب کی بیماری میں مُبتلا تھے۔ سیاسی سرگرمیوں

کی وجہ سے بیماری کے دورے اور بھی خطرناک ہو گئے۔ اور علاج کے لئے انہیں یورپ جانا پڑا لیکن انہوں نے وہاں بھی کانگریس کے کام کے لئے ٹھوس خدمات انجام دیں۔ ۲۹ رجولائی ۱۹۳۴ء کو انہیں دارالعوام میں آنے کی دعوت دی گئی انہوں نے وہاں بڑی پُرجوش تقریر کی اور کہا کہ جب اسمبلی کے انتخابات ہوں گے تو مجھے یقین کامل ہے کہ کانگریس زبردست اکثریت سے کامیاب ہو گی اور ہم کانسٹی ٹیوٹ اسمبلی کو ترجیح دیں گے۔ انہوں نے کہا خان عبدالغفار خاں اور جواہر لال نہرو کی قید کو سارا ہندوستان افسوس کی نگاہ سے دیکھ رہا ہے اور اس قسم کی فضا ہندوستان اور برطانیہ کی موافقت کے لئے بہت ہی مضر ہے۔

دارالعوام کے اراکین ڈاکٹر صاحب کی تقریر سے بہت متاثر ہوئے اور انہوں نے کہا کہ ہمیں ایک ایسا کیفیت نامہ دیجئے جس میں ہندوستان کی موجودہ سیاسی حالات اور کانگریس کے پروگرام کا مفصل بیان ہو تاکہ وہ برطانیہ کے عوام کو تقسیم کیا جا سکے۔

علاوہ ازیں ڈاکٹر صاحب نے یورپ کے دوران قیام میں وزیر ہند، لارڈ ہیلی فکس، لارڈ سینکی، سٹر لینسبری، مسٹر مارگن جونس، لیبر لیڈران اور مختلف پارٹیوں کے ممبروں سے طویل ملاقاتیں کیں اور انہیں کانگریس کے نقطہ نظر سے آگاہ کیا۔ نیز جواہر لال نہرو، خان عبدالغفار خاں اور دیگر سیاسی قیدیوں کے مسئلہ پر بھی بحث کی۔

کملا نہرو کی شدید علالت

کملا نہرو کی حالت زیادہ خراب ہوتی جا رہی تھی ان کا درجہ حرارت

۱۰۳ تک پہنچ گیا تھا۔ ان کے سینہ میں شدید درد تھا اور سانس لینے میں سخت تکلیف ہوتی تھی

علاج کے لئے انہیں لکھنؤ لے جانے کا پروگرام بنایا گیا۔ لیکن وہ اتنی کمزور ہو گئی تھیں کہ سفر کی تکان برداشت نہیں کر سکتی تھیں اس لئے یہ ارادہ ترک کرنا پڑا۔

۹ اگست کو ان کا ٹمپریچر ۱۰۴ درجہ پر پہنچ گیا اور ۱۰ اگست کو انکی حالت بے حد نازک ہو گئی ان پر قلب کا بہت سخت دورہ پڑا اور وہ بہت دیر تک بیہوش رہیں۔ سانس رک رک کر چلنے لگا اور نبضیں ساقط ہو گئیں حکومت نے بیان کیا تھا کہ جواہر لال نہرو کو رہا نہیں کیا جائیگا۔ اس سے انکے دل پر بہت اثر پڑا اور ان کی حالت بہت بدتر ہو گئی۔ لکھنؤ ڈاکٹر اٹلی کو ٹیلیفون کیا گیا۔ مریضہ نے اپنے شوہر کو دیکھنے کی خواہش ظاہر کی۔

جواہر لال نہرو کی عارضی رہائی

کملا نہرو کی حالت روز بروز خطرناک صورت اختیار کرتی جا رہی تھی جواہر لال نہرو کو ۱۱ اگست ۱۹۳۴ء کو یکایک دہرہ دون جیل سے رخصت ہونیکا حکم دیا گیا اور اسی روز رات کو انہیں پولس کی حراست میں الہ آباد روانہ کر دیا گیا۔ دوسرے دن شام کو وہ الہ آباد کے پریاگ اسٹیشن پر پہنچے وہاں ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے انہیں اطلاع دی کہ تم اپنی بیوی کی بیماری کے سبب عارضی طور پر رہا کئے جاتے ہو۔ اس روز ان کی گرفتاری کو پورے چھ ماہ گذر چکے تھے۔

نگاہِ بازگشت

اُن کی رہائی عارضی تھی۔ حکومت نے انھیں بتایا تھا کہ ڈاکٹر جتنے دن کے لئے اشد ضروری سمجھیں گے۔ اتنے دن وہ آزاد رہ سکتے ہیں۔ اس بے اطمینانی کی حالت میں جم کر کوئی کام کرنا قطعی ناممکن تھا۔ اگر کوئی میعاد مقرر ہوتی تو ایک اندازہ ہو جاتا اور وہ اس لحاظ سے اپنے اوقات کا تعین کر سکتے۔

وہ گھر پہنچے تو ڈاکٹروں، نرسوں اور عزیزوں کا مجمع تھا۔ اُنکی لڑکی اندرا دیوی بھی شانتی نکیتن سے آگئی تھیں۔ دوست واحباب کملا دیوی کی عیادت کے لئے آرہے تھے مگر ان کے دل پر کملا دیوی کی علالت کی فکر سب پر غالب تھی اور ان کے دل میں طرح طرح کے خیالات کا ہجوم تھا۔ کملا دیوی نحیف و زار بستر علالت پر دراز تھیں۔ معلوم ہوتا تھا کہ وہ نہیں ہیں انکی پرچھائیں باقی رہ گئی ہے۔ ان میں مرض کا مقابلہ کرنے کی طاقت نہ رہی تھی جواہر لال نہرو کے لئے انکی جدائی کا خیال سوہان روح تھا۔ انہوں نے اپنی اٹھارہ سال کی ازدواجی زندگی پر نگاہ ڈالی سیاسی انہماک کے سبب وہ اپنی شریک زندگی سے غافل رہے تھے اور جب ان کی عزیز بیوی کو ان کی مدد کی ضرورت تھی انہوں نے قومی مصروفیات کے سبب اپنی بیمار بیوی کو اس کے حال پہ چھوڑ دیا تھا۔ وہ لکھتے ہیں :-

"ہماری شادی کو ساڑھے اٹھارہ برس گزر چکے تھے وہ دن اور اس کے بعد زمانہ میری آنکھوں میں پھر رہا تھا۔ شادی کے وقت میں چھبیس برس کا تھا اور وہ غالباً سترہ سال کی دُبلی پتلی بھولی بھالی لڑکی ہم دونوں کی عمر میں بہت فرق تھا مگر اس سے بھی زیادہ فرق ہمارے خیالات میں تھا۔ اس لئے کہ میں اس سے زیادہ پختہ کار تھا مگر اس عقل دنیاوی دکھانے کے باوجود

مجھ میں بہت لڑکپن تھا اور مجھے یہ احساس نہ تھا کہ اس نازک اور حساس لڑکی کے نفس کی کلی کھل کر پھول بن رہی ہے اور اس کی پرداخت بڑی نرمی اور احتیاط سے ہونی چاہئے ہمیں ایک دوسرے سے محبت تھی۔ اس لئے آپس میں اچھی طرح نبھ رہی تھی مگر ہمارے خیالات کی بنیادیں الگ الگ تھیں اور ان میں میل نہ تھا۔ اس اختلاف کی وجہ سے اُن بَن رہتی تھی اور چھوٹی چھوٹی باتوں پر جھگڑے ہو جاتے تھے۔ دونوں تیز مزاج اور حساس طبیعت کے تھے اور بچوں کی طرح اپنی آن پر جان دیتے تھے پھر بھی ہماری محبت بڑھتی گئی۔ اگرچہ خیالات کا اختلاف بہت آہستہ آہستہ کم ہوا۔ ہماری شادی کے ۲۱ مہینے بعد ہماری اکلوتی لڑکی اندرا پیدا ہوئی۔

جن دنوں میں ہماری شادی ہوئی تقریباً اسی زمانہ میں ہندوستان کی سیاست نیا رنگ بدل رہی تھی اور میرا انہماک اس میں بڑھتا جاتا تھا یہ ہوم رول کا دور تھا اور تھوڑے ہی دن بعد پنجاب میں مارشل لا اور اسی کے ساتھ ترک موالات شروع ہو گیا اور میں روز بروز قومی کاموں کے چکر میں پڑتا گیا۔ مجھے ان چیزوں سے اتنا شغف ہو گیا کہ بالکل غیر شعوری طور پر میں اس کی طرف سے قریب قریب غافل ہو گیا اور اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا۔ حالانکہ وہی زمانہ تھا جبکہ اُسے میری مدد کی بہت ضرورت تھی۔ مجھے اس سے جو محبت تھی وہ قائم رہی بلکہ اور بڑھ گئی اور مجھے بڑا اطمینان رہتا تھا کہ وہ میری تسلی کے لئے موجود ہے۔ مجھے تو اس سے تقویت پہنچتی تھی مگر اُسے میری بے پروائی سے ضرور صدمہ پہنچتا ہو گا۔ وہ اس طبیعت کی تھی کہ اگر میں اس کے ساتھ بدسلوکی کرتا تو شاید اسے اتنی تکلیف نہ ہوتی جتنی اس غفلت اور کم التفاتی سے ہوئی ہوگی۔

اس کے بعد اس پر رہ رہ کر بیماری کے حملے ہونے لگے اور میں بھی دوسرے جیل میں رہنے لگا۔ اس عرصہ میں ہم دونوں کا ملنا کبھی کبھی جیل کے دروازے پر ہو جایا کرتا تھا۔ سول نافرمانی کی تحریک کے زمانے میں وہ ہماری فوج کے صف اوّل میں پہنچ گئی اور جب اسے قید کی سزا ملی تو وہ بہت خوش ہوئی ہم دونوں ایک دوسرے سے قریب تر ہو گئے۔ ہم ملاقات کی مختصر گھڑیوں کو جو مدتوں کے بعد نصیب ہوتی تھیں ایک بیش بہا دولت سمجھتے تھے اور فرقت کے دن گن گن کر کاٹتے تھے۔ ہم ایک دوسرے کی صحبت سے کبھی سیر نہ ہوتے تھے کیونکہ ہماری مختصر ملاقاتوں میں ہمیشہ ایک جدّت اور تازگی ہوتی تھی ہم پر ایک دوسرے کی سیرت کے نئے نئے پہلوؤں کا انکشاف ہوتا تھا۔

ازدواجی زندگی کے اٹھارہ برس کہنے کو تو اٹھارہ برس تھے مگر ان میں سے نہ جانے کتنے سال میں نے جیل خانے میں کاٹے تھے اور کملا نے اسپتالوں اور صحت گاہوں میں گذارے تھے اور اب میں پھر جیل کی سزا کاٹ رہا تھا۔ میں کسی قدر خفا تھا کہ وہ اپنی صحت کی پرواہ نہیں کرتی مگر اُسے کس طرح الزام دیتا تھا اس کی من چلی طبیعت اس پر کڑھتی تھی کہ وہ بیماری سے بے بس ہے اور قومی جنگ میں پوری طرح شریک نہیں ہو سکتی۔

میں اپنے دل میں کہتا تھا کیا سچ مچ وہ ایسے وقت میں جبکہ مجھے اس کی سب سے زیادہ ضرورت ہے مجھ سے منہ موڑ کر چلی جائے گی۔ ابھی تو ہم نے ایک دوسرے کو پہچاننا اور سمجھنا شروع کیا ہے۔

یہ خیالات دل میں لئے ہوئے میں ہر روز اور ہر وقت اس کی حالت کو دیکھا کرتا تھا۔"

گاندھی جی کا ہفت روزہ برت

۷ اگست سنہ ۱۹۳۴ء صبح سویرے چھ بجے دودھ اور پھلوں کا رس پینے کے بعد گاندھی جی نے سات روز کا برت رکھا انہوں نے اپنے ہمدردوں سے درخواست کی کہ وہ خواہ ہندوستان میں رہتے ہوں خواہ باہر اور خواہ وہ کسی طبقہ سے تعلق رکھتے ہوں خدا کے حضور میں میرے لئے دعا کریں کہ وہ میری اس پیش کش کو قبول کرے انہوں نے کانگریس کی اندرونی تنظیم پر خاص طور پر زور دیا اور کہا جن مقامات پر ناگوار اختلافات موجود ہیں ان کو سات روز کے عرصہ میں دُور کرنے کی سعی کی جائے۔

۱۴ اگست کی صبح چھ بجے یہ برت ختم ہوا۔ گاندھی جی کے تمام برتوں میں یہ ایسا برت تھا جس میں کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش نہیں آیا۔

شورش کا خدشہ

جواہر لال نہرو کی عارضی رہائی کی میعاد ختم ہو گئی تھی اور وہ منتظر تھے کہ جیل جانے کے لئے طلبی ہو یا حکومت کے پاس سے کوئی اور اطلاع آئے۔ وقتاً فوقتاً یہ اطلاع ملتی رہتی تھی کہ مزید احکام ایک دو روز میں جاری ہو جائیں گے اس دوران میں ڈاکٹروں کو ہدایت تھی کہ کملا نہرو کی صحت کی روزانہ رپورٹ حکومت کو بھیجتے رہیں۔ جواہر لال نہرو کے آجانے سے کملا دیوی کو کچھ خفیف سا افاقہ ہو گیا تھا۔

ڈاکٹر بدھان چندر رائے نے ان کے طبی معائنہ کے بعد ایک بیان میں بتایا تھا کہ میں نے بیگم نہرو کو جب گذشتہ مئی میں دیکھا تھا اس وقت سے اب ان کے وزن

میں بہت کمی ہوگئی ہے اور وہ بہت کمزور ہیں اور اکثر ان کا درجہ حرارت بڑھ جاتا ہے حالانکہ بائیں پھیپھڑے میں سوجن کم ہوتی جاتی ہے تاہم درد اور کھانسی کی وجہ سے اب بھی ان کو سخت تکلیف ہے میری رائے میں ان کو کافی آرام و احتیاط کے ساتھ معالجہ کرانے کی ضرورت ہے جونہی وہ کچھ طاقت حاصل کرلیں ان کو کسی ایسے مقام پر پہونچا دیا جائے جہاں ان کو معالجہ کے لئے ہر قسم کی سہولتیں حاصل ہوں۔

ڈاکٹر بدھان چندر کی مذکورہ رپورٹ سے توقع کی جاتی تھی کہ جواہر لال نہرو کو کچھ دنوں کے لئے مزید آزادی مل جائے گی۔

حکومت کے محرم راز حضرت کا بیان تھا کہ وہ اس موقعہ پر بالکل چھوڑ دیئے جاتے لیکن اکتوبر میں کانگریس کا پورا جلسہ بمبئی میں ہونے والا تھا اور نومبر میں اسمبلی کے انتخابات شروع ہونے کو تھے۔ اس لئے حکومت کو خدشہ تھا کہ وہ اگر جیل کے باہر ہوئے تو شاید شورش پیدا کریں۔

پھر وہی کنج قفس

۲۳ اگست کو سرگرم افواہ پھیلی ہوئی تھی کہ جواہر لال نہرو کو آج کسی وقت گرفتار کرلیا جائیگا وہ خود اس خبر سے ذرا بھی پریشان نہ تھے حالانکہ کملا نہرو کی صحت تسلی بخش نہ تھی اور وہ دن انہیں بہت بے چینی سے گذرا تھا۔ غنودگی کا بھی دورہ آیا متلی نے بھی تنگ کیا۔ دوپہر کو دس منٹ تک سخت دورہ رہا اس کے بعد کھانسی کا زور رہا۔ اور ٹمپریچر بڑھ گیا۔

اسی روز ۲۳ اگست کی شام کو ساڑھے سات بجے یکایک پولس کی موٹر آنند بھون میں پہونچی۔ اور ایک افسر نے اُتر کر کہا کہ آپ کا وقت پورا ہو گیا۔

نینی جیل تشریف لے چلیے وہ اپنے عزیزوں سے ملے اور ہر ایک سے بغل گیر ہو کر رخصت کے لئے موٹر میں بیٹھے ہی تھے کہ ان کی بیمار ماں ہاتھ پھیلائے ہوئے ان کے پاس دوڑی ہوئی پہنچیں۔ بوڑھی اور بیمار ماں کے چہرے کی وہ کیفیت عرصہ تک ان سے مٹ نہ سکی۔

جواہرلال نہرو روانگی کے وقت بھی مطمئن نظر آتے تھے لیکن کملا نہرو کی شدید بیماری کے سبب حاضرین بے حد متاثر تھے اور روانگی کا نظارہ بیحد رقت انگیز تھا۔

انہیں نینی جیل پہنچا دیا گیا۔ انہیں اُمید تھی کہ اپنی پرانی بارک میں رکھا جاؤں گا۔ عرصہ تک رہتے رہتے جس سے وہ کسی قدر مانوس سے ہو گئے تھے اور جہاں ان کی بہنوں کے لگائے ہوئے پھول اس وقت تک موجود تھے اس کا برآمدہ بھی کچھ کشادہ تھا۔ لیکن چونکہ جواہرلال نہرو کی عارضی رہائی کے دوران میں وہاں کوئی اور مہمان آگیا تھا جو بغیر عدالتی کارروائی کے نظر بند کیا گیا تھا اس لئے انہیں اس کے ساتھ رکھنا مناسب نہیں سمجھا گیا اور جیل کے ایک اور حصہ میں جگہ دی گئی جہاں ہوا گھٹی ہوئی تھی اور سبزے اور پھولوں کا نام ونشان بھی نہ تھا۔

انہیں اندیشہ تھا کہ ان کی بیمار بیوی کو جو ذرا سا افاقہ ہوا ہے وہ ان کی دوبارہ گرفتاری کے صدمہ سے قائم نہیں رہے گا۔ اور یہی ہوا کچھ عرصہ تک ڈاکٹروں کی رپورٹ بڑے پھیر سے اُن تک پہونچتی رہی۔ ڈاکٹر پولس کو ٹیلیفون کرتا تھا۔ پولیس جیل کے دفتر کو اطلاع بھیجتی تھی اور وہاں سے انہیں خبر پہنچائی جاتی تھی دو ہفتہ تک یہ رپورٹیں انکو پہنچائی جاتی رہیں لیکن اسکے بعد اسکے باوجود کہ کملا دیوی کی حالت روز بروز خراب ہوتی خبروں کا سلسلہ بند کر دیا گیا۔

خبروں کے انتظار میں انہیں دن دوبھر اور راتیں پہاڑ ہو جاتی تھیں معلوم ہوتا تھا کہ وقت ساکن ہو گیا ہے یا اگر چلتا ہے تو چیونٹی کی چال چلتا ہے۔ اسلئے ایک ایک گھڑی قیامت کی گذر رہی تھی۔

یو۔پی کے جیل خانوں کی رپورٹ

اگست میں یو۔پی کے محکمہ جیل کی سالانہ رپورٹ شائع ہوئی جس میں ظاہر کیا گیا تھا کہ گو سول نافرمانی کے قیدیوں کی تعداد سنہ ۳۱ء اور سنہ ۳۲ء کے مقابلہ میں کم رہی لیکن پھر بھی وہ اتنے زیادہ تھے کہ مستقل پریشانی کا باعث رہے۔

اخراجات کے متعلق یہ انکشاف کیا گیا تھا کہ فی قیدی چھ روپے ماہوار خرچ ہوا۔

خان عبد الغفار خاں کی رہائی

اگست ۱۹۳۴ء کے آخر میں خان عبد الغفار خاں اور ڈاکٹر خاں کو رہا کر دیا گیا۔ لیکن انہیں وطن میں داخل ہونے کی ممانعت کر دی گئی۔ سیٹھ جمنا لال بجاج نے انہیں دعوت دی کہ مجھے بڑی مسرت ہو گی اگر آپ صوبہ سرحد میں ممانعت کے دوران میں واردھا کو اپنا وطن بنائیں۔

تین گھنٹے کی رہائی

جواہر لال نہرو سے یہ وعدہ کیا گیا تھا کہ انہیں ہفتہ میں دو بار اپنی بیمار بیوی سے ملاقات کی اجازت دی جایا کرے گی۔ بلکہ ملاقات کا وقت تک مقرر

کر دیا گیا تھا۔ چنانچہ دوبارہ گرفتاری سے چوتھے روز وہ انتظار کرتے رہے مگر اُنہیں لینے کوئی نہ پہنچا۔ اسی طرح دن پر دن گذرتے رہے۔ اُن کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ یہ کیا ستم ظریفی ہے۔

آخرکار دوبارہ گرفتاری کے پورے ایک ماہ بعد جب کملا نہرو کی طبیعت پھر زیادہ خراب ہوگئی تو ایک روز صبح دس بجے جیل کے افسراُن کے پاس پہنچے اور اُنھیں بتایا کہ آپ کو حکومت نے آنند بھون جانے کی اجازت دیدی ہے۔ اور کوتوال شہر کار لیئے دروازے پر موجود ہے۔

سوا دس بجے کے قریب کار آنند بھون پہنچی۔ وہ صرف تین گھنٹے اپنی علیل بیوی کے پاس رہے پھر اُنہیں واپس نینی جیل پہنچا دیا گیا۔

ملتا تھا تلخیوں میں مزا کس کے واسطے

بیچ والوں کے ذریعہ ان تک یہ بات پہنچائی گئی کہ اگر وہ بے ضابطہ طور پر ہی وعدہ کر لیں کہ قید کی میعاد ختم ہونے تک سیاست سے الگ رہیں گے تو اپنی بیمار بیوی کی تیمار داری کے لئے رہا کئے جا سکتے ہیں۔ اس وقت وہ سیاست کے خیال سے وہ کوسوں دور تھے۔ لیکن وعدہ کر لینے کے معنی یہ تھے کہ وہ اپنے قول سے اپنے مقصد سے اپنے رفیقوں سے اور اپنے آپ سے پھر جائیں۔ ایسا وعدہ کرنا انہوں نے اپنی روح کو ہلاک کر دینے اور اپنے عقائد کا گلا گھونٹ دینے کے مترادف سمجھا۔

سمجھانے والے یہاں تک سمجھاتے تھے کہ دیکھو تمہاری بیوی بستر مرگ پر پڑی ہوئی ہے اگر تم اس کے پاس ہو تو شاید اس کی جان بچ جائے کیا تمہیں اپنی آن اس کی جان سے زیادہ پیاری ہے۔ اگر واقعہ یہی ہوتا تو بیشک ان کیلئے

سخت ترین مشکل تھی لیکن انہیں یہ مشکل پیش نہ تھی وہ جانتے تھے کہ ان کی بیوی حد سے زیادہ خوددار ہے اور وہ اسے ہرگز پسند نہ کرے گی اور اگر بیانیے دھوکہ کا خیال بھی گیا تو اسے صدمہ اور ضرر پہنچے گا۔

عہد شمشیر و سنان ہے مجھے معلوم نہ تھا

الہ آباد ہائی کورٹ کے ایک وکیل نے وکالت کے چغے کو اتار کر عام رعایا کی حیثیت سے عدالت میں ایک درخواست دائر کی جس میں قانوناً جیل میں نہیں رکھا جا سکتا۔ اور خواہش کی گئی تھی کہ اس وقت تک جب تک کہ اس درخواست کا فیصلہ نہ ہو جائے۔ ان کی اہلیہ کی شدید علالت کے سبب انہیں رہا کر دیا جائے۔ بحث کے دوران میں ایڈوکیٹ مذکور نے کہا کہ قانون میں یا جیل مینوئل میں کوئی قاعدہ نہیں ہے کہ سزا قسطوں میں دی جا سکے۔

جج نے ان کی دلیلوں کو صحیح تسلیم نہیں کیا اور فیصلہ کیا کہ وہ سرکاری کارروائی کی آزادی میں دخل دینا مناسب نہیں سمجھتے اس لئے درخواست نامنظور کی جاتی ہے

مسافر کہیں راہ مت بھول جانا

جواہر لال نہرو کو شروع اکتوبر میں پھر اپنی بیمار بیوی کو دیکھنے کی اجازت ملی وہ جس وقت مکان پہنچے وہ تیز بخار میں قریب قریب بے ہوش پڑی ہوئی تھیں انہوں نے اپنی بیوی کے معالج ڈاکٹروں سے مشورہ کیا۔ اس روز ڈاکٹر اٹل، ڈاکٹر جے راج اور کلکتہ کے مشہور ڈاکٹر بدھان چندر رائے نے ان کی بیمار بیوی کا طبی معائنہ کیا تھا اس روز ان کی حالت پہلے کی بہ نسبت بہت

زیادہ خراب تھی۔ ان کے دل پر ورم آگیا تھا اور بھوک کم ہو گئی تھی۔ انہوں نے مریضہ کو علاج کے لیے بھوانی بھیجدینے کا مشورہ دیا۔ بھوانی تک کا سفر لمبا تھا اور اس میں خطرات بھی تھے اور تکان کا بھی یقین تھا لیکن اس کے باوجود ڈاکٹروں کی رائے یہ تھی کہ وہاں ماہرانِ علاج کی سہولتیں مہیا ہیں اور وہاں کی آب و ہوا بھی صحت میں معاون ہوگی۔ اس لئے یہ طے کر لیا گیا کہ انہیں مجبوراً اسی حالت میں بھوانی بھیجدیا جائے۔

کملا نہرو کی آرزو تھی کہ ان کے شوہر ان کے پاس رہیں مگر جب تین گھنٹے کا وقفہ پورا ہو گیا اور وہ ان سے رخصت ہونے لگے تو وہ بہت بہادری سے مسکرائیں اور انہیں جھکنے کا اشارہ کیا اور جب وہ جھک گئے تو انہوں نے کان میں کہا یہ کیا قصہ ہے کیا تم سے کہا جا رہا ہے کہ تم حکومت سے کوئی وعدہ کر لو۔ دیکھو یہ ہرگز نہ کرنا۔

اس کے بعد وہ جیل واپس چلے گئے۔

نینی جیل سے الموڑہ جیل میں

بیمار کملا دیوی کو پروگرام کے مطابق بھوانی پہنچا دیا گیا اور تقریباً تین ہفتے بعد جواہر لال نہرو کو بھی نینی جیل سے الموڑے کے ڈسٹرکٹ جیل میں منتقل کر دیا گیا۔ تاکہ حکومت جب چاہے اُنہیں بھوانی بھیج سکے۔

بھوانی الموڑے کے راستے میں پڑتا تھا۔ اُنہیں الموڑے لے جاتے ہوئے پولس کے نگراں چند گھنٹے کے لئے بھوانی بھی لے گئے۔

انشا پردازی کا جادو

جواہر لال نہرو ملک میں ایک مرد مجاہد کی حیثیت سے روشناس ہیں لیکن شاید یہ بہت ہی کم لوگوں کو معلوم ہو گا کہ ان کا یہ بہادر رہبر چوٹی کا انشا پرداز بھی ہے۔ منظر نگاری میں انہیں کمال حاصل ہے۔ الموڑے جاتے ہوئے انہوں نے پہاڑی مناظر کی تصویر اور ملک کی بدنصیبی کا لاجواب نقشہ کھینچا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:-

"میں دوبارہ پہاڑ آنے سے بہت خوش تھا۔ ہماری موٹر سڑک کے پیچ وخم کے ساتھ چکر کھاتی چلی جا رہی تھی۔ صبح کی ٹھنڈی ہوا پہاڑ کے دلفریب مناظر سے دل کو ایک عجیب فرحت ہوتی تھی۔ ہم اونچے ہوتے چلے جاتے تھے۔ اور کھڈ کی گہرائی بڑھتی جاتی تھی رفتہ رفتہ چوٹیاں بادلوں میں چھپ گئیں درخت بالکل بدل گئے۔ ہر طرف پہاڑیاں دیودار اور صنوبر سے ڈھکی ہوئی نظر آ رہی تھیں۔ کبھی کبھی سڑک کے موڑ سے نکل کر ایک نیا منظر سامنے آ جاتا تھا۔ پہاڑیوں اور وادیوں کی ایک وسیع فضا اور نیچے کھڈ میں زور شور سے بہتا ہوا ایک چھوٹا سا چشمہ اس نظارہ سے میرا جی کسی طرح نہ بھرتا تھا۔ میں اُسے ندیدوں کی طرح دیکھ رہا تھا کہ اسے سمیٹ کر حافظے کے خزانے میں بھر لوں تاکہ جب نظروں سے چھپ جائے تو اس کی یاد سے دل بہلاؤں۔

پہاڑیوں کے پہلوؤں میں چھوٹی چھوٹی جھونپڑیوں کے جھنڈ تھے اور ان کے آس پاس ذرا ذرا سے کھیت جو بڑی محنت سے ڈھلوان پر بنائے گئے تھے دور سے وہ چوڑی چوڑی سیڑھیاں معلوم دیتے تھے۔ جن کا سلسلہ بعض جگہ وادی کی سطح سے پہاڑ کی چوٹی تک پہنچتا تھا کس قدر شدید مشقت سے

ان بستیوں کے رہنے والے فطرت سے ذرا سی غذا حاصل کرتے تھے۔ ایڑی چوٹی کا پسینہ بہا کر وہ صرف اتنا پیدا کر سکتے تھے کہ روکھی سوکھی روٹی میسر آ جائے۔ اُن بٹتے ہوئے کھیتوں سے اس کوہستان میں آبادی کی شان پیدا ہو گئی تھی۔ اور کھری یا درختوں سے ڈھکی ہوئی پہاڑیوں کے مقابلے میں یہ عجیب لطف دیتے تھے۔

دن کو یہ منظر بڑا خوشگوار تھا۔ جب سورج اونچا ہوا اور چڑھتی دھوپ نے پہاڑوں میں حرارت اور زندگی پیدا کر دی تو ان کی بیگانہ وشی کم ہو گئی اور ان میں انہیں، اور محبت کی شان نظر آنے لگی مگر شام ہوتے ہی ان کا رنگ کچھ اور ہی ہو جاتا ہے۔ جب رات دیو کی طرح لمبے لمبے قدم اُٹھاتی دنیا سے گذرتی ہے اور زندگی وحشی فطرت کے ہاتھ چھوڑ کر امن کے گوشے میں چھپ جاتی ہے تو یہی پہاڑ کس قدر سرد مہر اور وحشتناک نظر آنے لگتے ہیں۔ چاندنی رات یا تاروں کی دھیمی روشنی میں یہ پُراسرار مہیب طلسمی دیواریں فضا کو ہر طرف سے گھیر لیتی ہیں وادیوں سے ہوا کے سائیں سائیں چلنے کی آواز آنے لگتی ہے۔ بیچارے مسافر کو جو اکیلا سفر کر رہا ہو ایک خفی احساس ہوتا ہے کہ ہر طرف دشمن ہی دشمن ہیں اور وہ خوف سے لرزنے لگتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہوا بھی اس پر ہنستی ہے اور اسے للکارتی ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ہوا بالکل تھم جاتی ہے اور اس قدر گہرا سناٹا چھا جاتا ہے کہ اس سے سخت وحشت ہوتی ہے۔ صرف تار برقی کے تار کی خفیف سی گنگناہٹ سنائی دیتی ہے اور ستارے زیادہ روشن اور قریب معلوم ہوتے ہیں۔ پہاڑ خشمناک نظروں سے گھورتے ہیں اور انسان ایک راز سربستہ کے مقابل کھڑا ہو جاتا ہے جس کی ہیبت دل میں بیٹھ جاتی ہے اور وہ پیکاں کا ہم زبان ہو کر بے اختیار کہہ اُٹھتا ہے کہ "ان وسیع فضاؤں کی ابدی خاموشی سے مجھے ہول آتا ہے"۔ میدانوں راتوں کو اس قدر سناٹا نہیں ہوتا وہاں زندگی کی

سن گن کانوں میں پہنچتی رہتی ہے اور مختلف جانوروں اور کیڑوں کی آوازیں رات کی خاموشی کو توڑتی رہتی ہیں۔

مگر جس وقت ہم کار میں الموڑے جا رہے تھے۔ رات کی سردی اور بے مہری بہت دور تھی ہم منزلِ مقصود کے قریب تھے کہ راستے کے مڑنے اور بادلوں کے یکایک پھٹ جانے سے ایک نیا منظر سامنے آ گیا جسے دیکھکر میں خوشی اور حیرت سے دم بخود رہ گیا۔ پُر اشجار پہاڑوں کی دیواروں سے اونچی، بہت دور ہمالیہ کی برف آلود چوٹیاں سورج کی روشنی میں چمک رہی تھیں۔ یہ ماضی کی حکمت و دانش کے وارث ہندوستان کے وسیع میدانوں کے زبردست محافظ کس قدر پُر وقار اور پُر اسرار نظر آتے ہیں۔ انہیں دیکھتے ہی قلب کا ہیجان اور اضطراب دُور ہو گیا اور ان کی شان ابدیت کے آگے میدانوں اور شہروں کی چھوٹی چھوٹی سازشیں اور جھگڑے، حرص و ہوس اور مکرو فریب، ہیچ نظر آنے لگے۔

تھی اب کی جُدائی ستم مرگِ مفاجات

الموڑہ کا چھوٹا سا جیل ایک اونچی سی پہاڑی پر واقع تھا۔ اس میں سترہ گز لمبا اور پونے چھ گز چھوٹا ہال انہیں رہنے کے لئے ملا۔ اس کا فرش کچا اور اونچا نیچا تھا۔ چھت کرم خوردہ تھی۔ اس کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے ٹوٹ کر نیچے گرتے رہتے تھے۔ اس کا ایک دروازہ تھا اور پندرہ کھڑکیاں تھیں لیکن ان سب میں سلاخیں لگی ہوئی تھیں۔

ساڑھے چار بجے شام کو ناشتہ کے بعد ان کی آخری غذا ہوتی تھی اُنہیں صبح سات بجے تک کے لئے مقفل کر دیا جاتا تھا۔

کملا دیوی کی صحت کو ایک حالت پر قرار نہ تھا اس لئے انہیں ہر وقت فکر لگی رہتی تھی اور بُری خبر سُن کر وہ بدحواس ہو جاتے تھے۔ علی پور جیل میں ایک مہینہ رہنے کے بعد انہیں کملا دیوی کو دیکھنے کے لئے بھوالی لے جایا گیا اور اس کے بعد ہر تیسرے ہفتہ انہیں وہاں بھیجا جاتا رہا۔

کانگریس سے گاندھی جی کی علیحدگی کا ارادہ

کھدّر، چرخہ، اچھوت ادھار، اشتراکیت، سرمایہ داری اور اسی قسم کے دوسرے مسائل کے متعلق گاندھی کے جو خیالات تھے ان سے عوام کو دلچسپی نہ تھی لیکن گاندھی جی کی افتاد طبیعت یہ ہے کہ جس شے کا فیصلہ کر لیا جائے اس پر عمل بھی کیا جائے اور اصلیت یہ ہے کہ قوموں کی ترقی اور عظمت کا انحصار پروگراموں کی بلندی اور ندرت پر نہیں ہوتا بلکہ ان پر عمل کی کیفیت پر ہوتا ہے گاندھی جی کی خواہش تھی کہ یا تو کانگریس ان کے خیالات وعقائد کو منظور نہ کرے اور اگر وہ منظور کرتی ہے تو اس کا ہر فرد اس پر صدق دل سے عمل بھی کرے لیکن کانگریس کے حلقوں میں بہت سے ایسے لوگ بھی شامل ہو گئے تھے جو گاندھی جی کے پروگرام کی معقولیت پر اعتماد نہیں رکھتے تھے۔ اس کے علاوہ بعض حلقوں میں یہ خیال پیدا ہو گیا تھا کہ گاندھی جی اپنی شخصیت کی عظمت کے باعث کانگریس پر حاوی ہو گئے ہیں اور کانگریس گاندھی جی کی صدائے بازگشت بن گئی ہے۔ اس لئے گاندھی جی کا خیال تھا کہ ان تمام اعتراضات اور خرابیوں کو دُور کرنے کی بہترین صورت کانگریس سے ان کی علیحدگی ہے۔ اس لئے انہوں نے فیصلہ کیا کہ وہ کانگریس کے سالانہ اجلاس کے سامنے اپنی علیحدگی کے اسباب و وجوہ بیان کریں اور کانگریس کے کھُلے اجلاس کو عام

اجازت نہ دیں کہ وہ اس مرحلہ پر اپنی آخری رائے کا اظہار کرے۔

۱۷ ستمبر ۱۹۳۴ء کو گاندھی جی نے کانگریس سے علیحدگی کے متعلق واردھا سے تفصیلی بیان جاری کیا اور اس میں بتایا:۔

میں کانگریس سے فوری طور پر تعلقات قطع کرنے کا ارادہ کر رہا تھا لیکن ورکنگ کمیٹی اور پارلیمنٹری بورڈ کے سلسلہ میں آئے ہوئے چند دوستوں کے اصرار پر میں نے یہ منظور کر لیا کہ میں کانگریس اجلاس کے بعد علیحدہ ہوں۔ پنڈت گووند ولبھ پنڈت اور مسٹر رفیع احمد قدوائی نے تجویز پیش کی تھی کہ میں کانگریس سے علیحدہ نہ ہوں لیکن کانگریس کی سرگرمیوں میں حصہ لینا ترک کر دوں۔ لیکن سردار ولبھ بھائی پٹیل اور مولانا ابوالکلام آزاد نے اس تجویز کی سخت مخالفت کی۔ سردار پٹیل اس امر میں مجھ سے متفق تھے کہ میں کانگریس سے علیحدہ ہو جاؤں۔

موافق و مخالف دلائل سننے کے بعد میں نے فیصلہ کیا ہے کہ اپنی علیحدگی کو کانگریس کے اجلاس تک ملتوی کر دوں اس امر کے لیے میرے سامنے ایک بڑی دلیل یہ پیش کی گئی ہے کہ اس عرصہ میں مجھے اندازہ لگانے کا موقع مل جائے گا۔ کہ کیا واقعی میرا خیال صحیح ہے کہ سمجھدار کانگریسیوں کی اکثریت میرے خیالات طریق کار اور ان پر مبنی پروگرام سے تنگ آ گئی ہے اور کیا میں کانگریس کی قدرتی ترقی میں معاون ثابت ہونے کی بجائے رکاوٹ ثابت ہو رہا ہوں اور کیا کانگریس ایک جمہوری اور نمائندہ ادارہ ہونے کے بجائے محض ایک ایسی انجمن بن گئی ہے جو میری ذات کی غلام ہے اور جس میں آزادانہ رائے اور دلیل کے لئے کوئی جگہ نہیں رہی۔ بہت سے کانگریسیوں نے میری پالیسی اور پروگرام کے اختلاف کے باوجود اور اس کے خلاف پر داشت کرتے ہوئے بھی میرے ساتھ وفاداری برتی

ہے۔ کوئی اور لیڈر اس قدر وفاداری کی توقع نہیں کر سکتا۔ اس سے زیادہ وفاداری اور عقیدت کی خواہش ان کے لئے ایک ناجائز بوجھ ہوگا۔ میں جانتا ہوں کہ میرے اور ان کے درمیان بنیادی اختلافات پیدا ہو گئے ہیں۔

اختلافات کی وضاحت کرتے ہوئے گاندھی جی نے بتایا کہ: میں کھدر اور چرخہ کو سب سے زیادہ اہمیت دیتا ہوں۔ لیکن کانگریس کے ایک خاص طبقہ کو اس پر کوئی یقین نہیں ہے یہ دفعہ اس لئے پاس نہیں کی گئی تھی کہ کانگریسیوں کو کھدر کے متعلق یقین کامل ہو گیا تھا بلکہ محض اس لئے کہ وہ مجھ سے وفاداری کا اظہار کر رہے تھے۔ میرا عقیدہ ہے کہ خاص عدم تشدد کے ذریعہ ہندوستان کے کروڑں آدمیوں کو آزادی دلانی ہے تو تعلیم یافتہ طبقہ کو بھی چرخہ اپنانا ہوگا چرخہ اصلی معنوں میں قوم کے وقار اور مساوات کا نشان ہے۔ کانگریس کے آئین میں سے کھدر والی دفعہ کو ہٹا دینے کا مطلب اس رشتہ کو توڑ دینے کا مترادف ہوگا جو کانگریس اور ان کروڑوں عوام کے درمیان موجود ہے۔ کانگریس جن کی نمائندگی کا دعوےٰ کرتی ہے اور اگر اس دفعہ کو خارج نہیں کیا جاتا تو اس پر یقیناً عمل کرانا ہوگا۔ اور یہ اس لئے ناممکن ہے کہ کانگریسیوں کی ایک بڑی اکثریت کو اس پر یقین نہیں ہے۔

اس وقت سول نافرمانی کی کوئی سکیم ہمارے سامنے موجود نہیں ہے اس لئے کانگریس کے اندر پارلیمنٹری کمیٹی کا ہونا اس پروگرام کا لازمی حصہ ہے جو کانگریس مرتب کرے۔ میں نے شدت کے ساتھ اس پروگرام پر زور دیا تھا۔ اس لئے میرے کئی دوستوں کو روحانی تکلیف پہونچی۔ لیکن اس کے باوجود انہوں نے عملی مخالفت نہ کی۔ مجھے تجربہ ہوا ہے کہ بہت سے لوگوں نے مایوس ہو کر مجھ سے مقابلہ کا خیال ہی ترک کر دیا ہے۔ میں چونکہ پیدائشی جمہوریت پسند ہوں اس لئے اس قسم

کی پوزیشن دیکھ کر مجھے شرم آتی ہے۔

سوشلسٹ پارٹی کے پروگرام سے مجھے اختلاف ہے۔ میں اپنے اخلاقی دباؤ سے ان کے خیالات کی تبلیغ کو روکنا نہیں چاہتا۔ لیکن اگر وہ کانگریس میں برسرِ اقتدار آ جائیں جو کہ بالکل ناممکن ہے تو میں کانگریس میں نہیں رہ سکتا

ریاستوں کے متعلق میری پالیسی سے لوگوں کو اختلاف ہے لیکن غور و فکر کے بعد بھی میں اس میں تبدیلی کا قائل نہیں ہوں۔

چھوت چھات دُور کرنے کے لئے میں نے جو طریقہ اختیار کیا ہے۔ وہ کانگریسیوں کی بڑی تعداد کے لیے ناپسندیدہ ہے۔ لیکن میرے لئے وہ ایک بڑا پختہ مذہبی اور اخلاقی مسئلہ ہے۔ بہت سے کانگریسیوں کا خیال ہے کہ میں نے اس موقع پر سول نافرمانی کے دوران میں ہریجن ادھار کا سوال کھڑا کر کے سول نافرمانی کی تحریک کو زبردست دھکا پہنچایا ہے۔ لیکن اگر میں ایسا نہ کرتا تو اپنے آپ سے غدّاری کرتا۔

عدم تشدّد کو میں اپنا ایک بنیادی عقیدہ سمجھتا ہوں۔ لیکن چودہ سال کے تجربہ کے بعد بھی کانگریسیوں کی اکثریت عدم تشدّد کو ایک پالیسی ہی سمجھتی رہی لیکن اس کی ذمہ داری مجھ پر ہے کہ یا تو میں انہیں صحیح طور پر سمجھا نہیں سکا۔ یا عملی طور پر ان کے سامنے صحیح مثال پیش نہیں کر سکا۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ ابھی تک عدم تشدّد کانگریسیوں کی زندگی کا ایک مستقل جزو نہیں بنا۔

سول نافرمانی پر بھی کانگریسیوں کو یقینی اعتماد نہیں ہے ۲۷ سال تک میں نے سول نافرمانی کے عقیدہ کا مطالعہ کیا اور اس پر عمل کیا ہے لیکن اس کے باوجود میں نہیں کہہ سکتا کہ میں اس کے متعلق سب کچھ جانتا ہوں۔ سول نافرمانی کے دوران میں جو غلطیاں ہوئی تھیں اور ان سے جو خطرناک نتائج برآمد ہو رہے

مجھے ان کو دُور کرنے کے لئے ضروری تھا کہ سول نافرمانی کے واحد ماہر ہونے کی حیثیت سے خواہ میری جسارت کی بدنامی کیوں نہ ہو میں سول نافرمانی کو محض اپنی ذات تک محدود کر لوں اور اس طریقے کے امکانات پر مزید غور کروں لیکن میں کانگریسیوں کو قائل نہ کر سکا وہ مجھ سے متفق نہیں ہیں لیکن فراخدلی سے میرا ساتھ دیتے ہیں۔ اس روحانی تکلیف سے جو انہیں اپنے ضمیر کے خلاف کرنے پر ہوتی ہوگی مجھے بڑی تکلیف ہوتی ہے۔ اس مجبوری سے انہیں آزادی ملنی چاہیے تاکہ وہ اپنے ضمیر کے مطابق آزادی اور دلیری سے ووٹ دے سکیں۔

دہشت انگیزوں کی دلیل بالکل صحیح ہے کہ عمل کرنے اور نہ کرنے جب دونوں صورتوں میں تشدد کی روح موجود ہے تو پھر تشدد محض اختلاف رائے کا معاملہ ہے مجھے کہنا پڑتا ہے کہ ہم خیال، زبان اور عمل کے پاکیزہ عدم تشدد کے پیرو نہیں رہے۔

میرا فرض ہے کہ ایسے طریقے اور ذرائع پیدا کروں جن سے حکومت اور دہشت انگیزوں کو عملاً یہ دکھا دوں کہ عدم تشدد سے ہر جائز مسئلہ حاصل ہو سکتا ہے۔ ضرورت ہے کہ مجھے عمل کی پوری آزادی حاصل ہو۔ آج جو چیز میں اپنے ہموطنوں میں ثابت نہ کر سکا۔ ایک دن ایسا آئیگا کہ وہ خود بخود ان پر روشن ہو جائے گی۔ اگر خدا کو منظور ہے تو وہ کوئی ایسا معقول لفظ میری زبان سے نکلوائیگا یا کوئی ایسا معقول کام مجھ سے کرائیگا کہ اس کی اہمیت سب پر ثابت ہو جائے گی۔ ضابطہ کا ووٹ یا بادلِ ناخواستہ رضامندی بالکل ناکافی ہے خواہ مقصد کے لئے زیادہ مضر نہ ہو میں نے "منزل مقصود" کا اکثر ذکر کیا ہے لیکن اب مجھے شک ہونے لگا ہے کہ آیا سب کانگریسی مکمل آزادی کا وہی مفہوم لیتے ہیں جو میں سمجھتا ہوں۔ پورن سوراج میرے لئے محدود معنی

رکھتا ہے اور مکمل آزادی سے اس کا مفہوم کہیں بلند ہے لیکن پورن سوراج کے معنی بھی صاف نہیں ہیں کوئی ایک لفظ یا جملہ وہ مفہوم نہیں پیش کر سکتا جو ہم سب سمجھ سکیں اس لئے اکثر موقعوں پر میں نے سوراج کی عام تشریحیں کی ہیں اور ان میں کی ہر تشریح صحیح ہے اور ایک دوسرے سے متضاد بھی نہیں ہے لیکن وہ سب اگر یکجا بھی کر لی جائیں تب بھی بالکل ہی نامکمل ہیں۔ سوراج کی پوری تشریح اگرچہ ناممکن نہیں ہے لیکن سخت مشکل ضرور ہے۔ اس چیز سے مجھے اپنے اور دوسرے کانگریسیوں کے درمیان ایک اور اہم اختلاف کا خیال آ گیا۔ میں ۱۹۰۸ء سے یہ بات کہہ رہا ہوں کہ ذرائع اور نتائج مترادف الفاظ ہیں اس لئے جہاں ذرائع مختلف اور متضاد ہوتے ہیں وہاں نتائج بھی مختلف اور متضاد ہوتے ہیں۔ ہمیں ذرائع پر ہمیشہ اختیار رہتا ہے لیکن نتائج ہمیشہ ہمارے اختیار سے باہر ہیں۔ اگر ہم یکساں ذرائع اختیار کر لیں تو ہمیں نتائج کی فکر نہ کرنی چاہئے۔ یہ حقیقت ہے کہ بہت سے کانگریسی میرے سامنے اس حقیقت کو تسلیم نہیں کرتے ان کا عقیدہ ہے کہ نتائج سے ذرائع کا جواز نکلتا ہے خواہ وہ کیسے بھی ہوں۔

یہ ان اختلافات کا خلاصہ ہے جن کی وجہ سے کانگریس پروگرام میں ترمیم کرنے کی ضرورت پڑی۔ کیونکہ ممبروں کو اس میں پورا اعتماد نہ تھا اور وہ صرف زبانی تائید کرتے تھے اور ان پر عمل نہ کرتے تھے تاہم میرے پاس ملک کے لئے اور کوئی پروگرام نہیں ہے۔ بجز کانگریس کے پروگرام کے یعنی اچھوت ادھار، ہندو مسلم اتحاد، نشیات سے مکمل پرہیز، سوت کاتنا، کھادی تیار کرنا اور سراسر سودیشی۔

گاندھی جی کا سرحدی پروگرام

بیان کے آخر میں گاندھی جی نے اپنے ذاتی ارادہ کا اظہار کیا کہ میں جلد از جلد
سرحد کے کسی دیہات میں چلا جاؤں گا۔ اگر خدائی خدمتگاروں میں واقعی عدم تشدد
کی روح موجود ہے تو یقیناً عدم تشدد اور ہندو مسلم اتحاد کی ترقی میں ان کا بہت
بڑا حصہ ہوگا۔ اگر واقعی وہ قول، فعل اور خیال میں عدم تشدد کے حامل اور ہندو
مسلم اتحاد کے حامی ہیں تو یقیناً ہم وہ چیزیں حاصل کر سکیں گے۔ جن کی اس ملک
میں اشد ضرورت ہے اس لئے میں خود اس کی جانچ کرنا چاہتا ہوں۔ اور میں خود
چرخہ کا مرپیغام ان تک پہنچا دینا چاہتا ہوں اس طرح اور جس طرح بھی ممکن ہوگا میں کانگریس
کی اپنے طور پر خدمت کروں گا خواہ میں کانگریس کے اندر ہوں یا باہر ہوں۔

عبدالغفار نگر

تین سال کی طویل مدت سے حکومت کی جکڑ بندیوں کے سبب کانگریس کا
باقاعدہ اجلاس نہ ہو سکا۔ اس سال مذکورہ پابندیاں ختم ہو گئیں تھیں۔ اس لئے
سالانہ اجلاس کے لئے عظیم الشان تیاریاں کی گئی تھیں۔

بابو راجندر پرشاد چاہتے تھے کہ اس مرتبہ خان عبدالغفار خاں صدارت
قبول کریں لیکن وہ کہتے تھے میں صرف ایک سپاہی ہوں اس لئے انہوں نے صدارت
کے اعزاز کو قبول نہیں کیا اور آخر کار راجندر بابو مجبور ہو کر رہ گئے۔ لیکن خان
عبدالغفار خاں کے اس اخلاص کی بنا پر کانگریس کے عظیم الشان حلقہ کا نام
عبدالغفار خاں نگر رکھنا تجویز ہوا۔

بمبئی میں وہاں کے وسیع میدان میں عبدالغفار نگر تعمیر کیا گیا۔ اس نگر

کی تعمیر سے وہ میدان جو سنسان پڑا رہتا تھا ایک اچھا خاصہ شہری معلوم ہونے لگا اس کی چہل پہل کا نظارہ قابلِ دید تھا۔ ایک بلند ستون پر قومی جھنڈا نصب کیا گیا۔ وہ ستون اس قدر بلند تھا کہ اس سے پہلے کسی اجلاس میں اتنا اونچا ستون نہیں بنایا گیا تھا۔ بجلی کی روشنی سے سمندر کے ساحل جگمگا اٹھے تھے۔

بمبئی میں عبدالغفار خاں کا شاندار استقبال

خان عبدالغفار خاں واردھا سے ۱۹ اکتوبر کو بغیر علم و اطلاع کے بمبئی پہنچے لیکن عوام کو خبر مل گئی اور ان کا شاندار خیر مقدم کیا گیا۔ ٹرین سے باہر نکلتے ہی نقاروں پر ضرب لگائی گئی شادیانے کی نوبت بجی اور ان کی جے کے فلک شگاف نعرے بلند کئے گئے۔ سروجنی نائیڈو مسٹر کے ایف نریمان۔ ایس اے۔ بریلوی مسٹر نگین داس اور استقبالیہ کمیٹی کے دیگر خاص خاص افسروں نے ان کا استقبال کیا اور انہیں بہت سے ہار پہنائے۔ خواتین والینٹروں نے انہیں سلامی دی۔ دس ہزار سرخ پوش شہریوں کے اجتماع کو والینٹروں نے ان کی کار تک جانے سے بمشکل روکا۔

گاندھی جی کی خاموش آمد

۲۰ اکتوبر۔ گاندھی جی بمبئی پہنچے۔ ان کا پروگرام اس قدر ہوشیاری سے بنایا گیا تھا کہ معلوم ہی نہ ہو سکا کہ وہ کس اسٹیشن پر اتریں گے۔ ان تمام اسٹیشنوں پر جہاں وہ ٹرین ٹھہرتی تھی بے پناہ ہجوم تھا لیکن چونکہ ریلوے سے پہلے ہی طے کر لیا گیا تھا۔ اس لئے گاندھی جی ماٹنگا اسٹیشن پر اترے جہاں عام طور پر وہ ٹرین نہیں رکتی تھی۔ ماٹنگا اسٹیشن پر سردار پٹیل۔ بھولا بھائی ڈیسائی اور دیگر

مخصوص حضرات نے گاندھی جی کا خیر مقدم کیا اور انہیں کار میں عبدالغفار نگر لے گئے۔

صدر کانگریس کا شاہانہ خیر مقدم

۲۱ اکتوبر کو بابو راجندر پرشاد صدر منتخب بمبئی پہنچے بمبئی ۔ سے پہلے کلیان اسٹیشن پر ایک کثیر مجمع نے ان کا استقبال کیا۔

بمبئی وکٹوریہ ٹرمینس پر اس قدر ہجوم تھا کہ اندر اور باہر آدمی ہی آدمی نظر آتے تھے۔ صاحب صدر کے پہنچتے ہی پُر شور نعرے بلند ہوئے اور تالیوں کی آواز سے اسٹیشن گونج اٹھا۔ مسز سروجنی نیڈو ۔ کے۔ ایف۔ نریمان اور دوسرے مقامی رہنماؤں نے خیر مقدم کیا اور انہیں چار گھوڑوں کی گاڑی میں سوار کرایا۔

جلوس میں سب سے آگے موٹر تھی اس کے پیچھے قومی جھنڈا لئے ہوئے سینکڑوں والینٹر تھے ان کے پیچھے سائیکلوں کی قطاریں تھیں پھر پیدل والینٹیر تھے۔

اسٹیشن سے عبدالغفار نگر تک مسلسل والینٹروں کی قطاریں قائم کردی گئی تھی۔ سڑک کے دورویہ انسانی دریا اُمنڈ رہا تھا اور مکانوں کے اوپر نیچے ہر طرف آدمی ہی آدمی نظر آتے تھے۔ پوری بندر کا راستہ ایک گھنٹہ تک بالکل بند رہا۔ شہر میں جابجا خوشنما پھاٹک بنائے گئے تھے ان میں سے ایک روئی کا پھاٹک تھا جس پر سونے چاندی کا کام بنایا گیا تھا۔ اس قسم کا پھاٹک اس سے پہلے صرف ۱۹۱۱ء میں بادشاہ کی آمد پر بنایا گیا تھا۔

جلوس جس وقت کانگریس ہوس پہنچا۔ اور راجندر بابو اپنی سواری سے

اُترے تو مجمع نے جو پہلے سے ان کا منتظر تھا۔ شاندار خیر مقدم کیا۔ بمبئی کانگریس کمیٹی کے صدر اور دیگر عمائد موجود تھے۔ انہوں راجندر بابو کے گلے میں ہار ڈالے اس کے بعد جلوس عبدالغفار نگر گیا۔ راجندر بابو کے قیام کا بندوبست بھی وہیں تھا۔

مجمع کی کثرت نے عبدالغفار نگر کی دلکشی میں اضافہ کر دیا تھا۔ والنٹیر بہت بڑی تعداد میں موجود تھے اور ہر طرف بکثرت نظر آتے تھے لیکن پولیس کو بھی راستوں پر امداد کے لئے ضروری سمجھا گیا۔ اس لئے سرکاری پولیس جگہ بجگہ متعین تھی۔

سودیشی نمائش کا افتتاح

سروجنی نائیڈو نے آل انڈیا کھادی نمائش اور سودیشی بازار کھولنے کے لئے خان عبدالغفار کو مدعو کیا اور کہا کہ اپنی بہادری، سچائی اور ہمت سے خان عبدالغفار خاں نے تمام ہندوستان کے دل و دماغ پر قبضہ کر لیا ہے۔

خان عبدالغفار خاں نے نمائش کا افتتاح کرتے ہوئے اپنی تقریر میں قومی لیڈروں سے اپیل کی کہ وہ خود چرخہ کات کر عوام کے لئے ایک قابلِ تقلید مثال قائم کریں۔

سالانہ اجلاس میں جواہرلال نہرو کی یاد

۲۳ ۔ اکتوبر کو آل انڈیا کانگریس کمیٹی کا اڑتالیسواں اجلاس شروع ہوا ٹھیک دو بجکر دس منٹ پر گاندھی جی، سردار پٹیل، بابو راجندر پرشاد، سروجنی نائیڈو، بھولا بھائی ڈیسائی، عباس طیب جی، شنکر لال بینکر، ڈاکٹر چوتھ گڈوانی خان عبدالغفار خاں، راج گوپال اچاریہ، اور ڈاکٹر سیتا رامیہ وغیرہ

وغیرہ اجلاس میں پہنچے۔

ایجنڈا پڑھا گیا۔ سردار پٹیل نے بتایا کہ گذشتہ تین سال سے کانگریس اپنا اجلاس نہ کر سکی۔ اور انہوں نے اس امر پر اظہار افسوس کیا کہ ہمارے تجربہ کار سرگرم جنرل سکریٹری جواہر لال نہرو جیل میں ہیں۔ اور کملا نہرو بیمار ہیں انہوں نے اہل کانگریس سے اپیل کی کہ میری بہ نسبت نئے صدر راجندر پرشاد کی اور بھی زیادہ امداد کریں۔ انہوں نے نئے صدر کو کانگریس کا چارج دیتے ہوئے تالیوں کی گونج میں پھولوں کا گلدستہ پیش کیا اور ہار پہنایا۔

بابو راجندر پرشاد نے اس عزت افزائی کے لیے سب کا شکریہ ادا کیا اور گاندھی جی سے درخواست کی کہ باضابطہ کارروائی شروع ہونے سے قبل وہ اپنا بیان کمیٹی کے روبرو دے دیں۔

میں گیا وقت نہیں ہوں کہ پھر آ بھی نہ سکوں

گاندھی جی نے اپنی علیحدگی کا اعلان کیا اور اس کے اسباب پر روشنی ڈالی اور اپنے بیان کے دوران میں کہا کہ لوگ سمجھتے ہیں کہ کانگریس کو جو کچھ تائید حاصل ہے وہ صرف میری وجہ سے ہے اور یہ کہ کانگریس جن خیالات کو ظاہر کرتی ہے وہ حقیقی نہیں ہوتے۔ اس لئے وہ ایک مصنوعی جماعت بن گئی ہے۔ کسی نظام کے لئے اس سے بڑھکر مصیبت اور کیا ہوگی کہ اس کی نمود کو رد کیا جائے خواہ یہ محبت اور گرویدگی ہی کے تقاضے سے ہو۔ اس کیفیت کو بہرحال دور کرنا چاہیے

ان تجربوں کی بنا پر جو ہموں کے سلسلہ میں ہمیں حاصل ہوئے یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ ہم خیال قول اور فعل کے عدم تشدد پر کاربند نہیں رہے بہ شرطیکہ

عدم تشدد خیال، قول اور فعل تینوں میں موجود رہے گا۔ محض اتفاقیہ درج نہیں ہو گئی تھی بلکہ اس پر احمد نگر کانگریس میں زبردست بحث مباحثہ ہوا تھا اس کی شروعات مولانا حسرت موہانی نے کی تھی اور اس کلاز کے معنی بالکل واضح اور صاف تھے۔

بہتر یہی ہے کہ میں علیحدہ ہو جاؤں لیکن اگر آپ یہ ثابت کر دیں گے کہ آپ عدم تشدد کا جذبہ پیدا کر چکے ہیں تو میں پھر آپ کو نصب العین تک پہنچانے کی کوشش کروں گا اور اس وقت ہم نہایت یگانگت اور امن کے ساتھ آگے بڑھ سکیں گے۔

عام اجلاس کا منظر

۲۶ر اکتوبر کو کانگریس کے عام اجلاس کا افتتاح کیا گیا۔ اس روز صبح سویرے ہی عبدالغفار نگر میں چہل پہل تھی۔ سب سے پہلے صدر منتخب بابو راجندر پرشاد نے چوک میں جا کر جھنڈا نصب کرنے کی مؤثر رسم ادا کی دو ہزار رضاکار اور تقریباً دو سو خواتین رضاکاروں نے سلامی دی۔ بینڈ کے ذریعہ قومی گیت گائے گئے۔ رضاکاروں کے سپہ سالار حسن علی اور ان کے ساتھ رضاکاروں کے دیگر افسروں نے راجندر بابو کی قیادت کی۔

کانگریس پنڈال میں صدر کی آمد کا اعلان بینڈ کے ذریعہ کیا گیا راجندر بابو مجلس عاملہ اور مجلس استقبالیہ کے اراکین کے ہمراہ پنڈال میں داخل ہوئے تو سب لوگ کھڑے ہو گئے۔

اجلاس میں تقریباً دو ہزار مندوبین شریک ہوئے۔ سب سے پہلے کے ایف نریمان صدر مجلس استقبالیہ نے اپنا ایڈریس پڑھ کر سنایا۔ لوگوں نے کمی

مرتبہ تالیاں بجائیں۔ انہوں نے دورانِ تقریر میں مالوی جی سے کہا کہ اگر وہ کانگریس کے فیصلہ کو تسلیم نہ کریں گے تو انہیں غدار سمجھا جائے گا

مسٹر نریمان نے تقریر کے بعد راجندر بابو کے گلے میں صدارتی ہار ڈالا اس کے بعد صاحبِ صدر نے اپنی صدارتی تقریر کی۔

ڈاکٹر انصاری کی قرارداد

صدارتی تقریر کے بعد سب سے پہلے ڈاکٹر انصاری نے قرارداد پیش کی کہ مجلس عاملہ کی منظور کی ہوئی تمام کارروائیوں کی تصدیق کر دی جائے اس میں پارلیمنٹری بورڈ کے قیام اور تعمیری پروگرام کی تجاویز بھی شامل تھیں۔ ڈاکٹر صاحب نے ایک موثر تقریر میں مالوی جی سے خاص طور پر اپیل کی کہ وہ کانگریس کے ساتھ شریک ہو کر اس کے ہاتھ قوی کریں اور اپنی روش پر نظر ثانی کریں۔

مسٹر نریمان نے ڈاکٹر صاحب کی تجویز کی تائید کی۔ اور اس پُر زور تقریر میں مالوی جی اور مسٹر اینے سے اپیل کی کہ وہ کانگریس کو کمزور نہ کریں۔

مالوی جی نے ستّر منٹ تک تقریر کی اور اپنے نقطۂ خیال کی وضاحت کی کہ کمیونل ایوارڈ مسترد کر دیا جائے۔ مسٹر اینے نے ان کی تائید کی۔

مالوی جی کی ناکامی

دوسرے روز ۲۷ اکتوبر کے اجلاس میں بتایا گیا کہ ڈاکٹر انصاری کی قرارداد پر مالوی جی کی ترمیم کے علاوہ اور بھی ترمیمیں آئی ہیں۔ لیکن رائے شماری کے بعد یکے بعد دیگرے تمام ترمیمیں مسترد ہو گئیں۔ مالوی کی ترمیم کی تائید میں بھی

بہت ہی کم ووٹ آئے تھے۔ ڈاکٹر صاحب کی پیش کردہ قرارداد پر جب رائے لی گئی تو اکثریت نے اس کی تائید کی اور بجے کاروں کی گونج میں اُسے منظور کیا گیا۔

آل انڈیا دیہاتی صنعتی ایسوسی ایشن

بمبئی کے اجلاس میں دیہاتیوں کی نیست و نابود ہونے والی صنعتوں کی بحالی اور حوصلہ افزائی اور ترمیم کے لئے گاندھی جی نے ایک تجویز پیش کی۔ دیہاتوں کی دوبارہ تنظیم اور دوبارہ تعمیر میں چرخہ کاتنے کی مرکزی صنعت کے علاوہ دیہاتوں نیست و نابود ہونے والی صنعتوں کی بحالی اور حوصلہ افزائی بھی شامل ہے اس لئے کانگریس کی سیاسی سرگرمیوں سے علیحدہ ایک انجمن قائم کی جائے۔

گاندھی جی نے اس امر کی وضاحت کی کہ اس انجمن کو سیاسات سے کیوں علیحدہ رکھنا چاہتے ہیں اور بتایا کہ اگر لوگ اقتصادیات اور سیاسیات کو ایک ہی وقت میں تکمیل دینا چاہیں گے تو وہ کسی میں بھی کامیاب نہ ہو سکیں گے اس میں یہ راز بھی مضمر تھا کہ اگر کسی وقت حکومت کانگریس کو خلاف قانون بھی قرار دے دے تو انجمن پر اس کا کوئی اثر نہ پڑے گا۔ اور یہ برابر اپنا کام کرتی رہے گی۔

خان عبدالغفار خاں نے اس ریزولیوشن کی تائید کی اور گاندھی جی کا ریزولیوشن تالیوں کی گونج میں پاس ہو گیا۔ انجمن کا نام آل انڈیا دیہاتی صنعتی ایسوسی ایشن قرار پایا۔

جواہر لال کی خدمت میں صدقدلانہ عقیدت

راجندر بابو نے اپنے خطبہ صدارت میں جواہر لال نہرو کو خراج عقیدت پیش کیا۔ انہوں نے کہا مجھے آپ کو ایک ایسے شخص کی یاد دلانی ہے جو جیل کی سلاخوں کے پیچھے بند ہے اور ہم میں سب سے زیادہ ہمارے ملک کے نوجوان کا نمائندہ ہے جس کی اسپر قومی پستیوں اور گھریلو پریشانیوں سے بھی نہیں مر سکی۔ اس جواہر لال کو ہماری صدق دلانہ عقیدت اور ہمدردی حاصل ہے۔

یاد رفتگان

مسٹر نریمان صدر استقبالیہ نے اپنی تقریر میں اپنے بچھڑے ہوئے ساتھیوں کا ذکر کیا۔ اور کہا ہندوستان کی یہ بدقسمتی ہے کہ وہ وٹھل بھائی پٹیل سین گپتا رنگا سوامی آئینگر اور ڈاکٹر انیی بسنٹ کی خدمت سے محروم ہو گیا مگر ان معزز ہستیوں نے جن عالیشان خدمات کا ریکارڈ چھوڑا ہے وہ ہمیں یہ جوش دلاتا ہے کہ اپنی جدوجہد کو زیادہ وسیع اور عظیم بنائیں۔

گاندھی جی کی علیحدگی

آخر وہ حیرت ناک اور تشویش انگیز ساعت آگئی جس کا بہت دنوں سے انتظار تھا۔ بمبئی کے اجلاس کانگریس نے تمام معاملات و احوال پر غور کرنے کے بعد گاندھی جی کے عزم و ارادہ کی تائید کر دی اور وہ قوم کی مرضی کے خلاف نہیں بلکہ ان کی مرضی سے کانگریس کی رہنمائی اور قیادت کی باگ ڈور جمہور وطن کے ہاتھوں میں دے کر کانگریس سے علیحدہ ہو گئے۔ اسی ہزار آدمیوں نے نم آلود آنکھوں

اور دھڑکتے ہوئے دلوں کے ساتھ ہندوستان کے اس عجیب وغریب اور ہنگامہ خیز شخص کو الوداع کہی جس نے گذشتہ پندرہ برس سے ہندوستان کے ۳۵ کروڑ آبادی کو سیماب کی طرح بے چین اور اپنے چھوٹے سے دماغ ننھے سے دل، کمزور دست بازو اور بے تشدد تحریکات سے دنیائے موجودہ کی سب سے بڑی سلطنت کو پریشان کر رکھا تھا۔

کانگریس سے علیحدگی کے معنی

گاندھی جی نے علیحدگی کی وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ میں ملک کی سیاسیات یا اس کے سیاسی مستقبل میں دلچسپی نہیں لوں گا اور یہ بھی نہ ہوگا کہ میں اس انجمن کی بہبودی میں دلچسپی نہ لوں جس کی بھلائی کے لئے میں اس سے علیحدہ ہوا ہوں۔ اس کے معنی صرف یہ ہیں کہ آئندہ مجھے کانگریس کے عملدرآمد کی تفصیلات سے دلچسپی نہ ہوگی۔ اور مجھے کانگریس کی پالیسی مرتب کرنے کا فخر حاصل نہ ہوگا۔

کانگریس ورکنگ کمیٹی کا عملہ

راجندر بابو صدر کانگریس نے ورکنگ کمیٹی کے لئے مندرجہ ذیل

ارکان کا انتخاب کیا۔

جنرل سکرٹری:- (۱) جواہر لال نہرو۔ (۲) ڈاکٹر سید محمود (۳) اچاریہ کرپلانی۔

خزانچی: جمنالال بجاج۔

اراکین: سردار ولبھ بھائی پٹیل۔ خان عبدالغفار خاں۔ مسز نائیڈو۔ سردار سردول سنگھ۔ ڈاکٹر انصاری

مولانا ابوالکلام آزاد۔ راج گوپال اچاریہ۔ گنگا دھرراؤ دیش پانڈے
ڈاکٹر پٹابھائی سیتارامابجے رام داس۔ دولت رام۔
جواہرلال نہرو کی عدم موجودگی میں مسٹر نری سن کو انکا قائم مقام مقرر کیا گیا۔ آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے دفتر کو پٹنہ منتقل کر دیا گیا اور اچاریہ کرپلانی اس کے ورکنگ سکرٹری بنائے گئے۔

بمبئی کانگریس کے اعداد شمار

ذیل میں کانگریس اجلاس بمبئی کے بعض اعداد شمار پیش ہیں

	تعداد
ڈیلی گیٹ جو اجلاس کانگریس میں شامل ہوئے	۲۵۰۰
وزیٹرز جو کانگریس میں شامل ہوئے۔	۲۵۰۰
وزیٹرز جو کانگریس کے کھلے اجلاس میں شامل ہوئے	۴۰۰۰
والنٹیر	۲۰۰۰
لیڈی والنٹیر	۳۰۰
ممبران استقبالیہ کمیٹی	۲۰۰۰
ممبران آل انڈیا کانگریس کمیٹی جو اجلاس میں شامل ہوئے	۲۵۰
مزدور یا کارکن	۱۰۰۰
پریس رپورٹر	۸۰۰

آمدنی اور اخراجات کی تفصیل ذیل میں درج ہے

اخراجات تعمیر عبدالغفار نگر	۲۵۰۰۰۰
اخراجات نمائش	۲۵۰۰۰
میزان اخراجات	۲۷۵۰۰۰

آمدنی فروخت ٹکٹ کانگریس ۲۷۵۰۰۰

آمدنی فروخت ٹکٹ نمائش ۳۰۰۰۰

میزان آمدنی ۳۰۵۰۰۰

اس طرح استقبالیہ کمیٹی کو تیس ہزار روپے کی بچت ہوئی

کانگریس کی انتخابی سرگرمیاں

کانگریس کے اجلاس بمبئی کے بعد تمام بڑے بڑے رہنما انتخابی سلسلہ میں مختلف صوبوں پر چھا گئے۔ مولٰنا ابو الکلام آزاد بنگال کے دورے پر نکلے۔ راجندر بابو دہلی اور یوپی کے عوام کی رہنمائی کے لئے آئے ڈاکٹر انصاری مہاراشٹر گئے۔ مسٹر ڈیسائی اور سردار پٹیل پنجاب پہنچے اور مسٹر سیتارامیہ مدراس کے لئے مقرر ہوئے۔ ان رہنماؤں کو ملک میں جو اثر و رسوخ حاصل تھا اس کے دیکھتے ہوئے کانگریس کی کامیابی کا قبل از وقت یقین ہو گیا تھا۔

اسمبلی کے ممبران کی تعداد

اسمبلی میں کل ۱۴۵ ممبر ہوتے ہیں جن میں سے صرف ۱۰۶ منتخب کئے جاتے ہیں۔ باقی نامزد منتخب شدہ میں سے ۳۰ مسلمان، ۲ سکھ، ۹ یوروپین، ۱۱ مخصوص تجارتی اور زمینداری حلقہ کے ممبر ۳ مخلوط انتخاب سے اور باقی ۵ غیر مسلم (عام) ہوتے ہیں۔

صوبوں کے لحاظ سے یہ تقسیم حسب ذیل ہے

بنگال ۱۷، یوپی ۱۶۔ بمبئی ۱۶۔ مدراس ۱۶۔ بہار ۱۲۔ پنجاب ۱۲۔

سی پی ۵۔ برار ۱۔ آسام ۴۔ برما ۴۔ دہلی ۔ اجمیر۔ سرحد ۳۔

۳۹ نامزد ممبروں میں سے ۱۳ سرکاری ممبروں میں سے ایک نشست مزدور طبقہ کے لئے ایک ہریجنوں کے لئے ایک اینگلوانڈینوں کے لئے ایک ہندوستانی عیسائیوں کے لئے مخصوص ہے اور حسب رواج عموماً ایک نشست اخبار نویسوں کو۔ ایک پارسیوں کو۔ ایک سکھوں کو ایک یوروپین تاجروں کو اور ایک سابق فوجی افسروں کو دی جاتی ہے اس کے بعد صرف چار نشستیں رہ جاتی ہیں جو ہند۔ ومسلم سرکار پرستوں میں تقسیم کردی جاتی ہیں

ہندوستان کے علاوہ تمام ممالک میں یہ اصول تسلیم شدہ ہے کہ شکست خوردہ ممبروں کو حکومت نامزد نہیں کرتی۔ لیکن بدقسمت ہندوستان اس اصول سے مستثنیٰ ہے۔

۱۹۳۴ء کے انتخابات کی خصوصیات

۱۹۳۴ء کا انتخاب اس لحاظ سے امتیازی خصوصیت رکھتا تھا کہ اس مرتبہ کانگریس نے جماعتی حیثیت سے براہ راست انتخابات میں حصہ لیا۔

دوسری خصوصیت یہ تھی کہ انتخاب جماعتی حیثیت سے لڑا گیا۔ اور شخصیتوں کو نظر انداز کر کے اصولوں کے لئے ووٹ دیئے گئے۔

مختلف پارٹیوں کے ۵ مختلف اصول تھے اسی لئے متفرق انتخابی پارٹیاں مرتب ہوئیں۔

(۱) وہ سرکار پرست ہندو اور مسلمان جو وائٹ پیپر اور فرقہ وارانہ فیصلہ کو منظور کرتے تھے۔

(۲) وہ ہندو جو وائٹ پیپر کو منظور کرتے تھے اور فرقہ وارانہ فیصلہ کو نامنظور کرتے تھے۔ اس میں بھائی پرمانند اور ان کے ہم خیال سناتنی شامل تھے۔

(۳) وہ مسلمان جو وائٹ پیپر کو نامنظور اور فرقہ وارانہ فیصلہ کو منظور کرتے تھے مسلم لیگ اور یونیورسٹی بورڈ کا مسلک یہی تھا۔ یونیورسٹی بورڈ کی تشکیل اسی انتخاب کی رہنمائی کے لئے عمل میں لائی گئی تھی۔

(۴) وہ ہندو جو وائٹ پیپر اور فرقہ وارانہ فیصلہ دونوں کو نامنظور کرتے تھے یہ کانگریس نیشلسٹ پارٹی کا مسلک تھا جو مالوی جی اور مسٹر اینے نے بنائی تھی۔ اس سے کانگریس کو کوئی تعلق نہ تھا لیکن اس نے اپنے مفاد کے لئے کانگریس کا لفظ اپنے نام کے ساتھ شامل کرلیا تھا۔

(۵) کانگریس جو وائٹ پیپر کو نامنظور کرتی تھی لیکن فرقہ وارانہ فیصلہ کو نہ تو منظور کرتی تھی اور نہ نامنظور کرتی تھی بلکہ فرقہ وارانہ فیصلہ کیلئے باہمی سمجھوتہ کے واسطے کوشاں تھی

بلامقابلہ منتخب ممبران اسمبلی

نامزدگیاں داخل ہونے کے بعد معلوم ہوا کہ یورپینوں کے علاوہ بنگال سے ۶۔ یوپی سے ۵۔ پنجاب سے ۵ بمبئی سے ۲۔ بہار سے ۳۔ سی پی سے ایک۔ آسام سے ایک۔ کل ۲۳ حضرات بلامقابلہ منتخب ہوگئے۔ انمیں کانگریس کے ۶ ممبر تھے۔ مذہب کے لحاظ سے ۱۳ مسلم اور ۱۰ غیر مسلم منتخب ہوئے تھے۔ ان حضرات میں مسٹر سرت چندر بوس۔ بابو بھگوانداس گوبند بلبھ پنتھ سر عبدالرحیم محمد علی جناح اور عبدالمتین چودھری خصوصیت سے قابل ذکر ہیں

کانگریسی انتخابی امیدوار

کانگریس نے کل ۷۵ امیدوار کھڑے کئے تھے ان میں ۶ مسلمان

ایک عیسائی اور ۴۷ ہندو تھے۔

چھ مسلمان اُمیدواروں میں سے چار جداگانہ انتخاب سے اور باقی دو مخلوط انتخاب سے کھڑے کئے گئے تھے۔

عیسائی اُمیدوار مدراس سے کھڑے کئے گئے تھے۔

۴۷ ہندو امیدواروں میں سے ایک کو مخلوط انتخاب سے ۲ کو مخصوص تجارتی اور زمینداری حلقوں سے اور ۴۴ کو جداگانہ انتخاب سے کھڑا کیا گیا تھا۔

کانگریس نے

(۱) بنگال کی ایک نشست مسٹر سرت چندر بوس کی وجہ سے

(۲) برار کی ایک نشست مسٹر اینے کی وجہ سے

(۳) سندھ کی ایک نشست

سے اپنے اُمیدوار کھڑے نہیں کئے۔ مسٹر سرت چندر بوس اور مسٹر اینے کے ساتھ خاص رعایت برتی گئی تھی۔

۴۸ غیر مسلم نشستوں میں سے مذکورہ تین نشستوں کو چھوڑ کر کانگریس نے ۴۵ امیدوار کھڑے کئے جن میں سے ایک کا پرچہ نامزدگی نامنظور ہوگیا۔ ۵ بلا مقابلہ منتخب ہوئے ۳۹ نے مقابلہ کیا۔

کانگریس کے مسلمان امیدواروں میں سے سب کو مقابلہ کرنا پڑا۔ اور مخلوط حلقوں میں سے جو دو امیدوار کھڑے کئے گئے تھے ان میں سے ایک سی پی میں بلا مقابلہ منتخب ہو گئے اور دوسرے نے سابق صدر اسمبلی کا مقابلہ کیا۔ اس طرح کانگریس کے کل ۴۷ امیدوار کو مقابلہ کرنا پڑا۔

کانگریس کے امیدواروں کی صوبجاتی تقسیم اس طرح تھی۔ یو پی ۱۰ مدراس ۱۱ بہار ۸ بمبئی ۷ بنگال ۵ سی پی ۴ پنجاب ۳ مخلوط حلقے ۳ آسام ۲۔

کل انتخابی مقابلوں کی کامیابی کی تفصیل

مقابلہ کی کامیابیوں کا نقشہ درج ذیل ہے

نام پارٹی	تعداد اُمیدوار	تعداد کامیابی	فی صدی
کانگریس	۴۷	۳۸	۸۱
نیشلسٹ	۱۷	۶	۳۵
یونٹی بورڈ	۷	۴	۵۷
مسلم کانفرنس	۱۳	۶	۴۶

مقابلہ اور بلا مقابلہ کا تمام صوبوں کا مجموعی نتیجہ حسب ذیل رہا۔

نام پارٹی	امیدوار	کامیاب	فیصدی
کانگریس	۵۳	۴۴	۸۳
نیشلسٹ	۱۹	۸	۴۲
یونٹی بورڈ	۸	۵	۶۲
مسلم کانفرنس	۲۱	۱۴	۶۷

یوپی میں ۱۶ نشستیں تھیں جن میں سے ۸ ہندوؤں کے لئے ۶ مسلمانوں کے لئے۔ ایک زمیندار اور ایک یورپین کے لئے تھی۔ کانگریس نے تمام ہندو نشستوں سے امیدوار کھڑے کئے ان میں سے ۴ بلا مقابلہ اور ۴ بھاری اکثریت سے کامیاب ہوئے۔ اس طرح کانگریس کو یوپی میں سو فیصدی کامیابی ہوئی۔ مسلمانوں میں سے بھی ایک کانگریسی ممبر کامیاب ہوا۔

مدراس میں ۱۶ نشستیں ہیں ۱۰ ہندو ۳ مسلم دو مخصوص تجارتی اور زمینداری اور ایک یورپین۔ کانگریس نے تمام ہندو نشستوں سے اپنے امیدوار

کھڑے کئے تھے سب کو کامیابی حاصل ہوئی۔ تجارتی حلقہ سے ایک امیدوار کھڑا کیا تھا وہ بھی کامیاب ہوا اس طرح مدراس میں بھی کانگریس کو سو فیصدی کامیابی حاصل ہوئی۔

سی پی میں ۵ نشستیں ہیں ۳ ہندو ایک مسلم ایک زمیندار۔ کانگریس نے تین ہندو اور ایک زمیندار امیدوار کھڑا کیا انمیں سے زمیندار بلا مقابلہ اور باقی تین مقابلہ میں کامیاب ہوئے اس طرح سی پی میں بھی کانگریس کو سو فیصدی کامیابی حاصل ہوئی۔

پنجاب میں ۱۲ نشستیں ہیں ۶ مسلم ۳ ہندو ۲ سکھ اور ایک زمیندار کانگریس نے تین ہندو امیدوار کھڑے کئے تھے ان میں سے صرف ایک امیدوار کامیاب ہوا۔ اس طرح کانگریس کو پنجاب میں ۳۳ فیصدی کامیابی حاصل ہوئی۔

مخلوط انتخاب کی تین نشستیں تھیں کانگریس نے دو سے مسلمانوں کو اور ایک سے ہندو کو کھڑا کیا۔ دونوں مسلمان کامیاب ہو گئے اس طرح کانگریس کو ۶۶ فیصدی کامیابی حاصل ہوئی۔

آسام میں چار نشستیں ہیں۔ دو ہندو۔ ایک مسلم۔ ایک یوروپین۔ کانگریس نے دونوں ہندو نشستوں سے امیدوار کھڑے کئے اور وہ دونوں کامیاب ہوئے اسطرح کانگریس کو آسام میں بھی سو فیصدی کامیابی حاصل ہوئی۔

بہار میں ۱۲ نشستیں ہیں۔ ۸ ہندو ۳ مسلم۔ ایک زمیندار کانگریس نے سب ہندو نشستوں سے اپنے امیدوار کھڑے کئے۔ ایک بلا مقابلہ اور سات مقابلہ میں کامیاب ہوئے۔ اس طرح بہار میں بھی کانگریس کو سو فیصدی کامیابی ہوئی۔

بمبئی میں ۱۶ نشستیں ہیں۔ ۷ ہندو ۴ مسلم ۳ مخصوص اور ۲ یورپین۔ کانگریس نے سندھ کے علاوہ ۶ نشستوں سے اپنے امیدوار کھڑے کئے تھے ان میں سے ۵ کامیاب ہوئے۔ کانگریس بمبئی میں ۸۳ فیصدی کامیاب رہی۔

بنگال میں ۱۷ نشستیں ہیں۔ ۶ ہندو ۶ مسلم ۲ مخصوص اور تین یورپین کانگریس کا ایک امیدوار کامیاب ہوا

خاص خاص انتخابی شکستیں

مدراس شہر غیر مسلم حلقہ کے لئے دیوان بہادر اما سوامی مدالیر (جسٹس پارٹی) اور مسٹر ستیہ مورتی کا مقابلہ تھا۔ ستیہ مورتی نامور کانگریسی کارکن ہیں وہ صوبہ کی مجلس قانون میں بھی کام کر چکے ہیں کانگریس کو انتخابی پالیسی پر لانے میں ان کی کوششوں کو بڑا دخل تھا مسٹر مدالیر اسمبلی کے سابق رکن تھے اور حکومت کی طرف سے گول میز کانفرنس میں بھی جا چکے تھے۔ اس مقابلہ میں دیوان بہادر کو عظیم الشان ناکامی ہوئی اور کانگریس بہت بڑی اکثریت سے جیتی۔

مدراس کی دوسری نشست کے لئے ونکٹا جیلم چیٹی (کانگریس پارٹی) کا لارڈ ولنگڈن کے سیاسی فرزند سر شان موکھن چیٹی (جسٹس پارٹی) سابق صدر اسمبلی سے مقابلہ تھا لیکن سر موصوف کو زبردست شکست ہوئی اور کانگریسی امیدوار جیت گیا۔

سر شان موکھن چیٹی پہلے جس حلقہ سے کھڑے ہوئے تھے اُسے انہوں نے چھوڑ دیا تھا اور اس کی بجائے تجارتی حلقہ منتخب کیا ان کا بیان تھا کہ انہوں نے اس حلقہ کو اس بنا پر منتخب کیا کہ کانگریس نے ان پر الزام لگایا تھا کہ انہوں نے میثاق اوٹاوہ بنوایا جو ملک کے حقیقی مفاد کے لئے سخت مضر ہے

چونکہ یہ میثاق تمام تر تجارتی طبقہ سے تعلق رکھتا ہے۔ اس لئے اس کا جواب اس حلقہ سے مل سکتا تھا۔ انہوں نے اپنے انتخاب کو میثاق اٹاوہ کی قبولیت کے لئے تجارتی رائے کے امتحان کا معیار قرار دیا تھا۔ لیکن آخر کار ہار گئے۔

ناگپور میں مہا سبھا کے بانی مبانی ڈاکٹر منجے اپنے تمام رفقاء کی امکانی امداد کے باوجود دو ہزار ووٹوں سے مسٹر ابھیانکر (کانگریسی) سے ہار گئے بھائی پرمانند مالوی جی اور مسٹر اینے سب ہی ان کی تائید کے لئے گئے تھے لیکن حب الوطنی کی شاندار فتح ہوئی۔ اور مہا سبھائیت کا انجام دردناک ہوا۔

سی پی میں سر ہری سنگھ گوڑ کو بھی شکست ہوئی۔

بہار میں جگت نرائن لال جنرل سکرٹری ہندو مہا سبھا، اجمیر میں دیوان بہادر ہربلاس شاردا کی شکستیں بھی قابل تذکرہ ہیں۔

دہلی میں اگرچہ کی وائسرائے کی تمام ایگزیکٹو کونسل اور گورنمنٹ آف انڈیا کے تمام اعلیٰ افسروں نے ووٹ دینے کی زحمت گوارا کی لیکن رائے صاحب نانک چند کو زبردست شکست ہوئی۔ اور مسٹر آصف علی نمایاں طور پر کامیاب ہوئے۔

کانگریس کی شکستیں حسب ذیل ہیں۔

اجمیر کی ایک نشست، بمبئی کی ایک نشست۔ پنجاب کی دو نشستیں۔ بنگال کی چار نشستیں، اور دو مسلم نشستیں۔

اجمیر کی شکست اندرونی اختلافات کی وجہ سے ہوئی۔ بمبئی کی شکست پارسی آبادی کی وجہ سے ہوئی۔ پنجاب اور بنگال کی شکستیں اصولی طور پر کمیونل اوارڈ کے فیصلہ کی وجہ سے ہوئیں اور مسلم نشستوں کی شکستیں امیدواروں کی ناموزونیت کی وجہ سے ہوئی۔

خاص خاص انتخابی کامیابیاں

کانگریس کے کامیاب امیدواروں میں گووند ولبھ پنتھ، ڈاکٹر بھگوانداس
ستیہ مورتی، ونکٹا چالم چیٹی۔ موہن لال سکسینہ، کرشن دت پالیوال، ناگیشور
راؤ پنتالو، بھولا بھائی ڈیسائی، تصدق احمد خاں شروانی، ڈاکٹر خانصاحب،
مسٹر آصف علی وغیرہم حضرات قابل ذکر ہیں، دیگر ممبروں میں سرت چندر
بوس، مسٹر اینے، بھائی پرمانند وغیرہ قابلِ تذکرہ ہیں۔

مسلم ممبروں میں محمد علی جناح، مولانا شوکت علی، محمد احمد کاظمی، خالد
لطیف گابا، مولوی مرتضیٰ بہادر، سر عبدالرحیم، ڈاکٹر ضیاالدین۔ مولانا شفیع
داؤدی، نبی بخش بھٹو، حاجی عبداللہ ہارون، ایچ اے غزنوی، اے کے
فضل حق، غلام بھیک نیرنگ۔ سر محمد یعقوب وغیرہم قابل ذکر ہیں۔

جوائنٹ پارلیمنٹری رپورٹ کی اشاعت

۲۲ نومبر سنہ ۱۹۳۴ء کی دوپہر کو دو بجے اصلاحات ہند پر برطانوی
پارلیمنٹ کی مشترکہ کمیٹی کی رپورٹ سال بھر کی سعی و محنت، بحث فکر اور تجویز و
تدبیر کا نتیجہ ہو کر دنیا کے سامنے آگئی۔

کمیٹی مذکور دارالامراء اور دارالعوام یعنی پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں
کے ارکین پر مشتمل ۲۸ نومبر سنہ ۱۹۳۳ء کو مقرر کی گئی تھی۔ دونوں ایوانوں سے
سولہ سولہ ممبر منتخب کئے گئے تھے۔ اسے اختیار حاصل تھا کہ وہ ہندوستانی
ریاستوں اور برطانوی ہند کے نمائندوں سے مشورہ کر سکتی ہے۔

ہاؤس آوف لارڈ کے ممبران میں سے (۱) لارڈ ارچ بشاپ آف

کنٹر بری (۲) مارکوئس آف سلیسبری (۳) مارکوئس آف لنلتھگو (۴) ارل آف ڈربی (۶) لارڈ کیر (ایم لوتھین) (۷) لارڈ اروِن (۸) مارکوئس آف زٹلینڈ (۹) مارکوئس آف ریڈنگ (۷) لارڈ ہارڈنگ وغیرہم اور ہاؤس آف کامنز کے ممبران میں سے (۱) میجر ایٹلی (۲) مسٹر بٹلر (۳) سر آسٹن چیمبرلین (۴) مسٹر کاکس (۵) سر سموئیل ہور (۶) مس پکفرڈ۔ سر جان سائمن وغیرہم کے نام قابل ذکر ہیں۔

کمیٹی مذکور نے ریاستوں کے ۷ نمائندوں کو مشورہ کے لئے بلایا انمیں سر لیاقت حیات خاں، سر اکبر حیدری، سر مرزا محمد اسمٰعیل، راؤ بہادر وی ٹی کرشنا اچاری قابل ذکر ہیں۔

برطانوی ہند سے ۱۹ مندوبین طلب کئے گئے تھے۔ ان میں سر آغا خاں، ڈاکٹر امبیدکر، ایچ، اے، غزنوی، کرنل گڈنی، سر ہری سنگھ گوڑ، ایم، آر، جیکر۔ بیگم شاہنواز، سر عبد الرحیم، سر تیج بہادر سپرو، ڈاکٹر شفاعت احمد خاں، سر پرشوتم داس اور مسٹر ظفر اللہ قابل ذکر ہیں۔

کمیٹی کی کل ۵۹ نشستیں منعقد ہوئیں اور تقریباً ۱۲۰ گواہوں کے بیانات لئے گئے۔

رپورٹ کے اخراجات

کمیٹی مذکور کی کل کاروائی پر ۳۳-۱۹۳۲ء میں ۴۲ ہزار آٹھ سو ۹۹ پونڈ ایک شلنگ اور ۳۴-۱۹۳۳ء میں ۲۹ ہزار ۴ سو ۹ پونڈ ۳ شلنگ ۴ پنس خرچ ہوئے۔

برطانوی فریب کاری کا شاہکار

انگریزی قوم کے بہترین دل و دماغ نے مہینوں کے غور و فکر اور سوچ

بچار کے بعد جو خاکہ دستور مرتب کیا اس کے اندر ہندوستانیوں کے اضطراب کو دور کرنے کا کوئی ادنیٰ سا شائبہ بھی نہیں پایا گیا۔

ہندوستان کے گورنر جنرلوں نے اور انگلستان کے وزرا اور وزیر اعظم نے اپنی تقریروں میں گذشتہ سات برس کے دوران میں جو وعدے کئے جو یقین دلائے اور جو اطمینان انگیز الفاظ کہے تھے انکو پورا کرنے کی ذرہ برابر پرواہ نہیں کی گئی۔ رپورٹ کی ترتیب کے وقت کمیٹی کے سامنے شاید صرف یہی مقاصد تھے کہ دستوری ترقی کے خوبصورت اور مسرفانہ نظام کو اس رنگ میں قائم کیا جائے کہ ہندوستان کوئی حقیقی اختیار نہ حاصل کر سکے، اور وہ تمام دروازے احتیاط اور اہتمام کے ساتھ بند کر دیئے جائیں جن سے اس مفلوک الحال اور مفلس مجبور ملک پر خیر و برکت کے عناصر داخل ہو سکتے ہوں کوشش کی گئی تھی کہ بظاہر وزرا کی ذمہ داری کونسلوں کی خود مختاری بھی ہو تمام محکموں کے انتقال کی خوشگوار اطلاع بھی ہو لیکن اسکے ساتھ ایسی مجبوریاں بھی لاحق کر دی جائیں کہ اختیاری و خود مختاری کی روح سلب ہو جائے۔ مرکزی ذمہ داری کا تخیل لفظوں میں ادا ہو جائے فیڈریشن کے حسین و جمیل تصور سے لوگوں کو دھوکا بھی دے دیا جائے۔ وائسرائے کے مشیروں اور اسمبلی کے وزیروں کے خوبصورت اور نشاط آفریں الفاظ سے سادہ لوح ہندوستانیوں کو خوش بھی کر دیا جائے۔ لیکن انداز ایسا اختیار کیا جائے کہ گورنر جنرل، وزیر ہند، اور برطانوی پارلیمنٹ مرکزی نظام حکومت کے رگ رگ اور ریشے ریشے میں سما جائیں۔

جوائنٹ پارلیمنٹری کمیٹی کے ارکان نے ایک خوفناک اور عظیم الشان فریب تیار کیا تھا۔ وہ ایک نظر بندی کا کھیل تھا ایک شعبدہ تھا ایک جادو گری تھی اور شر و فساد کی بنیاد تھی۔

یہ دستور غالباً اس خوف اور خدشہ کے ساتھ مرتب کیا گیا تھا کہ ہندوستان برطانیہ کے ہاتھوں سے نکلا چلا جارہا ہے اس لئے اسے اس طرح ترتیب دیا گیا کہ پورا نظام حکومت گورنر، گورنر جنرل اور وزیر ہند کے ہاتھونمیں کٹھ پتلی کی حیثیت اختیار کرلے وہ ہر بات میں اڑنگا لگا سکیں، قانون کو نامنظور کرسکیں، کونسلوں کو معطل کرسکیں، مستقل قوانین بنا سکیں اور نظام حکومت پر حسب چاہیں مطلق العنان بادشاہوں کی طرح قابض ہوسکیں۔

حکومت کی شعبدہ بازی

رپورٹ کا خلاصہ یہ تھا کہ ہندوستان میں دوعملی کا خاتمہ کردیا جائے اور جمہوری اصولوں پر ہندوستان کے نمائندوں کو تمام سرکاری محکمے سپرد کردیئے جائیں۔ لیکن اس شان کے ساتھ کہ صوبجاتی خودمختاری کی رو سے وزراکونسل کے سامنے جواب دہ ہوں مگر کونسل کے منظور کئے ہوئے قوانین کونامنظور کرنیکا بھی اختیار دیا گیا۔ اور گورنر کو مالیات اور قانون سازی کا بھی اختیار دیا گیا تاکہ وہ اپنی مرضی سے بجٹ میں اضافہ کرسکے اور نئے اور مستقل قوانین بنا سکے۔ پولس کونسل کے ماتحت رکھی گئی لیکن پولس ایکٹ میں ترمیم کے لئے گورنر کی منظوری ضروری قرار دی گئی اور خفیہ پولس کے لئے مخصوص تحفظات رکھے گئے۔ صوبجاتی خودمختاری کی روح سلب کرلینے کے بعد بھی برین لندن کو اطمینان نہیں ہوا۔ انکو خدشہ تھا کہ یہ مردہ جھرجھری لیکر نہ اٹھ بیٹھے۔ اسلئے ایوانِ ثانی کا سنتری اسکی قبر پر تعینات کردیا گیا اور وہ بھی اس شان کیساتھ کہ اسکو برخاست ہونیکا اندیشہ نہیں بلکہ ایک تہائی ارکان مقررہ وقت میں برخاست ہوجائیں اور نئے منتخب ہوکر آجائیں۔

فیڈریشن کا گورکھ دھندا

فیڈریشن کی حقیقت یہ تھی کہ گورنر جنرل کے تین مشیر ہونگے۔ فوج، معاملات خارجہ اور مذہبی امور گورنر جنرل کے قبضہ میں رہیں گے۔ وہ ان مشیروں کے ذریعہ اپنے فرائض سرانجام دے گا۔ البتہ بقیہ محکموں کے لئے وزراء ہوں گے لیکن مالیات کے متعلق گورنر جنرل کی مخصوص ذمہ داریاں ہونگی آمد و خرچ پر اُسے پورا اختیار دیا گیا۔ بجٹ اسکے قبضہ میں جسد بے جان کی شکل تھا۔ اسکے برعکس وائسرائے کے مشیروں کے مقابلے میں وزیر کوئی دخل نہ دے سکیں گے۔ البتہ باہمی مشورے کی سعادت عطا کی گئی۔ مرکزی اختیارات کی جان نکال لینے کے بعد بھی برطانیہ کے مدبروں کو ہندوستانی وطنیت کے بھوت سے اطمینان نہ ہوا کہ کہیں کوئی ہوشیار طبیب اسکو تریاق کی ایک بوند پلا کر زندہ نہ کر دے۔ اسلئے اسکے ارکان کے انتخاب کے لئے بالواسطہ طریق انتخاب مقرر کیا گیا۔ تاکہ عام ہندوستانی براہِ راست انکو منتخب نہ کر سکیں بلکہ کونسلیں انکو منتخب کریں۔ ہندو ہندوؤں کو مسلمان مسلمانوں کو تاکہ اسطرح جو ارکان آئیں وہ بہت ہی قابل اطمینان ہوں تاہم ایک اندیشہ باقی تھا اسکا ازالہ اس طرح کیا کہ کونسل آف اسٹیٹ جس کے ارکان کو صوبجات کے ایوانہائے ثانی منتخب کریں گے۔ اسمبلی پر مسلّط کر دیا جسکی میعاد حیات ۹ برس ہوگی۔ اور ایک تہائی اراکین ہر تیسرے سال علیحدہ ہوتے رہیں گے۔

انڈین سول سروس اور انڈین پولس سروس کا اختیار وزیر ہند کو دیا گیا تاکہ کوئی ناقابل اطمینان شخص نہ مقرر ہو جائے اور اگر مقرر ہو جائے تو اسکو برخاست کرنیکا حق ہندوستانیوں کو نہ رہے وہ ہندوستانی بھی ہوں تو برطانوی حمایت

کے پیکر ہوں اور برطانویوں سے زیادہ خیراندیش غلام ہوں۔

مذکورہ خاکہ سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ ہندوستان کے دستوری نظام حکومت کو مسلوب کر دینے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا گیا اور ہر امکانی اندیشے کا سدِ باب کرنے اور ہندوستان کی قانونی فلاح، انتظامی بہبود اور مالی بہتری پر برطانوی مرضی کے پہرے بٹھا دیئے گئے۔

تجارتی امتیازات کے شکنجے

قانون سازی، نظم و نسق، بجٹ، فوج، پولس، دل و دماغ، روح، حواس، ہر شے اپنی جھولی میں ڈال لی گئی پھر بھی اندیشہ رہا کہ کہیں برطانوی منافع اور برطانوی مصالح پر کوئی زد کسی غیر معلوم گوشے سے نہ پڑ جائے لہٰذا تجارتی امتیازات کا شکنجہ بھی کس دیا گیا اور ہندوستان سے ایسے قانون بنانے کا اختیار چھین لیا گیا جس سے وہ برطانوی مصنوعات کی راہ میں رکاوٹ ڈال کر ہندوستانی مصنوعات کو فروغ دے سکیں اور اپنے وطن کے فاقہ کش انسانوں کی شکم پری کا سامان مہیا کر لیں۔

پارلیمنٹری رپورٹ میں اورنگ زیب عالمگیر پر حملہ

رپورٹ نے ہندوستانیوں کی انسانیت ہی کی توہین نہیں کی بلکہ اس نے برطانیہ کے نیک نام کو اگر اس میں کوئی نیکی تھی اور وہ باقی ہے اور برطانیہ کے مدبروں کی شرافت کو اگر ان میں شرافت باقی ہے رسوا و ذلیل کر دیا اسی کے ساتھ ساتھ اس نے ایسے ریمارک کئے جن سے اس کی تقسیم کرو اور حکومت کرو" کی پالیسی کی تصدیق ہوتی ہے اور جو برطانوی نظام کی طرف سے ہندوستان کے اندر مسلسل و متواتر اختیار کی جاتی رہی ہے۔ چنانچہ رپورٹ کے قابل مصنفین نے ایک فرانسیسی سیاح کے حوالہ سے جو عرصہ تک اورنگ زیب

عالمگیر کے دربار میں رہا تھا اورنگ زیب عالمگیر کی مذمت کی ہے اور لکھا ہے کہ اسکا طرز دیگر ایشائی ملوکیتوں کی طرح تھا۔ غلام اقوام کے مفاد کو تاج کی خواہشات کا پابند اور تاج کی رائے کے ماتحت کر دیا گیا تھا۔ شاہی شوکت عوام کے افلاس کا معیار بن گئی تھی۔

مذکورہ بیان کی مدافعت میں بے شمار مستند حوالہ جات پیش کئے جا سکتے ہیں۔ ہندوستان کے مشہور مورخ مولنا شبلی کی مشہور تصنیف "اورنگ زیب پر ایک نظر" اور "اورنگ زیب کے زمانے میں ہندوستان" کے اقتباسات بھی دئے جا سکتے ہیں لیکن جوائنٹ پارلیمنٹری کمیٹی کے معزز ارکان ہی کے ایک ہم وطن مصنف کا بیان شاید زیادہ قابل اطمینان سمجھا جائے۔ الیگزنڈر ہملٹن جو اورنگ زیب کے زمانے میں ۲۵ سال تک ہندوستان میں رہا اس زمانہ کی رواداری کے متعلق بیان کرتا ہے کہ حکومت کا مذہب اسلام ہے۔ لیکن ہندوؤں کے ساتھ پوری رواداری برتی جاتی ہے پھر اس زمانے کے لوگوں کی خوشحالی کا تذکرہ کرتے ہوئے وہ کہتا ہے کہ صرف ایک شہر میں پچاس ہزار جلاہے کپڑے کے متعدد کارخانوں میں کام کرتے ہیں اور کارخانوں کی مصنوعات کا کثیر حصہ غیر ممالک بالخصوص یورپ کو برآمد کیا جاتا ہے۔

صوبوں کی مجالس قانون ساز کے نمائندے

صوبوں کی مجالس قانون ساز کی تشکیل کے سلسلہ میں رپورٹ میں یہ تجویز کی گئی تھی کہ ہر گورنر کے صوبے میں صوبے کی ایک مجلس قانون ساز ہو۔ جو بادشاہ اور ایک قانون ساز اسمبلی پر مشتمل ہو۔ بادشاہ کی نمائندگی گورنر کرے لیکن بنگال، صوبہ متحدہ، بہار، بمبئی اور مدراس کیلئے یہ تجویز تھی کہ ان صوبوں کی مجلس قانون ساز بادشاہ

ایک قانون ساز کونسل اور ایک قانون ساز اسمبلی پر مشتمل ہونگی گورنر بادشاہ کی نمائندگی کریگا۔ آخر الذکر صوبوں کی مجالس قانون ساز کی تشکیل حسب ذیل رکھی گئی تھی۔

	بنگال	بہار	بمبئی	مدراس	صوبہ جات متحدہ
کم از کم ممبران جو گورنر اپنی مرضی سے نامزد کریگا	۶	۳	۳	۸	۶
ممبران کی زیادہ سے زیادہ تعداد جو گورنر اپنی مرضی سے نامزد کر سکتا ہے	۸	۴	۴	۱۰	۸
بلا واسطہ انتخاب کے ذریعہ — عام	۱۰	۹	۲۰	۲۵	۳۴
بلا واسطہ انتخاب کے ذریعہ — مسلمان	۱۷	۴	۵	۷	۱
بلا واسطہ انتخاب کے ذریعہ — یوربین	۳	۱	۱	۱	۱
بلا واسطہ انتخاب کے ذریعہ — ہندوستانی عیسائی	۰	۰	۰	۲	۰
صوبوں کے زیریں ایوان کے اراکین کے ووٹ کے ذریعہ منتخب شدہ	۲۷	۱۲	۰	۰	۰
کم از کم میزان	۶۳	۲۹	۲۹	۵۴	۵۸
زیادہ سے زیادہ میزان	۶۵	۳۰	۳۰	۵۶	۶۰

بلا واسطہ انتخاب فرقہ وارانہ حلقوں سے کیا جائیگا۔ جائداد اور ممتاز سرکاری ملازمتیں انتخاب کا معیار قرار دی گئیں۔

گورنروں کے ان صوبوں میں جہاں ایک ایک ایوان ہوں گے اراکین کی تعداد حسب ذیل ہوگی

صوبہ جات	عام	سکھ	مسلمان	کل
پنجاب	۱۶	۱۱	۳۰	۵۷
صوبہ متوسط معہ برار	۳۱	۰	۵	۳۶
آسام	۲۱	۰	۱۲	۳۳
شمالی مغربی سرحدی صوبہ	۵	۱	۱۹	۲۵
سندھ	۱۰	۰	۱۸	۲۸
اڑیسہ	۲۷	۰	۳	۳۰

صوبوں کی اسمبلیوں کا تناسب تعداد

صوبہ	ہندو معہ اچھوت	غیر ترقی یافتہ	سکھ	مسلمان	ہندوستانی عیسائی	اینگلو انڈین	یوربین	تجارت پیشہ	زمیندار	یونیورسٹیاں	مزدور	میزان
مدراس	۱۵۲	۱	×	۲۹	۹	۲	۳	۶	۶	۱	۶	۲۱۵
بمبئی	۱۱۹	۱	×	۲۰	۳	۲	۳	۷	۲	۱	۷	۱۷۵
بنگال	۸۰	×	×	۱۱۹	۲	۴	۱۱	۱۹	۵	۲	۸	۲۵۰
صوبہ متحدہ	۱۴۴	×	×	۶۶	۲	۱	۲	۳	۶	۱	۳	۲۲۸
پنجاب	۴۳	×	۳۲	۸۶	۲	۱	۱	۱	۵	۱	۳	۱۷۵
بہار	۸۹	۷	×	۴۰	۱	۱	۲	۴	۴	۱	۳	۱۵۲
متوسط برار	۸۷	۱	×	۱۴	×	۱	۱	۲	۳	۱	۲	۱۱۲
آسام	۴۸	۴	×	۳۴	×	×	۱	۱۱	×	×	۴	۱۰۸
سرحد	۹	۳	۳	۳۶	×	×	×	×	۲	×	×	۵۰
سندھ	۱۹	×	×	۳۴	×	×	۲	۲	۱۱	×	۱	۶۰
اڑیسہ	۴۹	۲	×	۴	۱	×	×	۱	۲	×	۱	۶۰

کونسل آف اسٹیٹ میں برطانوی ہند کے نمایندے

کونسل آف اسٹیٹ میں برطانوی ہند کے نمایندوں کی تعداد ۱۵۰ رکھی گئی انمیں ۶ اراکین وہ بھی شامل ہیں جنھیں گورنر اپنی مرضی سے نامزد کرے گا۔ صوبہ دار اراکین کی تعداد درج ذیل ہے۔

مدراس	۲۰	اڑیسہ	۵
بمبئی	۱۶	کورگ	۱
بنگال	۲۰	اجمیر	۱
صوبجات متحدہ	۲۰	دہلی	۱
پنجاب	۱۶	بلوچستان	۱
صوبہ متوسط معہ برار	۸	ہندوستانی عیسائی	۲
آسام	۵	اینگلو انڈین	۱
شمالی مغربی سرحد	۵	یورپین	۷
سندھ	۵	کل	۱۳۴

قومیت اور فرقہ کے لحاظ سے مذکورہ ۱۵۰ نشستوں کی تقسیم درج ذیل ہے

ہندو بمعہ اچھوت	۸۱	یورپین	۷
سکھ	۴	دیسی عیسائی	۲
مسلمان	۴۹	عورتیں	۶
اینگلو انڈین	۱	میزان	۱۵۰

اسمبلی میں برطانوی ہند کے نمایندے

ہاؤس آف اسمبلی میں برطانوی ہند کے نمائندوں کی تعداد ۳۵۰ رکھی

گئی قومیت اور فرقہ کے لحاظ سے ان کی ترتیب درج ذیل ہے۔

ہندو معہ اچھوت	۱۰۵	نمائندگان صنعت وتجارت	۱۱
سکھ	۶	زمیندار	۷
مسلمان	۸۲	مزدور	۱۰
اینگلو انڈین	۴	عورتیں	۹
یورپین	۸		
دیسی عیسائی	۸	میزان	۲۵۰

کونسل آف اسٹیٹ میں ریاستوں کے نمائندے

کونسل آف اسٹیٹ میں ۱۰۴ نشستیں رکھی گئیں اوران کو تین قسموں پر تقسیم کیا گیا (۱) وہ جو مسلسل ایک ہی ریاست کی طرف سے پُر ہوا کریں گی۔ (۲) وہ جن کے لئے دو یا دو سے زیادہ ریاستیں یکے بعد دیگرے مل کر ممبر منتخب کیا کریں گی۔ (۳) وہ نمائندے جنھیں چھوٹی ریاستیں مجموعی طور پر منتخب کیا کریں گی۔

(۱) ذیل میں پہلی قسم کی نشستوں کی وہ فہرست درج ہے جو بعض ریاستوں کو انفرادی طور پر حاصل ہیں۔

ریاست	تعداد نشست ایوان بالا	ایوان زیریں
حیدرآباد	۵	۱۴
میسور	۳	۷
کشمیر	۳	۴
گوالیار	۳	۴

بڑودہ	۳	۳
قلات	۲	۱
ٹراونکور	۲	۵
کوچین	۲	۱
رام پور	۱	۱
بنارس	۱	۱
سکھم	۱	×

(۲) ان نشستوں کی فہرست جن کے لئے دو یا دو سے زیادہ ریاستیں یکے بعد دیگرے ممبر منتخب کریں گی۔

راجپوتانہ کی ریاستیں

۱۹ ۱۷

سنٹرل انڈیا کی ریاستیں

۱۷ ۱۴

سنٹرل انڈیا کی ریاستوں میں مغربی ہند اور ریاستہائے گجرات اور راجپوتانہ کی بعض ریاستیں اور دکن اسٹیٹ کی بعض ریاستیں بھی شامل ہیں

دکن اسٹیٹ اور کولہاپور کی ریاستیں۔

۱۳ ۱۲

پنجاب کی ریاستیں اور ٹہری گڑھوال

۵ ۵

بنگال اور آسام کی ریاستیں

۱۱ ۱۱

مدراس کی ریاستیں

۱۱ ۱۱

مدراس کی ریاستوں میں پدوکوٹہ، بنگانا پلے اور سیندور بھی شامل ہیں

بہار و اڑیسہ کی ریاستیں

۳ ۹

صوبہ متوسط کی ریاستیں

۲ ۵

وہ چھوٹی چھوٹی ریاستیں جنہیں سلامی حاصل نہیں ہے

۵ ۷

۱۰۴ ۱۲۵

ہندوستان کی آمدنی اور خرچ

پارلیمنٹری رپورٹ میں ہندوستان کی آمدنی اور خرچ کا نقشہ بھی شائع کیا گیا تھا جو درج ذیل ہے یہ ۱۹۳۳-۳۴ء سے متعلق ہے۔

آمدنی مرکز	روپیہ کروڑ	پونڈ ملین	اخراجات مرکز	روپیہ کروڑ	پونڈ ملین
کسٹم	۵۰٫۲۷	۳۷٫۷۰	پوسٹ اور ٹیلیگراف	۰٫۶۱	۰٫۴۶
انکم ٹیکس	۲۷٫۲۱	۱۲٫۹۱	قرضہ جات سود	۸٫۱۹	۶٫۷۳
نمک	۷٫۶۰	۵٫۷۰	قرضوں کی کٹوتی	۶٫۸۹	۵٫۱۷
دیگر ٹیکس	۰٫۶۰	۰٫۴۵	سول انتظام	۸٫۷۶	۶٫۵۷
خالص ٹیکسوں	++++	+++	پینشنیں	۳٫۰۲	۲٫۲۶
کی آمدنی	۷۵٫۶۸	۵۶٫۷۶	حفاظتی فوجوں کے خرچ	۴۶٫۲۰	۳۴٫۶۵
افیون	۰٫۶۳	۰٫۴۷			
ریلوے	×	×	صوبہ سرحد کی امداد	۰٫۰۰	۰٫۰۵
کرنسی اور ٹکسال	۱٫۱۱	۰٫۸۳	متفرقات	۰٫۷۴	۰٫۵۵
میزان	۷۸٫۱۶	۵۸٫۶۲	میزان	۷۷٫۹۱	۵۸٫۴۳

صوبوں کی آمدنی	روپیہ کروڑ	پونڈ ملین	صوبوں کے خرچ	روپیہ کروڑ	پونڈ ملین
زمین کی مالگذاری	۱۴٫۸۵	۲۶٫۴۷	اخراجات وصولی مالگذاری اور عام انتظامات	۱۴٫۸۶	۱۱٫۱۴

آبکاری	۱۴٫۸۵	۱۱٫۱۴
اسٹامپ	۱۲٫۴۰	۹٫۳۰
رجسٹری	۱٫۱۴	۵٫۸۵
شیڈ بولڈ ٹیکسز	۰٫۷۴	۰٫۵۶
آمدنی ٹیکسز	۶۴٫۱۱	۴۸٫۰۸
جنگلات	۰٫۴۹	۰٫۵۲
متفرقات	۱۱٫۳۲	۸٫۴۹
سرحد کی امداد کے سلسلے میں	۱۱٫۰۰	۱٫۷۵
میزان	۷۷٫۶۱	۵۸٫۲۱

پولس	۱۲٫۳۸	۹٫۲۸
جیل اور عدالت	۷٫۶۶	۵٫۷۵
قرضہ جات	۴٫۲۱	۳٫۱۶
پنشنیں	۵٫۸	۳٫۸۱
تعلیم	۱۱٫۸۰	۸٫۸۵
طبی اور صحت عامہ	۵٫۲۳	۳٫۹۲
زراعت و حرفت	۲٫۸۹	۲٫۱۷
سول کام	۲٫۳۳	۶٫۲۵
متفرقات	۷٫۳۴	۵٫۵۱
میزان	۷۹٫۷۸	۵۹٫۸۴

پردہ فریب کے ٹکڑے

رپورٹ والوں نے لفظی خود مختاری کی گردن میں جو گرانبار تحفظاتی پتھر آویزاں کئے تھے انہوں نے اس رپورٹ کو غرق کر دیا۔ افترا کے اس طومار سے اور شر و فساد کی اس دستاویز سے ہندوستان کا کوئی ایک فرد بھی دھوکہ کھانے کے لئے تیار نہیں ہوا۔ اور برطانیہ کے استدلال کا پردہ فریب چاک چاک ہو گیا۔

سر آغا خاں نے کہا۔ مجھے اس کے پڑھنے سے مایوسی ہوئی۔

چودھری خلیق الزماں نے کہا {ہم وائٹ پیپر نامنظور کر چکے ہیں اس لئے اس رپورٹ پر از سر نو غور کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

لبرل لیڈر مسٹر چنتامنی نے کہا:۔ وائٹ پیپر برا تھا یہ رپورٹ بد ترین ہے۔

اے کے فضل حق نے کہا:۔ ہندوستانی قوم کے لئے اس کا وجود باعث ذلت ہے۔

قوم پرست مسلم لیڈر مسٹر چھاگلہ نے کہا:۔ رپورٹ ناقص اور رجعت پسندانہ ہے۔

مولانا احمد سعید نے کہا:۔ رپورٹ توقع سے بھی زیادہ مایوس کن ہے

سر تیج بہادر سپرو نے کہا:۔ رپورٹ سے ماڈریٹ ذہنیت رکھنے والے ہندوستانی بھی مایوس ہو گئے ہیں۔

مسٹر محمد علی جناح نے کہا:۔ رپورٹ وائٹ پیپر کی تجاویز کا تتمہ ہے اور وائٹ پیپر سے بھی زیادہ رجعت پسندانہ ہے۔

کانگریس نے ریزولیوشن پاس کیا کہ:۔ رپورٹ موجودہ آئین سے بھی زیادہ شر انگیز اور خطرناک ہے۔

جواہر لال نہرو نے کہا:۔ رپورٹ اختیار برطانیہ کے ہاتھ میں دیتی ہے اور ذمہ داری ہندوستانیوں پر رکھتی ہے ہمیں ایک ایسی موٹر کار دی گئی ہے جس میں بریک ہی بریک ہیں انجن کوئی نہیں۔

پٹنہ کانفرنس

کانگریس کی ورکنگ کمیٹی نے پٹنہ میں ایک یادگار زنانہ اجلاس منعقد کر کے جائینٹ پارلیمنٹری کمیٹی کی بدنام زنانہ رپورٹ پر اپنی آخری فیصلہ کن اور سوچی سمجھی ہوئی رائے پیش کر دی کہ یہ رپورٹ وائٹ پیپر کی دفعات سے بھی زیادہ رجعت پسندانہ سفارشات پر مشتمل ہے اور اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ اس ملک سے نفع حاصل کرنے اور اس پر قابض رہنے کا سلسلہ تا ابد جاری رہے۔ اس لئے ورکنگ کمیٹی اس رپورٹ کو مسترد کرتی ہے۔ اس کا صحیح بدل صرف یہ ہے کہ ایک آئینی اسمبلی قائم کر کے دستور حکومت مرتب کیا جائے

اسمبلی کے ترقی پسند عناصر

پٹنہ میں کانگریس پارلیمنٹری بورڈ اجلاس بھی منعقد ہوا. ممبران کو اس امر کا یقین تھا کہ ان کو اسمبلی کے ۱۴۵ ممبران میں سے ۶۵ کی حمایت ضرور حاصل ہو جائے گی ۴۴ ووٹ کانگریس پارلیمنٹری بورڈ کے امیدواروں کے ۸ نیشنلسٹ پارٹی کے ایک ہندو مہا سبھا کا۔ ۲ انڈی پنڈنٹون کے جن میں اکالی پارٹی بھی شامل ہے۔ ۲ مسلم یونٹی بورڈ کے اور ۵ مخصوص مفادوں کے نمائندوں کے ووٹ کانگریس کو ملجانے کی امید تھی ان حالات کی موجودگی میں یہ ضروری تھا کہ پارلیمنٹری رپورٹ کی نامنظوری جابرانہ قوانین کی تنسیخ اور نمائندہ اسمبلی کی طلبی کے بارے میں اپنے رزولیوشنوں کو منظور کرانے کے واسطے اسمبلی کے ترقی پسند عناصر کے ساتھ جن کی رہنمائی مسٹر محمد علی جناح یا مسٹر عبدالرحیم کریں گے۔ کوئی نہ کوئی سمجھوتہ کر لیا جائے۔

مسٹر بھولا بھائی ڈیسائی کو اسمبلی میں کانگریس کا لیڈر منتخب کیا گیا۔

خان عبدالغفار خاں کی گرفتاری

دسمبر ۱۹۳۴ء کے پہلے ہفتہ میں حکومت نے واردھا میں خان عبدالغفار خاں کو گرفتار کر لیا۔ اور ان جیسے محبوب اقوام وطن کو گرفتار کرتے ہوئے اس صورتِ حال کا خیال نہیں رکھا جو جدید دستور کے نفاذ کے وقت رفع اضطراب اور اطمینان آفریں کے لئے ضروری تھی۔

وارنٹ بمبئی پریسیڈنسی مجسٹریٹ کی عدالت سے جاری ہوا تھا الزام یہ تھا کہ انہوں نے بمبئی میں ایک باغیانہ تقریر کی۔

خان صاحب گرفتاری کے وقت واردھا میں گاندھی جی کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ دو روز قبل لکھنؤ کے دورے سے واپس آئے تھے انکے لئے پروگرام بھی بنادیا گیا تھا کہ وہ مختلف صوبوں کا دورہ کرکے وہاں سیاسی بیداری پیدا کریں۔

ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولس نے پہنچتے ہی ان سے پوچھا آپ کتنی دیر میں روانگی کے لئے تیار ہو سکتے ہیں تو انہوں نے بے ساختہ طور پر جواب دیا کہ میں تیار ہوں لیکن گاندھی جی کے کہنے پر پولس اُن کو اُن کے بھائی اور اُن کے بچوں سے ملانے کے لئے گئی اور وہاں سے واپس لاکر انہیں بمبئی لے گئے۔

روانگی کے وقت گاندھی جی نے انہیں یہ مشورہ دیا کہ وہ مقدمہ کی پیروی کریں۔ لیکن سرحد کے اس سادہ مزاج پٹھان نے جواب دیا کہ جو کام پندرہ برس سے نہیں کیا اُسے میں آج اختیار کرنا پسند نہیں کرتا۔

وکٹوریہ ٹرمینس پر اُترتے ہی پولس انہیں چیف پریزیڈنسی مجسٹریٹ کی عدالت میں لے گئی۔ مسٹر کے۔ ایم منشی نے ان کی رہائی کے لئے درخواست پیش کی لیکن انہوں نے ضمانت پر رہا ہونے سے انکار کردیا۔

۱۵ دسمبر کو مجسٹریٹ نے انہیں دو سال قید کا حکم سنا دیا۔ انہوں نے مجسٹریٹ کا حکم مسکراتے ہوئے سنا۔ اور آرتھر روڈ جیل روانہ ہونے سے قبل ولبھ بھائی پٹیل، بھولا بھائی ڈیسائی، کے۔ ایم منشی وغیرہ سے ہاتھ ملایا۔

گاندھی جی کے دورہ سرحد پر پابندی

گاندھی جی نے واردھا سے ۱۵ نومبر کو وائسرائے کے پاس خط بھیجکر صوبہ سرحد کے دورہ کی اجازت طلب کی اور اس میں صراحت کے ساتھ لکھدیا کہ میں ایسا کوئی فعل نہیں کرنا چاہتا جس سے حکومت کے ساتھ تصادم ہو۔

حکومت نے نہایت لاپرواہی کے ساتھہ انکار کر دیا اور جواب آیا کہ آپ کا صوبہ سرحد جانا فی الحال پسند خاطر نہیں۔

گاندھی جی نے ۲۰ نومبر کو دوسرا عریضہ بھیجا کہ "فی الحال" سے آپ کی کیا مراد ہے۔ جواب ملا جب تک والسرائے مناسب نہ سمجھیں۔

ابھینکر اور اچاری گڈوانی کا انتقال

کانگریس کے دو سرگرم کارکن مسٹر ابھینکر اور اچاری گڈوانی کو موت نے ہم سے جدا کر لیا ۱۶ جنوری سنہ ۱۹۳۵ء کو کانگریس ورکنگ کمیٹی نے مذکورہ دونوں صاحبان کی قومی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے انکی وفات پر اظہار افسوس کیا۔

سنہ ۱۹۳۵ء کا یوم آزادی

سالہائے گذشتہ کی طرح سنہ ۱۹۳۵ء میں یوم آزادی منایا گیا یوم آزادی کے متعلق ورکنگ کمیٹی کی پاس شدہ قرارداد حسب ذیل ہے۔

چونکہ کانگریس نے سول نافرمانی کو ملتوی کر دیا ہے اس لئے اس روز آرڈیننسوں، دیگر قوانین اور مقامی حکام کے جاری کردہ احکام کی خلاف ورزی نہ کرنی چاہیئے۔ جلسہ گاہ تک احتیاط کے مدنظر خاموش جلوس نکالنے چاہئیں اور حاضرین جلسہ کو کھڑے ہو کر بغیر کسی تقریر کے صرف مندرجہ ذیل ریزولیوشن پاس کرنا چاہیئے۔

اس سنجیدہ قومی دن ہم اس بات کو تر و تازہ کرتے ہیں کہ مکمل آزادی ہمارا پیدائشی حق ہے ہم اسوقت تک چین سے نہ بیٹھیں گے جب تک ہم اس کو حاصل نہ کر لیں گے

ہم قول وفعل میں سچائی پیدا کرنے اور عدم تشدّد سے کام لینے کی دل و جان سے کوشش کریں گے۔ اور ہمیں خواہ کتنی ہی قربانی کرنی پڑے یا مصیبت اٹھانی پڑے ہم اسے کم سمجھیں گے۔

بادشاہ کی سلور جوبلی

حکومت نے اعلان کیا تھا کہ ہندوستان میں شاہ جارج پنجم کی سلور جوبلی کا جشن منایا جائے گا۔

ورکنگ کمیٹی کو ضروری معلوم ہوا کہ وہ اس معاملہ میں عوام کی رہنمائی کرے چنانچہ اس نے رزولیوشن پاس کیا کہ

ہز میجسٹی کی ذاتی بہبودی کے لئے کانگریس کی خواہشات نیک رہی ہیں اور اب بھی نیک ہیں۔ لیکن کانگریس اس بات کو نظر انداز نہیں کر سکتی کہ جس حکومت کے ساتھ ہندوستان میں ہز میجسٹی کا نام وابستہ ہے وہ قوم کی اخلاقی ترقی میں روڑے اٹکاتی رہی ہے اور اس وقت بھی یہ حکومت اس آئین کو جاری کرنے کی دھمکی دے رہی ہے جس کے نفاذ سے ملک کی مزید تباہی اور سیاسی نیز اقتصادی غلامی کے اور بھی مضبوط ہو جانے کا اندیشہ ہے۔

ورکنگ کمیٹی یہ نہیں چاہتی کہ وہ مخالفانہ مظاہرے کر کے ان انگریزوں اور دیگر لوگوں کی جو جشن کے جلسوں میں شریک ہونا چاہتے ہیں دل آزاری کرے۔ اس لئے عام پبلک اور کونسلوں کے منتخب شدہ کانگریسی ممبران کو مشورہ دیتی ہے کہ وہ جلسوں سے غیر حاضر رہنے پر ہی قناعت کریں۔

ورکنگ کمیٹی کو یقین ہے کہ حکام اور ذمہ دار انگریز ورکنگ کمیٹی کی نیک نیت پر مبنی طرز عمل کی داد دیں گے اور لوگوں کو بالواسطہ جشن کے جلسوں میں شرکت کے لئے مجبور کر کے قومی خودداری کو بے ضرورت زخمی کرنے سے احتیاط برتیں گے۔

راجندر جناح گفتگو

۲۳ر جنوری ۱۹۳۵ء کو کانگریس کے صدر راجندر بابو اور آل انڈیا مسلم لیگ کے صدر مسٹر محمد علی جناح کے مابین ایک ایسے متفقہ سمجھوتے کیلئے گفت وشنید شروع ہوئی۔ جو وزیر اعظم کے فرقہ وارانہ فیصلہ کی جگہ لے سکے اور فرقہ وارانہ نفاق کو ختم کر کے ملک کو متحدہ مقابلہ کے قابل بنا سکے۔

گفت وشنید ۱ر مارچ تک جاری رہی لیکن ملک کو یہ جان کر نہایت مایوسی ہوئی کہ کوئی نیک نتیجہ برآمد نہ ہو مجبوراً دونوں لیڈروں نے متفقہ اعلان میں کہا:۔

فرقہ وارانہ مسئلہ کو طے کرنے کے لئے ہم نے نہایت ہی دیانت دارانہ کوشش کی کہ اس سے دونوں فریق مطمئن ہو سکیں۔ لیکن ہم کو افسوس ہے کہ ہم انتہائی کوشش کے باوجود اس قسم کا کوئی حل نہ نکال سکے۔ ہم محسوس کرتے ہیں کہ ملک کی ترقی کے لئے فرقہ وارانہ یکجہتی اور اتحاد نہایت ضروری ہے اور ہم صرف یہی امید کر سکتے ہیں کہ حالات جب خود سازگار ہوں گے۔ تو آئندہ زیادہ نتیجہ خیز کوشش کا عمدہ حل حاصل ہو سکے گا۔

اسمبلی میں کانگریس لیگ اتحاد

۱۱ر جنوری ۱۹۳۵ء کو اسمبلی کا اجلاس شروع ہوا۔ بھولا بھائی ڈیسائی

کانگریس پارٹی کے لیڈر تھے اور اسمبلی کی انڈیپنڈنٹ پارٹی کے لیڈر مسٹر محمد علی جناح تھے۔ ان کی پارٹی نے کانگریس کے ساتھ ہم نوا ہو کر حکومت کو بارہا شکستیں دیں۔

اسمبلی میں پارلیمنٹری رپورٹ کے پرخچے

صوبجاتی کونسلوں میں پارلیمنٹری رپورٹ کی بحث پر سرکاری ممبران نے ووٹ دینے سے جائز طور پر پرہیز کیا تاکہ ووٹنگ پر ہندوستانی رائے عامہ کی نمائندگی ہو سکے۔ لیکن اسمبلی میں حکومت نے مخالف ترمیموں کے مقابلہ کا فیصلہ کیا۔

۷ رفروری ۱۹۳۵ء کو رپورٹ مرکزی اسمبلی میں پیش ہوئی کانگریس پارٹی کے لیڈر مسٹر بھولا بھائی ڈیسائی نے رپورٹ کو کئی حصوں میں تقسیم کر کے بحث کی وزیر اعظم کے فرقہ وارانہ فیصلہ کے متعلق کانگریس کی غیر جانبداری یقینی تھی۔ چنانچہ مسٹر ڈیسائی نے فرقہ وارانہ فیصلہ کے متعلق غیر جانبدارانہ رویہ رکھتے ہوئے رپورٹ کے باقی حصوں پر مسٹر محمد علی جناح کیساتھ اتحاد کر کے حکومت کو شکست دی مسٹر محمد علی جناح نے فرقہ وارانہ فیصلہ کو تسلیم کر لینے کے متعلق اپنی ترمیم پیش کرتے ہوئے کہا۔۔

"میری ترمیم یہ ہے کہ جب تک —— حضرات میری شرط کے تعینات کو بخوبی سمجھ لیجئے —— ہم آپس میں مل کر کوئی معقول اور اعلیٰ لائحہ عمل پیش نہ کر سکیں اسوقت تک فرقہ وارانہ حل تسلیم کر لینا چاہیئے۔ میرے ہندو دوست اس حل سے مطمئن نہیں ہیں۔ بیشک میں خود بھی نہیں ہوں اور یقین دلاتا ہوں کہ مسلمان بھی اس سے مطمئن نہیں ہیں ہرگز نہیں ہیں کیونکہ یہ حل

مسلمانوں کے ورد کا پورا علاج نہیں ہے۔ اور ان کے مطالبات کو بکمال ضرورت پورا نہیں کرتا۔ میں اس حل سے عدم اطمینان کا یقین دلاتا ہوں۔ اور اگر میری انفرادی رائے دریافت کی جائے تو عرض کروں گا کہ ذاتی طور پر میں اس کو خودداری کے خلاف سمجھتا ہوں۔ کہ غیر قوم کے مسلط کردہ حل کو قبول کیا جائے مجھے اس وقت روحانی اطمینان نہ ہوگا۔ جب تک ہندوستان کی اقوام فرقہ وارانہ معاملات کے متعلق کوئی معقول حل خود ہی تجویز نہ کرلیں گی،،

اس کے بعد مسٹر جناح نے پوری اسکیم پر مدلل بحث کرتے ہوئے کہا:۔

"جوائنٹ پارلیمنٹری کمیٹی کی رپورٹ، قرطاس ابیض اور تمام متعلقات ایک عیارانہ فریب ہے اور فیڈریشن کا سراب ہے فیڈریشن جس چیز کا نام ہے اسکا عکس بھی اس اسکیم میں نظر نہیں آتا۔ سائمن کمیشن کی سفارشات کا بھی یہی عالم ہے،،

مرکزی اسکیم کی خرابیوں پر تبصرہ کرتے ہوئے مسٹر جناح نے کہا:۔

"ہمارے لئے جو منحوس چکر بنایا گیا ہے وہ اوّل صوبجاتی آزادی پر مشروط و محدود فیڈریشن اور اسکے بعد مرکزی ذمہ داری کا عکس دکھاتا ہے یقین کیجیے ہم اس چکر سے کبھی نہیں نکل سکتے اور شاید پہلی ہی منزل میں ہمارا دم نکل جائے گا۔ ہندوستان جس سیاسی ترقی اور بیداری کا طلب گار ہے وہ اس چکر سے حاصل نہ ہوگی،،

بحث کے آخر میں انہوں نے کہا۔

"میرا کام دراصل یہ ہے کہ اسکو کامل طور پر مسترد کر دینے سے پہلے ایک ترمیم ضابطہ بھی پیش کردوں اور یہ بتاؤں کہ اسکی جگہ کس نعم البدل کی ضرورت ہے۔ میری ترمیم چاہتی ہے کہ صوبجاتی حکومت کا نظام درست کیا جائے۔

دوسرا ایوان نہ بنایا جائے۔ مرکزی حکومت کی اسکیم قطعی طور پر مسترد کردی جائے اور اسکی جگہ ایک حقیقی اور آزادانہ اسکیم بنائی جائے جس میں ہندوستان کی رائے عامہ کو ترجیح دی جائے یعنی تمام نقشہ از سر نو تعمیر ہو تاکہ برطانوی ہند میں حقیقی معنوں میں ذمہ دارانہ حکومت قائم ہو۔"

کانگریس فرقہ وارانہ فیصلہ کے علاوہ رپورٹ کے باقی حصوں کو مسترد کر دینے میں مسٹر جناح کی حامی تھی چنانچہ اس نے مسٹر جناح کے ساتھ ووٹ دیئے اور حکومت کو شکست دی۔

اسمبلی میں کانگریس کی کامیابیاں

اسمبلی میں کانگریس نے بہت سی تجاویز و ترمیم پیش کر کے شاندار کامیابیاں حاصل کیں

مسٹر سرت چندر بوس نظر بند تھے۔ لیکن اس کے باوجود انہیں بلا مقابلہ اسمبلی کا ممبر منتخب کر لیا گیا تھا۔ لیکن حکومت نے انہیں اجلاس میں حاضر ہونے کی اجازت نہیں دی۔ ان کی نظر بندی کے سلسلہ میں تحریک التوا پیش کی گئی اور وہ ۸۵ ووٹوں سے پاس ہوئی

کانگریس کا دوسرا محاذ انڈو برٹش ٹریڈ ایگریمنٹ کے خلاف تھا۔ یہ وزیر ہند اور برٹش کیبنٹ کے درمیان ایک پوشیدہ معاہدہ تھا نئی اصلاحات کے ماتحت یہ تجارتی تحفظات کے سلسلہ میں پہلا قدم تھا کہا گیا تھا کہ ہندوستان کی حفاظت اس سے زیادہ نہ ہو گی کہ اسکے بنائے ہوئے مال کی قیمتوں اور درآمد شدہ مال کی قیمتوں کا توازن ہو جائے۔ یعنی ہندوستانی مال کی قیمتیں بدیشی مال کی قیمتوں کے برابر رہیں اور ممالک متحدہ کی مصنوعات پر اگر

کہیں ضرورت محسوس ہوئی تو محصول کم کر دیا جائیگا۔ اس کے علاوہ انگریزی اور غیر ملکوں کے مال میں شرح محصول کے درمیان جو تھوڑا سا فرق رکھا گیا ہے اسے بدل کر ممالک متحدہ کے مال کو نقصان نہیں پہنچایا جائیگا جب کبھی ٹیرف بورڈ کے سامنے کسی ہندوستانی صنعت کی حفاظت کا سوال پیش کیا جائیگا۔ تو حکومت ممالک متحدہ کے صنّاعوں اور اس سے دیگر دلچسپی لینے والی پارٹیوں کو اس شکایت کے رد کرنے کا پورا پورا موقع دے گی۔ ہندوستانی خام لوہے کو اسی وقت تک ممالک متحدہ میں بلغیر محصول بھیجنے کی رعائتیں دی جائیں گی۔ جبتک ممالک متحدہ کے لئے وہ محصول فائدہ رساں ثابت ہوتا رہے گا جو لوہے اور فولاد کی بنی ہوئی چیزوں کی برآمد پر ہندوستان میں لگایا جا رہا ہے۔

اس معاہدہ کو رد کرنے کے لئے کانگریس نے ۵۸ ووٹوں کے مقابلہ میں ۶۶ ووٹ حاصل کئے۔

خدائی خدمت گاروں پر سے پابندیاں ہٹا دینے کی تحریک پر بھی ۴۶ ووٹوں کے مقابلے میں کانگریس نے ۷۴ ووٹ حاصل کر کے حکومت کو شکست دی۔

علاوہ بریں اور بہت سی ترمیموں اور تجویزوں میں بھی حکومت کو شکست فاش دی

میری کہانی کی تکمیل

جواہر لال نہرو نے الموڑہ ڈسٹرکٹ جیل میں ۱۴ر فروری ۱۹۳۵ء کے اپنے حالات زندگی کو قلمبند کیا۔ اس کی تکمیل کے بعد وہ لکھتے ہیں:

شاید میری سرگذشت لوگوں کو ہیجان خیز نہ معلوم ہو۔ جس کی عمر قید میں کٹی ہو اس کی زندگی میں ہیجان خیز واقعات کہاں سے آئیں ؟ سچ پوچھیے تو میری کہانی میں کوئی انوکھی بات نہیں ہے جو مجھ پر گذری وہی میرے ملک کے لاکھوں مردوں اور عورتوں پر بھی گذری، بدلتی ہوئی کیفیتوں، امیدوں اور مایوسیوں، شگفتگی اور افسردگی، سخت جد وجہد اور جبری تنہائی کی یہ داستان ہم سب کی داستان ہے۔ ایک فرد قوم کی حیثیت سے میں قوم کے ساتھ ساتھ چلتا رہا۔ کبھی اس پر اثر ڈالا کبھی اس سے متاثر ہوا۔

نہ جانے میں نے کتنے سال جیل میں بسر کیئے کتنے موسم آئے اور چلے گئے کتنے چاند بڑھے اور گھٹ گئے۔ ستارے بڑے ثبات اور وقار سے اپنے سیر پر چلتے رہے اور میں تنہائی اور محویت کے عالم میں تماشے دیکھتا رہا میری جوانی کے بے شمار دن یہاں دفن ہیں کبھی کبھی وہ بھوت بن کر میرے سامنے آجاتے ہیں۔ گذرے ہوئے زمانے کی تلخیاں یاد دلاتے ہیں اور چپکے سے میرے کان میں کہتے ہیں " اس سے کچھ حاصل بھی ہوا۔ میں اس کا جواب دینے میں ذرا بھی نہیں ہچکچاتا۔ اگر مجھے اپنے موجودہ علم اور تجربہ کے ساتھ گذری ہوئی زندگی پھر سے بسر کرنے کا موقع ملے تو بیشک میں اپنی ذاتی زندگی میں بہت سی تبدیلیاں کروں، اپنے پچھلے کاموں میں بہت کچھ ترمیم اور اصلاح کروں مگر خاص خاص قومی مفاد کے لیئے میں، میرے فیصلے وہی ہوں گے۔ جو پہلے تھے۔ سچ پوچھیے تو میں ان کو بدل ہی نہیں سکتا میں خود ان کے آگے بے بس ہوں۔ یہ فیصلے میں نے نہیں کیئے بلکہ ایک ایسی قوت نے مجھ سے کرائے جو میرے اختیار میں نہیں۔

تصدّق احمد شیروانی کا انتقال

موت کے زبردست ہاتھ نے کانگریس کے سرگرم کارکن تصدق احمد شیروانی کو ملک سے چھین لیا۔

۴۴- ۲۵ر اپریل ۱۹۳۵ء کو جبل پور میں کانگریس کمیٹی کا اجلاس ہوا کانگریس نے اس اجلاس میں اپنے اس وفادار اور جانباز بہادر کی وفات پر اظہار غم کیا۔

بیمار کملا نہرو کی روانگی

بھوالی میں علاج کے باوجود کملا نہرو کی حالت خراب ہوتی جارہی تھی بالآخر مجبور ہو کر انہیں علاج کے لئے جرمنی کے علاقے شوارتس والڈ میں باڈن وائلر کے مقام پر بھیجنا پڑا۔

کملا نہرو کے یورپ چلے جانے سے جواہر لال نہرو کا بھوالی جانا بند ہو گیا۔ اور انہیں پندرھویں دن جیل سے باہر نکل کر پہاڑی سڑکوں سے گذرنے کا جو موقع ملتا تھا وہ جاتا رہا انہیں اسکا بڑا قلق ہوا اور الموڑے کا جیل اور بھی سنسان معلوم ہونے لگا۔

زلزلہ کوئٹہ

۳۱ر مئی ۱۹۳۵ء کو کوئٹہ کے زلزلے نے ملک بھر کو بیتاب کر دیا۔ تمام ملک پر غم واندوہ کے بادل چھا گئے۔ لیکن حکومت ہمیشہ انوکھی حرکتیں کرتی ہو چنانچہ اس نے کانگریس کے صدر راجندر بابو کو جن سے زیادہ زلزلے

کے امدادی کام کی واقفیت ہندوستان میں کسی کو نہیں ہے۔ اس کی اجازت نہیں دی کہ وہ کوئٹہ جا کر امدادی کام میں شریک ہوں اسی طرح گاندھی جی اور دوسرے مشہور لیڈر بھی وہاں جانے سے روک دیئے گئے۔ بہت سے ہندوستانی اخبارات کی ضمانتیں اس جرم میں ضبط کر لی گئیں کہ انہوں نے کوئٹہ کے متعلق مضامین کیوں لکھے۔

بالآخر مجبور ہو کر ممنوع رقبہ کے ارد گرد ڈیرے ڈال کر امداد پہنچانے کا بندوبست کیا گیا۔ راجندر بابو نے ایک مرکزی ریلیف کمیٹی مرتب کی جس نے ان مصیبت زدگان کو امداد پہنچائی جو کوئٹہ سے زندہ بچ کر آ گئے تھے۔

بمبئی کی ایک فلم کمپنی نے کوئٹہ کے زلزلہ کے مناظر دکھا کر امداد کی اپیل کی تھی۔ ان مناظر کو دیکھ کر رونگٹے کھڑے ہوتے تھے۔ کوئی چیز تباہ ہونے سے نہیں بچی تھی۔ بڑی بڑی سر بفلک عمارتیں مٹی کا ڈھیر ہو کر رہ گئی تھیں بے تعداد انسان ضائع ہوئے تھے اور زر و مال کی بربادی کا کوئی ٹھکانا نہیں تھا

جواہر لال نہرو کی روانگی یورپ

۲ ستمبر ۱۹۳۵ء کو باڈن وائلر میں کملا نہرو کی حالت بہت نازک ہو گئی ۴ ستمبر کو جواہر لال نہرو کو کملا نہرو کی بیماری کے پیش نظر الموڑہ جیل سے رہا کر دیا گیا اور انہیں بتایا گیا کہ تمہاری سزا ملتوی کی جاتی ہے۔ انہیں سزا کی میعاد ختم ہونے سے ساڑھے پانچ مہینے پہلے رہائی ملی تھی ان سے کہا گیا تھا کہ فوراً یورپ روانہ ہو جائیں۔ اور اگر وہ اپنی قید کی میعاد ختم ہونے سے پہلے ہندوستان واپس آئیں گے تو انہیں غیر منسوخ شدہ احکام کے بموجب جیل بھیج دیا جائیگا۔

کملا نہرو کی بیماری کی شدت کے سبب جواہر لال نہرو سخت پریشان تھے
چنانچہ وہ بذریعہ ہوائی جہاز یورپ روانہ ہو گئے۔

یورپ میں ہلچل مچی ہوئی تھی ایک طرف جنگ اور شورش کا خوف تھا
دوسری طرف معاشی تباہی کا ڈر غالب تھا۔ اٹلی حبش پر چڑھائی کر رہا تھا۔
اور وہاں کے باشندوں پر گولے برسائے جا رہے تھے شہنشاہی سلطنتوں
میں ان بن تھی اور وہ ایک دوسرے کو دھمکیاں دے رہی تھیں انگلستان جو
سب سے بڑی شہنشاہی قوت ہے ایک طرف صلح وامن اور انجمن اقوام کے
قانون کی حمایت کر رہا تھا اور دوسری طرف اپنی محکوم قوموں کے ساتھ اس کا
سلوک برعکس تھا۔

شوارتس والڈ میں جہاں کملا نہرو بستر مرگ پر پڑی ہوئی تھیں امن اور
سکون تھا وہاں نازیوں کو سواستکا بھی بہت کم نظر آتا تھا۔ فرانس کی سرحد جو
وہاں سے بہت دور تھی کہر کے سبب نظروں سے چھپتی جاتی تھی اور سارے
منظر پر ایک سیاہ پردہ پڑتا جاتا تھا۔ جواہر لال نہرو سوچتے تھے کہ خدا جانے
اس کہر کے پیچھے کیا ہے۔

پریس ایکٹ کا وار

ہندوستان میں امن کے زمانے میں بھی بہت سی انجمنیں خلاف
قانون قرار دیدی جاتی ہیں۔ حکومت کے میگزین میں ہنگامی اختیارات
اور قیام امن کے قوانین ہر وقت تیار رکھے جاتے ہیں۔ اسطرح دیانت دارانہ
اخبار نویس کا امکان کم ہو جاتا ہے۔

۴ ستمبر ۱۹۳۵ء کو اسمبلی میں پریس ایکٹ کی عملدر آمد کے متعلق سرکاری

طور پر ایک بیان دیا گیا کہ ۱۹۳۲ء سے اب تک ۵۱۴ - اخبارات پر ضمانت کی طلبی اور ضبطی کا اثر پڑا۔ انمیں سے ۳۴۸ - اخبارات بند ہو گئے۔ اس لئے کہ وہ ضمانتیں نہ دے سکتے تھے اور ۱۶۶ نے ضمانتیں داخل کیں جن کی مجموعی تعداد ۲ لاکھ ۵۲ ہزار ۸۲۵ روپیے تھی

جرمنی میں جواہرلال اور سوبھاش بابو کی ملاقات

اس زمانہ میں سو بھاش چندر بوس علالت کے باعث آسٹریا میں مقیم تھے ۱۹۳۳ء میں وہ اپنی نظر بندی کے دوران میں جیل میں سخت بیمار ہو گئے تھے۔ ان شدید علالت کے سبب حکومت نے مئی ۱۹۳۳ء میں انہیں علاج کے لئے یورپ جانے کی اجازت دیدی تھی۔

سوبھاش بابو اکتوبر میں کملا نہرو کی بیمار پرسی کے لئے آسٹریا سے جرمن گئے۔ اور چند روز وہاں مقیم رہ کر اور جواہرلال نہرو سے تبادلہ خیالات کر کے آسٹریا واپس گئے۔

کملا نہرو کی عدیم المثال قربانی

کملا نہرو موت و زندگی کی کشمکش میں مبتلا تھیں اور ان کی تیمارداری کے لئے ان کے پاس جواہرلال نہرو کی موجودگی کی شدید ضرورت تھی۔ لیکن چونکہ اس وقت دنیا بھر میں سیاسی ہلچل مچی ہوئی تھی اور جنگ برپا ہونے کے خوف سے بہت سے نئے اور اہم واقعات رونما ہونے کا خدشہ تھا۔ اس لئے انہوں نے اپنی جان کی پرواہ نہ کی اور جواہرلال نہرو سے کہا:۔

ایسا نہ ہو کہ آپ میرے سبب سیاسی کاموں کو نظر انداز کر دیں۔

آپ مری بیماری کی پرواہ نہ کیجئے اور اپنے فرض کو مستقل مزاجی سے سرانجام دیجئے۔

برطانوی پارلیمنٹ میں جواہرلال کی تقریر

اسی دوران میں ہندوستانی دوستوں اور انگریز مداحوں نے جواہرلال کو لندن آنے کی دعوت دی۔ چنانچہ انہوں نے اکتوبر ۱۹۳۵ء اور جنوری ۱۹۳۶ء میں لندن کے دورے کئے ان موقعوں پر ریلوے اسٹیشن پر ان کے نہایت شاندار استقبال کئے گئے۔ لندن میں انہوں نے سیاسی پارٹیوں کے لیڈروں اور پارلیمنٹ کے ممبروں سے ملاقات کی اور بہت سے جلسوں میں تقریریں کر کے ہندوستانی نقطۂ خیال کی وضاحت کی اور برطانوی شہنشاہیت کی دھجیاں اُڑادیں۔ ایک جلسہ میں جہاں پارلیمنٹ کے ممبر بھی موجود تھے۔ انہوں نے کہا کہ ہمارا ملک ایک وسیع جیل خانہ ہے۔ جس کی کنجی غیر ملکی حکمرانوں کے ہاتھ میں ہے۔ ہم ان حالات کو بدلنا چاہتے ہیں اور اس وقت تک چین سے نہ بیٹھیں گے جب تک کہ یہ حالات ختم نہیں ہو جاتے۔

۵ر فروری ۱۹۴۶ء کو انہوں نے برطانوی پارلیمنٹ میں تقریر کی اور برطانوی حکومت کے طرز حکومت اور بدترین طرز خیال کی مذمت کی

صدارت کا دوبارہ اعزاز

جواہرلال جبکہ کانگریس کے سفیر کی حیثیت سے لندن میں اپنی ولولہ انگیز تقریروں سے برطانوی شہنشاہیت کی بنیادوں کو ہلا رہے تھے۔

ہندوستان میں یکم فروری ۱۹۳۵ء کو کانگریس نے انہیں دوبارہ اپنا صدر منتخب کیا

کملا نہرو کا انتقال پُر ملال

کئی سال تک بیماری سے متواتر اور مسلسل جنگ آزما رہنے کے بعد ہندوستان کے جانباز اور جاں نثار بیٹی کملا نہرو نے آخر کار ۲۸ فروری ۱۹۳۶ء کو صبح ۵ بجے دم دیا اور وہ شمع بجھ گئی جس سے سارے ہندوستان میں اُجالا تھا۔

انہوں نے اپنی زندگی میں ہندوستان کی آزادی کے لئے جو قربانیاں دیں وہ آزاد ہندوستان میں سونے کے حرفوں سے لکھی جائیں گی۔ اور آج کے مورخ کی طرح آنے والا مورخ بھی ان کا ذکر ہمیشہ ادب و احترام سے کرے گا۔

انہیں اپنی زندگی میں بیماری کے مسلسل حملوں نے لاچار کر دیا تھا۔ اس کے باوجود ہمت و دلیری ان میں بدرجہ اتم موجود تھی۔ سول نافرمانی کی تحریک کے زمانے میں وہ قومی فوج کی صف اول میں آپہنچ گئی تھیں اور جب انہیں قید کی سزا کی تو وہ بہت خوش ہوئیں۔

بیماری نے ان کی زندگی کے اکثر ماہ و سال اسپتالوں اور صحت گاہوں میں گذروائے، انہیں اپنے شوہر سے ملنے کا اتفاق کبھی کبھی جیل کے دروازے پر ہو جایا کرتا تھا۔

ان دنوں میں جبکہ ان کی حالت زیادہ بگڑ گئی تھی انہیں اپنے قریب اپنے شوہر کی موجودگی کی بہت زیادہ ضرورت تھی۔ حکومت نے جواہرلال

نہرو کو گیارہ دن کے لئے عارضی طور پر رہا کر دیا تھا۔ اور حکومت چاہتی تھی کہ اگر وہ بے ضابطہ طور پر وعدہ کر لیں کہ قید کی میعاد کے ختم ہونے تک سیاست سے الگ رہیں گے تو انہیں کملا دیوی کی تیمارداری کے لئے رہا کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اس جاں باز اور بہادر خاتون کو اپنی زندگی سے زیادہ ہندوستان کی آن پیاری تھی۔

چنانچہ اس وقت جبکہ گیارہ دن بعد جواہر لال نہرو کو دوبارہ جیل لے جایا جا رہا تھا۔ حالانکہ وہ بخار کی تیزی کے سبب قریب قریب بیہوش سی تھیں۔ لیکن اپنے شوہر کی جیل خانہ سے طلبی کی خبر سُنکر وہ بہادری سے مسکرائیں اور انہیں جھکنے کا اشارہ کیا جب جواہر لال نہرو جھکے تو انہوں نے کان میں کہا یہ کیا قصہ ہے؟ کیا تم سے کہا جاتا ہے کہ تم حکومت سے کوئی وعدہ کر لو! دیکھو یہ ہرگز نہ کرنا۔

گاندھی جی کا خراج عقیدت

کملا نہرو کی موت پر ہندوستان بھر میں ماتم کی لہر دوڑ گئی۔ گاندھی جی نے کہا۔

کملا نہرو کی موت سے ملک کو بہت نقصان پہنچا ہے۔ میں ان سے عرصہ دراز سے واقف تھا۔ ان سے زیادہ سچی بہادر اور خدا ترس خاتون مجھے نظر نہیں آتی۔ ان کی زندگی ہمارے لئے قابل تقلید ہے۔

بے مثال اعزاز

یوروپ سے جواہر لال نہرو کی واپسی سے پہلے کانگریس نے ان کو

دوبارہ اپنا صدر منتخب کر لیا تھا۔ اس کے دوسرے سال فیض پور کے اجلاس میں بھی یہ عزت ان ہی کو ملی اس طرح انہیں یہ نمایاں امتیاز حاصل ہے کہ وہ کانگریس کے تین بار صدر بنے اس سے پہلے کسی دوسرے کو یہ عزت نصیب نہ ہو سکی تھی۔

پہلا حصہ ختم ہوا

قیمت دوسرا حصہ پانچ روپے

منگائیے۔

جام و مینا

مرتبہ

حکیم محمد یوسف حسن ایڈیٹر نیرنگ خیال لاہور

پریم چند، خواجہ حسن نظامی، سدرشن۔ ایم۔ اسلم

حامد اللہ افسر، سید نصیر احمد بی۔ اے۔ سلطان حیدر جوش

بلقیس خاتون جمال، نذر سجاد حیدر وغیرہ کے افسانوں کا مجموعہ

قیمت ڈھائی روپے

نیا کتاب گھر اردو بازار جامع مسجد دھلی

نیتاجی
بہادر شاہ کے مزار پر

گئے۔ انکے ساتھ انکے کمانڈر سہگل، شاہنواز وغیرہ بھی تھے۔ بہادر شاہ کی قبر پر جاکر نیتاجی نے آواز دی کہ میں اور میرے ساتھی آپکا تخت واپس لینا چاہتے ہیں۔ آپسے اجازت کے طلبگار ہیں۔ مسلمان بادشاہ نے موجودہ زمانہ کی ہندو مسلم کشیدگی نہیں دیکھی تھی۔ وہ ہندو کو بھی اپنا بھائی جانتے تھے۔ پہلے تو مغل بادشاہ کی روح نیتاجی سے گلے مل ملکر روئی اور کہا میں بے بس ہوں۔ اسلئے میری تو صرف دعائیں تمہارے ساتھ ہیں جو کام میں چاہتا تھا اسے ختم کرو۔ غدر ۱۸۵۷ء میں میں نے ہندوستانی وطن پرستوں کی رہنمائی کی تھی۔ جبکہ میرٹھ سے فوجیں اٹھیں اور مجھسے مدد چاہی میں انکے ساتھ ہوگیا۔ لیکن ہار گیا۔ اور آج ہزاروں من مٹی کے نیچے بے بس ہوں۔ غدر ۱۸۵۷ء کے بعد سے بہت سے بہادروں نے اپنے خون کا سہرا باندھا۔ اب تم کو اجازت دیتا ہوں۔

غدر ۱۸۵۷ء سے غدر پارٹی۔ مسلمان علماء کے ریشمی خطوط اور انور پادشاہ سے ہندوستان پر حملہ کرانیکی سازش۔ پنجاب و سکھوں اور سکھ تارکان وطن کی انقلابی جدوجہد ہندوستانی انقلاب پسندوں اور دہشت انگیزوں کے کارنامے۔ سوبھاش بابو کا آزاد ہند فوج تیار کرنا۔ اور آخر میں مغل شہنشاہ کے مزار پر جانا۔ سوبھاش بابو کی تقریریں، عارضی حکومت، آزاد ہند فوج کے فرامین (حکم نامے)، اور اعلانات آزاد ہند فوج کی لڑائیاں، آزاد ہند فوج کے انتظامی شعبے، کپتان شاہ نواز۔ سہگل ڈہلوں وغیرہ کے مقدمات اور انکی خفیہ ڈائریاں، فریقین کے وکلاء کی بحث عدالت کا فیصلہ، کمانڈر انچیف کی فیصلہ میں ترمیم اور وہ وہ حالات جو ابتک کسی اخبار یا کتاب میں صحیح اور مکمل شائع نہیں ہوئے وہ آپ کتاب

مکمل تاریخ آزاد ہند فوج

جسکو مولانا اے۔ اے۔ آزاد نے نے طیار کی ہے۔ پڑھیے۔ جلد منگائیے۔ شاید ضبط ہوجائے

تقریباً چھ سو صفحات مجلد قیمت ؎ چھ روپے

نیا کتاب گھر اردو بازار جامع مسجد دہلی